سلسلۂ تالیفات وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹیڈ امرتسر
نمبر ۱۸

سلسلۂ وزراء اسلام

کی

پہلی جلد

البرامکہ

یعنی خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے نامور وزرا یحییٰ فضل و جعفر برمکی کی

مفصل سوانح عمری

کا

پہلا، دوسرا اور تیسرا حصہ

اس کتاب کے پہلے حصہ میں یحییٰ، دوسرے میں فضل، تیسرے میں جعفر برمکی
کی سوانح عمری اور ان مراتب کی تفصیل ہے جو اسباب زوال برامکہ اور حضرت عباسہ
کی شادی کے غلط واقعہ کی تحقیقات سے متعلق ہیں

مؤلفہ
منشی محمد عبد الرزاق صاحب کانپوری

(مؤلف کی نظرثانی اور محققانہ اصلاحات و تغیرات کے بعد اشاعت کی گئی)

مطبوعہ نولکشور سٹیم پریس لاہور

قیمت مجلد ۲ جلد سے و روپے

جَعْفر بن یحییٰ بَرمکیْ
(وزیر خلیفۂ ہارون الرشید)
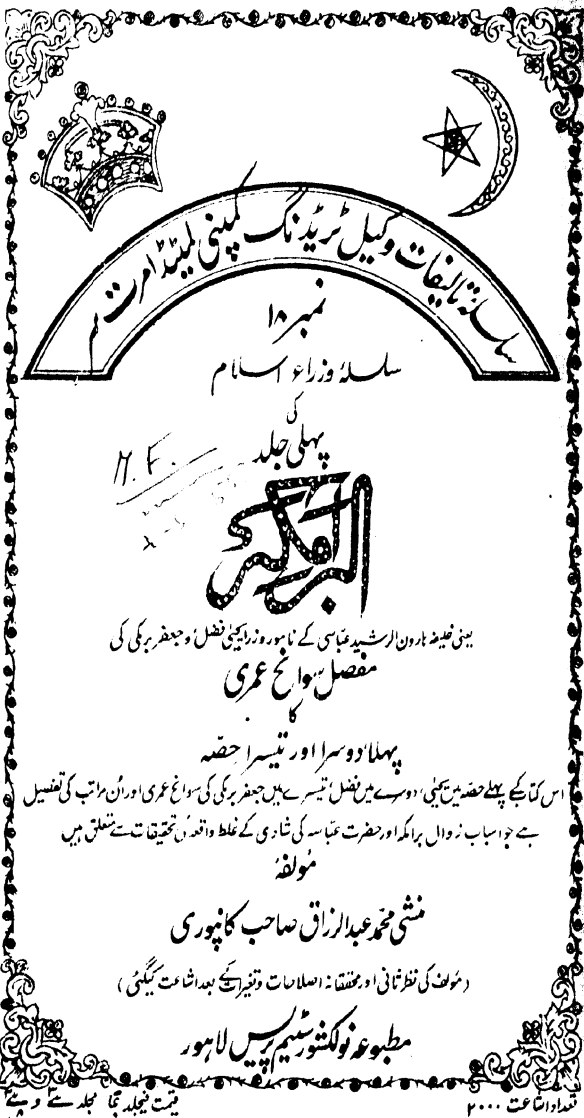
سلسلۂ تالیفات وکیل ٹریڈنگ کمپنی لمیٹڈ امرتسر

نمبر ۱۸

سلسلۂ وزراء اسلام

کی

پہلی جلد

البرامکہ

یعنی خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے نامور وزرا یحییٰ، فضل، و جعفر برمکی کی

مفصل سوانح عمری

کا

پہلا، دوسرا اور تیسرا حصہ

اس کتاب کے پہلے حصہ میں یحییٰ، دوسرے میں فضل، تیسرے میں جعفر برمکی کی سوانح عمری اور ان مراتب کی تفصیل ہے جو اسباب زوال برامکہ اور حضرت عباسہ کی شادی کے غلط واقعہ کی تحقیقات سے متعلق ہیں

مؤلفہ

منشی محمد عبدالرزاق صاحب کانپوری

(مؤلف کی نظر ثانی اور محققانہ اصلاحات و تغیرات کے بعد اشاعت کی گئی)

مطبوعہ نولکشور سٹیم پریس لاہور

قیمت غیرمجلد ۲ مجلد ۳ روپے

تعداد اشاعت ۲۰۰۰

فہرست مطالب کتاب البرامکہ

مضمون	صفحہ
پہلا حصہ	
دیباچہ	
سوانح عمری کے فوائد	۱۰
فہرست کتب جن سے البرامکہ ماخوذ ہے	۱۷
لفظ برمک کی تحقیقات اور خاندان برامکہ کی وجہ تسمیہ . . .	۱۹
خاندان برامکہ کی ابتدائی حالت	۲۷
شجرۃ النسب آل برمک	۲۸
جعفر بن جاماس	۲۸
نام و نسب	۳۰
آتشکدۂ نوبہار	۳۰
جعفر کی قابلیت	۳۳
عہد خلافت ولید ابن عبدالملک	۳۳
خالد بن جعفر برمکی	۳۹
خالد کی ولادت	۳۹
تعلیم و تربیت	۴۰
بنو اُمیّہ کی سلطنت کا زوال اور دولت عباسیہ کا آغاز	۴۱
ذکر آبادی بغداد	۴۷
اشعار منتخب قصیدۂ حکیم انوری	۵۴
بیعت مہدی و خلع عیسیٰ بن موسیٰ	۵۵
خالد اتالیق مہدی عباسی	۵۵
خالد کی حکیمانہ نصیحت	۵۶
خالد کی اصابت رائے کا ایک واقعہ	۵۷
موصل کی حکومت	۵۹
خالد کا علم و فضل و ملکی اقتدار	۶۰
طرز حکومت	۶۱
اولیات	۶۱
منصور عباسی کا علمی زمانہ	۶۲
ابوالفضل یحییٰ بن خالد برمکی	۶۷
ولادت	۶۷
طفولیت	۶۷
تعلیم و تربیت	۶۷
یحییٰ کا سن رشد ملکی اعزاز	۶۸
یحییٰ اتالیق ہارون الرشید	۶۹
یحییٰ کے عام اخلاق و عادات شاہانہ فیاضی اہل علم کی قدردانی . . .	۷۰
فیاضی پر شعرا کا فیصلہ	۷۱
برامکہ کے اوصاف	۷۳
ایک شاعر کے فی البدیہ اشعار کا صلہ	۷۳
فیاضی کا خاص طریقہ	۷۴
علم موسیقی کی کمال قدردانی	۷۵
اہل علم کی قدردانی	۸۵
سادہ مزاجی	۸۶
اطبا کی قدردانی	۸۶

ب

مضمون	صفحہ
حسن مکافات	۸۰
امین و مامون کی مخالفت پر یحییٰ کی پیشین گوئی	۹۲
مثال ایثار	۹۵
خالد عبداللہ بن مالک الخزاعی اور یحییٰ کی عالی ہمتی و مروّت	۹۸
رقت طبع	۱۰۲
آداب شاہی	۱۰۲
خیرات کا عمدہ طریقہ	۱۰۳
لطیفہ	۱۰۴
فہم و فراست	۱۰۴
حسن اخلاق	۱۰۵
اشعار شکایت آمیز	۱۰۵
یحییٰ کا جواب	۱۰۶
ہارون و ہادی کی حریفانہ کوششیں۔ ہادی کی موت۔ ہارون کی خلافت یحییٰ برمکی کی مستقل وزارت ۱۷۰ھ	۱۰۷
مہدی کی وصیت	۱۰۷
ہادی کی خلافت	۱۰۸
ہادی و خیزران کی مخالفت	۱۰۸
ہادی و یحییٰ کی گفتگو خلافت پر	۱۱۱
ہادی کے احکام	۱۱۳
ہادی کی موت	۱۱۵
ہارون کی تخت نشینی	۱۱۶
یحییٰ کی وزارت	۱۱۷
یحییٰ کی وزارت اور اس کا اقتدار۔ فرائض منصبی۔ علوم کی اشاعت۔	

مضمون	صفحہ
فنون فلسفہ کے ترجمے۔ ذوق علمی۔ بیت الحکمۃ۔ مجالس مناظرہ۔ حکیمانہ اقوال۔ خاتمہ۔	۱۱۷
اشعار تہنیت ابراہیم الموصلی	۱۱۸
اشعار اعرابی	۱۱۹
یحییٰ کا اعزاز	۱۱۹
یحییٰ کی وزارت پر مؤرخین کی رائے	۱۲۰
دربار کے اہل کمال	۱۲۰
ترجمہ علوم یونانی کی ابتدائی تاریخ	۱۲۲
خالد بن یزید کا علمی زمانہ	۱۲۶
بیت الحکمۃ	۱۲۸
ہندوستانی علمی خزانے مہیا کرنا	۱۲۸
یحییٰ کا کتب خانہ	۱۳۷
یحییٰ کا فضل و کمال	۱۳۸
شاعری	۱۳۸
یحییٰ کے شاعر اور کاتب	۱۳۹
مناظرہ اور علمی مجلسیں	۱۴۰
سیبویہ اور کسائی کا مناظرہ	۱۴۰
علم خط کی ترقی	۱۴۱
علم فلسفہ	۱۴۲
علم نجوم اور اس کا اثر	۱۴۲
ہندوؤں کے شگون	۱۴۳
ابو یعقوب نابینا سے یحییٰ کا فال دکھلانا	۱۴۴
عقائد نجوم سے توبہ	۱۴۶
یحییٰ کے حکیمانہ اقوال	۱۴۷
یحییٰ کی موت	۱۴۹

دوسرا حصہ

مضمون	صفحہ
فضل برمکی	۱۵۱
تمہید	۱۵۱
فضل کی ولادت اور تعلیم و تربیت	۱۵۲
ولادت	۱۵۲
رضاعت	۱۵۲
رضاعت پر شعرا کے خیالات	۱۵۴
فضل کا سن رشد	۱۵۵
امین الرشید کی اتالیقی	۱۵۵
فضل کی وزارت	۱۵۶
یحییٰ بن عبداللہ کی بغاوت	۱۵۷
صوبہ خراسان کی ولایت	۱۶۰
نقشہ سالانہ خراج ممالک مقبوضہ فضل برمکی	۱۶۱
شکایت آمیز عرضی	۱۶۳
یحییٰ کا جواب فضل کو	۱۶۳
آتشکدہ نوبہار کی بربادی	۱۶۴
عام اخلاق و عادات	۱۶۵
فضل کی سخاوت	۱۶۶
نخوت پسندی	۱۶۹
ارکان عباسیہ سے سلوک	۱۷۱
وزارت کا اقتدار دیکھو	۱۷۲
حقوق ہمسائگی	۱۷۴
انسانی ہمدردی	۱۷۵
مدیون کی رعایت	۱۸۰
مسافر نوازی	۱۸۲
ایک سلام کا معاوضہ	۱۸۳
جواب عطسہ	۱۸۴
مذہبی اثر	۱۸۵
عفو و ترحم	۱۸۶
کاغذ بنانے کا کارخانہ	۱۸۷
فضل کی موت	۱۸۸

تیسرا حصہ

مضمون	صفحہ
تمہید	۱۸۹
جعفر برمکی کی ولادت تعلیم و تربیت	۱۹۲
ولادت	۱۹۲
تعلیم و تربیت	۱۹۳
جعفر کا سن رشد۔ ملکی خدمات مصر۔ خراسان۔ بصرہ کی ولایت وزارت	۱۹۵
مصر و خراسان کی ولایت	۱۹۶
جعفر کی وزارت	۱۹۶
جعفر کی لیاقت پر ہارون کا ناز تھا	۱۹۷
وزارت کا اقتدار	۱۹۹
خلیفہ اور وزیر کا اتحاد	۲۰۳
دجلہ کی سیر	۲۰۹
مامون الرشید کی اتالیقی	۲۲۱
جعفر کا فضل و کمال۔ ذوق علمی۔ اہل علم کی قدردانی۔ علوم کی اشاعت مناظرہ۔ علمی مجلسیں۔ اور حکیمانہ اقوال۔	۲۲۱

مضمون	صفحہ
فضل و کمال	۲۲۱
اہل علم کی قدردانی	۲۲۳
عورات برامکہ کی علمی قدردانی	۲۲۸
فصاحت و بلاغت	۲۳۱
کتابت	۲۳۴
مناظرہ اور علمی مجلسیں	۲۳۶
مناظرہ فضل بن ربیع و جعفر برمکی	۲۳۷
جعفر کے حکیمانہ اقوال	۲۳۸
جعفر کے عام اخلاق و عادات	۲۴۰
فیاضی	۲۴۰
علمی فیاضی	۲۴۱
بزرگان دین کی خدمت	۲۴۲
ترحم اور رقت طبع کی مثالیں	۲۴۳
طباعی و ذہانت	۲۴۸
فہم و فراست	۲۵۰
ظرافت	۲۵۲
جعفر کے قتل کا افسانہ	۲۵۴
جعفر کا عقد عباسہ سے اور اُس کا سبب	۲۵۶
طبری کی سب سے پہلی روایت	۲۵۶
ہارون اور عباسہ کی محبت کا سبب	۲۵۷
طبری کی غلط روایت پر منصفانہ نظر	۲۶۶
جنت الارم یا شداد کی بہشت	۲۷۰
حکایت بوران و زنبیل	۲۷۴
احمد بن زہیر کی روایت کی غلطی	۲۷۹
صالح رسالی، ابن بہلہ ہندی معالج، ابراہیم عباسی	۲۸۴

مضمون	صفحہ
عالیہ بنت المہدی کی روایت	۲۸۹
جعفر کے اصلی خیالات کا اندازہ	۲۹۰
جعفر کا قتل ملکی حیثیت سے تھا	۲۹۲
اسباب زوال برامکہ	۲۹۲
(۱) نیاری قصر جعفر برمکی	۲۹۳
(۲) خریداری بارعہ کنیز	۲۹۷
(۳) ابو الربیع محمد بن لیث کی شکایت	۲۹۸
(۴) فضل بن ربیع کی مخالفت	۲۹۹
(۵) ذراوہ محمد مشیر خاص کی گم شدگی	۳۰۰
(۶) گمنام خطوط سے اشتعال طبع پیدا ہوا	۳۰۳
(۷) عرب کا گروہ اور اس کا اقتدار	۳۰۵
(۸) یحییٰ بن عبداللہ کی رہائی	۳۰۶
(۹) علامہ ابن خلدون کی رائے زوال برامکہ پر	۳۰۷
(۱۰) خلافت عباسیہ کے مالک برامکہ تھے	۳۰۹
(۱۱) عبرت	۳۱۱
(۱۲) یحییٰ برمکی سے مخالفت کا اعلان	۳۱۱
(۱۳) برامکہ عمدہ جاگیرات کے مالک تھے	۳۱۲
(۱۴) تفویض حکومت خراسان علی بن عیسے	۳۱۷
(۱۵) جعفر کے قتل کا جوش	۳۲۱
(۱۶) جعفر کے قتل کا مشورہ	۳۲۲
(۱۷) وزارت کی تبدیلی پر ہارون الرشید کے خیالات	۳۲۲
خلیفہ ہارون الرشید کی ناراضی کا اثر خاندان برامکہ پر اُن کے باہمی مشورے اور ہارون و یحییٰ کا معاہدہ	۳۲۴

مضمون	صفحہ
(۱) یحیٰی کا مشورہ خاندان سے	۳۲۴
(۲) جعفر کو اپنے قتل کا یقین تھا	۳۲۵
(۳) احباب کے مشورے	۳۲۶
(۴) اسحاق بن سلیمان سے مشورہ	۳۲۷
(۵) خلیفہ ہارون الرشید اور یحیٰی کا معاہدہ	۳۲۷
واقعات سفر مکہ معظمہ ۱۸۶ھ	۳۲۹
مقاصد سفر	۳۲۹
مدینہ منورہ میں خلیفہ اور برامکہ کی فیاضی	۳۳۰
معاہدہ امین الرشید و مامون الرشید بمقام مکہ معظمہ	۳۳۱
ابتدائی چھیڑ چھاڑ	۳۳۲
یحیٰی برمکی و خلیفہ ہارون الرشید کی مناجات خانۂ کعبہ میں	۳۳۲
واقعات قتل جعفر برمکی	۳۳۴
علی بن عیسیٰ کی مخالفت	۳۳۴
ہارون الرشید کا بمقام عمر ٹھہرنا اور جعفر کا قتل ہونا	۳۳۵
جشن کی رات	۳۳۶
جعفر کی وصیت	۳۴۱
جعفر کی موت	۳۴۲
ہارون الرشید کا دربار	۳۴۲
احکام ضبطی جاگیرات برامکہ و گرفتاری خاندان	۳۴۴
جعفر کے قتل کا اثر خاندان پر	۳۴۵
قیدیوں سے سلوک	۳۴۷
شجرہ قیدیاں آل برمک	۳۴۷

مضمون	صفحہ
یحیٰی کا صبر اور استقلال	۳۴۹
تعداد مال منضبطہ	۳۵۰
برامکہ کی مدح سرائی کی ممانعت	۳۵۰
(۱) سیف بن ابراہیم	۳۵۱
(۲) ابو نواس	۳۵۱
(۳) دعبل بن علی الخزاعی	۳۵۲
(۴) رقاشی	۳۵۲
(۱) ابراہیم بن عثمان بن نہیک کا قتل	۳۵۵
(۲) انس بن ابی شیخ کا قتل	۳۵۶
آل برمک کا بغداد میں قید ہونا اور مصائب اٹھانا۔ یحیٰی کا ہارون الرشید سے رہائی کی درخواست کرنا اور نامنظور ہونا۔ مع دیگر واقعات	۳۵۶
ہارون اور فضل کی گفتگو	۳۵۷
قید میں فضل پر تشدد	۳۵۷
سزائے تازیانہ فضل برمکی	۳۵۹
فضل کی ایک تقریر	۳۵۹
باپ کی اطاعت	۳۶۰
عبدالملک بن صالح کی گرفتاری بالزام بغاوت	۳۶۱
یحیٰی برمکی کا خط بنام خلیفہ ہارون الرشید	۳۶۶
یحیٰی کے اقبال اور ادبار کی حکایت	۳۷۰
یحیٰی کی بی بی اور اس کی مصیبت	۳۷۱
جعفر کے قتل پر خلیفہ ہارون الرشید کا تاسف۔ وزیر کی ضرورت۔ ملکی بغاوتیں۔ سفر رے۔ جعفر کی نعش کا جلانا اور بغداد سے سفر رقہ	۳۷۲

مضمون	صفحہ
جعفر کو قتل کرکے ہارون الرشید کا نادم ہونا	۳۷۳
جعفر کی ذکاوت	۳۷۶
عبرت	۳۷۹
حالات سفر رقہ	۳۷۹
سرداران قبائل اعراب کا جعفر کی تعزیت کو آنا	۳۸۰
رقہ میں ہارون کے کیا خیالات تھے	۳۸۲
خلیفہ ہارون الرشید کا خط بنام مادر یحییٰ برمکی	۳۸۴
فاطمہ مادر جعفر برمکی کا خط ہارون الرشید کے نام	۳۸۶
زبیدہ بنت منیر مادر فضل کی موت	۳۸۷
یحییٰ کی موت	۳۸۸
یحییٰ کی رہائی کیواسطے فاطمہ ام جعفر کی کوششیں	۳۸۹
محمد برمکی کی موت	۳۹۲
فضل کی موت	۳۹۵
ہارون الرشید کا انتقال	۳۹۶
امیر المومنین مامون الرشید کی خلافت فضل بن سہل کی وزارت آل برمک کا قید سے رہائی پانا۔ اور ملکی عہدوں پر مقرر ہونا۔	۳۹۶
فضل بن سہل کا خط بنام عباس بن فضل و موسےٰ بن یحییٰ برمکی	۳۹۸
ملک کی نوحہ خوانی برامکہ کی تباہی اور فیاضی پر	۴۰۰

مضمون	صفحہ
منذر بن المغیرہ دمشقی دربار مامون الرشید میں	۴۰۰
فضل برمکی کی فیاضی کا ایک خاص واقعہ	۴۰۶
ایک بدو سے فضل کا مکالمہ	۴۰۷
برامکہ کا مذہب	۴۱۶
ضمیمہ الہرون	۴۱۸
تمہید	۴۱۸
نسب نامہ آل عباس	۴۱۹
خلافت عباسیہ کا مختصر تذکرہ	۴۲۰
ہارون الرشید کی ولادت اور تعلیم و تربیت	۴۲۱
ہارون الرشید کی ولیعہدی	۴۲۳
ہارون الرشید کی خلافت	۴۲۴
عمال کا عزل و نصب	۴۲۵
فہرست والیان صوبہ جات عہد خلافت ہارون الرشید	۴۲۷
امین و مامون کی ولیعہدی	۴۲۸
ملکی بغاوتیں	۴۲۹
فتوحات	۴۳۰
وسعت سلطنت سالانہ خراج تعداد فوج واسلحہ	۴۳۳
مشاہیر کی موت	۴۳۴
خلیفہ ہارون الرشید کے عام اخلاق و عادات اور دیگر واقعات	۴۳۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

کانٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا	حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھ کو جانا ہے ضرور	بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

خاکسار مؤلف بکمال ادب معزز ناظرین کی خدمت میں گزارش پرداز ہے کہ عموماً تصنیف اور تالیف کی راہیں نہایت سخت اور خطرناک ہیں۔ خصوصاً تاریخ نویسی اور سیرت نگاری۔ یہ وہ سنگلاخ گھاٹیاں ہیں کہ جن میں قلم کا مسافر بھی (باوجودیکہ پتھر کی چھاتی اور لوہے کا کلیجہ رکھتا ہے) ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے۔ بہزار دشواری اگر **مَنْ صَنَّفَ فَقَدِ اسْتُهْدِفَ** کے سر اور سینہ توڑ تیروں کی زد سے بچ کر نکل گیا۔ تو پھر راستہ صاف ہے۔ لیکن اب یہ بات فیصلہ طلب ہے کہ وہ کون بلند حوصلہ، صاحب ہمت، عالی طبیعت ہیں، جو ان رستوں کے چلنے والے ہیں۔ بقول بعض

دانشمندوں کے" وہ لوگ ہیں جو خانقاہوں یا مدرسوں میں علم وکمال کی سندیں بچھا کر بیٹھے ہیں۔ اور جن کے حلقۂ درس میں مختلف ملک و دیار کے طلبا زانوے ادب تہہ کئے ہوئے **دینیات۔ معقول۔ منقول۔ حکمت** اور **فلسفہ** وغیرہ کی تکمیل میں مشغول ہیں" اور سچ یہ ہے کہ خزانہ تاریخ کی کنجیاں بھی اِسی مقدس گروہ کے ہاتھ میں ہیں۔ لیکن اس کا فیصلہ کون کرسکتا ہے۔ اور کیا بھی جائے۔ تو تسلیم کون کریگا، کہ قوم کے حق میں یہ علم مفید ہے اور وہ غیر مفید۔ یا یہ کام نفع رساں ہے اور وہ مضرت انگیز۔ کیونکہ بانسری بجانے والا اپنی نَے کو اور ستار باز اپنی گت کو تمام دنیا کے شغلوں سے اچھا جانتا ہے"۔ **وَلِلنَّاسِ فِیمَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ**" لہذا اِس مقدس گروہ کا بھی علم تاریخ اور اس کے متعلقات پر متوجہ نہونا تعجب انگیز نہیں ہے۔ کیونکہ بقول ایک فلسفی مورّخ کے "یہ سادہ مزاج گروہ اب تک صحراے عرب اور بہارستان فارس کا خواب دیکھ رہا ہے" لیکن موجودہ زمانے میں جو ترقی تاریخ اور سوانح عمریوں کی فلسفیانہ حیثیت سے ہورہی ہے۔ اس سے یقین ہے کہ اب تک جو کمی تھی وہ آئندہ پوری ہوجائیگی۔ میری استعداد علمی اور معلومات تاریخی ایک مبتدی سے زیادہ نہیں ہے۔ اِس لئے اگر میدان تاریخ کے سوار مجھ پیادہ کی دوڑ پر خندہ زنی کریں تو میں اس کا مستوجب ہوسکتا ہوں۔ کیونکہ تاریخ کی تصنیف و تالیف اس شخص کا حصہ ہے کہ جو علاوہ دیگر علوم کے **علم ادب، علم اللسان، علم الرجال** کا ماہر ہو۔ اور فن تاریخ کے ان اصول اور فروع کو جانتا ہو۔ جن سے تاریخی نتائج مستنبط ہوتے ہیں۔ لیکن صرف اِس خیال سے میں نے جسارت کی ہے کہ جس طرح سے ہر شخص پر

ملک اور سلطنت کے حقوق ہوتے ہیں۔ اسی طرح اپنی ملکی زبان کا بھی ہر شخص پر حق ہے۔
اور مسلمانوں کی یہ خاصیت ہے کہ وہ تمام حقوق اور فرائض کو جانتے ہیں اور نہ صرف جانتے
ہی ہیں بلکہ دل سے اُنکے ادا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ زمانے
کے امتداد اور ملک کے تغیر و تبدل نے یہ بات بالکل بھلا دی ہے کہ ہماری قومی زبان کیا
تھی۔ اور اُس کے خزانے میں کیسے انمول اور قیمتی جواہر تھے۔ یہ مسلّم ہے کہ اب ملک کی
علمی اور قومی زبان اردو ہے۔ قومی زبان ہونے کا شرف نہ اب عربی کو باقی ہے نہ فارسی
کو۔ ہاں اس قدر ضرور ہے کہ عربی کو باعتبار تقدس مذہب اسلام کے۔ اور فارسی کو لحاظ
فصاحت و بلاغت و تعلقات سیاسی و شاہانِ ہندوستان کی یادگار ہونے کے اردو
پر بلاشبہ فضیلت ہے۔ اس لئے جب ہم اردو کو قومی زبان تسلیم کرتے ہیں تو نہایت افسوس
ہے کہ اُس کے خزانے میں بجائے زر و جواہر کے سنگریزے ہوں۔ اب سے پچاس ساٹھ برس
پہلے کی حالت پر اگر نظر کرو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان نے دوسرا جنم لیا ہے۔ کیونکہ
پہلا سرمایہ اردو کا یہ تھا کہ اُس میں مثنوی میر حسن اور قصہ چہار درویش یا اسی قسم کی چند
کتابیں نظم و نثر کی تلاش پر دستیاب ہوتی تھیں لیکن دولت برطانیہ کے فیض حکومت
سے وہ زمانہ تھوڑے دن کے بعد جاتا رہا۔ ۱۸۳۵ء سے اردو کا ستارۂ اقبال چمکا کیونکہ ابو المظفر
شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ کے عہد سلطنت میں اردو کا صرف تلوار پر
قبضہ تھا۔ اب حضور سرکار ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا قیصر ہند خلد اللہ ملکہا کے دور
شاہی میں قلم بھی ہاتھ میں لے کر ذوالریاستین کے درجے پر پہنچ گئی ہے۔ قصہ

مختصر یہ کہ چند سال کے بعد کل دفتروں میں اردو زبان رائج ہو گئی۔ ۱۸۳۶ء سے اُردو
اخبارات کا سلسلہ جاری ہوا اور اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ اردو تمام نئے نئے علوم اور
نئے نئے فنون کی مالک بنی بیٹھی ہے۔ **فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ منطق۔ طبعیات**
ریاضیات۔ فلسفہ۔ جغرافیہ اور **قانون**۔ کون ایسا علم ہے جو اردو میں نہیں ہے
انصاف یہ ہے کہ سبھی کچھ ہے، لیکن اگر کمی ہے تو اسلام کے نامور اور مشہور فرمانرواؤں کی
تاریخ کی کمی ہے۔ فاتحانِ ہندوستان کی تاریخیں موجود ہیں۔ لیکن اسلام کی تاریخ ایسی
وسیع ہے کہ اس کا تعلق صرف ہندوستان پر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام عالم میں تاریخِ اسلام
کا اثر دوڑا ہوا ہے کیونکہ جس طرح پر ایک ملک کی تاریخ دوسرے ملک کی تاریخ سے بسبب
واقعات تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح پر اسلام کی تاریخ صرف ہند یا فارس پر ختم نہیں ہوتی ہے۔
بلکہ باواسطہ یا بلاواسطہ تمام دنیا سے وابستہ ہے۔ باعتبار نشو و نمائے مذہب اسلام، اگرچہ صرف
عرب کی تاریخ کو اسلام کی تاریخ کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کی ابتدائی حکومت یا دارالخلافت
کا سرچشمہ جزیرہ نمائے عرب تھا۔ لیکن ابتدائے زمانہ اسلام سے آج تک جو ۱۳۱۴ھ تک پہنچ گیا
ہے۔ اسلام کے مختلف خاندان سلطنت اور وزارت کے مالک ہوئے ہیں اُن سب خاندانوں
کے کارناموں کا نام تاریخِ اسلام ہے۔ ہر خاندان خاص فضائل سے مشہور تھا۔ آج اگر اُنکے
زمانے کے حالات اور واقعات کوئی دیکھنا چاہے تو کہاں دیکھے؛ کیونکہ یہ دفتر کے دفتر عربی
الماریوں میں بند پڑے ہیں۔ لیکن سخت مشکل ہے کہ جو عربی کے مالک ہیں اُن کو تاریخ کی
طرف مطلق التفات نہیں۔ باقی رہے وہ نوجوان جنھوں نے زمانۂ حال میں تعلیم و تربیت پائی

ہے۔ اُن کی عربی تاریخوں پر دسترس نہیں! کیونکہ زمانے کی سخت ضرورتوں نے علوم جدیدہ کے اکتساب پر عوام و خواص کو متوجہ کر دیا ہے۔ اس لئے موجودہ نسلوں سے علم عربی مفقود ہوتا جاتا ہے۔ تاہم جس قدر ہو سکتا ہے انگریزی سے بذریعہ تراجم اپنی ملکی اور قومی زبان کی امداد کرتے ہیں۔ لیکن جب یہ خیال آتا ہے کہ ہندوستان دنیا کی تاریخ میں علمی حیثیت سے مصر[1] پر بھی مقدم تھا۔ اور آج اس کی یہ حالت ہے کہ جہالت میں روز افزوں ترقی کرتا جاتا ہے تو سخت افسوس ہوتا ہے۔ اور حقیقت میں کیا ہمارے لئے یہ حیف کی جگہ نہیں ہے؟ کہ وہ علمی خزانے جن کی کنجیاں فیاض ازل نے مسلمانوں کو بخشیں تھیں آج دوسری قوموں کے ہاتھ میں ہیں۔ چنانچہ ایک عیسائی[2] مورخ اسلامی تاریخ لکھتے ہوئے ہمارے علوم اور اُس کے زوال پر تحریر کرتا ہے کہ "مسلمان تو بہت ہیں مگر وہ جانتے کیا ہیں؟ اگر آج عربی کا ایک عمدہ دیوان یا تاریخ کی کتاب درکار ہو تو یورپ سے لینی پڑیگی۔

ابن خلدون۔ ابو راشد۔ حاجی خلیفہ۔ ابن بطوطہ۔ ابن الاثیر۔ اور مقریزی۔ وغیرہ جو اسلام میں آسمان علم کے آفتاب تھے۔ یہاں (ہندوستان میں) ان کو

حاشیہ [1] مورخین علوم نے اپنے موقع پر یہ طے کر دیا ہے کہ عہد قدیم میں جب علمی ترقی ہوئی تو سب سے پہلے ہندوستان یا فارس میں اسکا ظہور ہوا۔ پھر غالباً ہندوستان سے مصر نے لیا۔ مصر، ہند اور فارس کا مجموعہ یونان گیا۔ اور یونان سے روسہ کبرنے (دولۃ السلطنت اٹلی) روسہ سے عرب پھر عرب اور روسہ اور یونان سے یورپ نے فیض اٹھایا لیکن اس مجموعہ کے علاوہ ہزاروں علمی مسائل ایسے ہیں کہ جو براہ راست ہندوستان سے عرب اور یورپ میں گئے ہیں۔

حاشیہ [2] سنین الاسلام جلد اول صفحہ ۱۱ مطبوعہ پنجاب انڈین اوپینین پریس لاہور مصنفہ ڈاکٹر لیٹنر صاحب۔

کوئی جانتا بھی نہیں۔ تابط۔ شرا۔ امرء القیس۔ عنترہ۔ حاتم۔ بحتری۔ اور ابوتمام کا دیوان کئی آدمیوں نے پڑھا ہے؟ انگلنڈ۔ جرمن۔ فرانس۔ میں صدہا آدمی یہ کتابیں پڑھتے ہیں اور ترجمۂ قرآن تو لاکھوں" لائق مؤرخ کی تحریر آنکھوں میں عبرت کا سرمہ لگاتی ہے اور نظر اغماض سے کہہ رہی ہے کہ فَاعْتَبِرُوا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ" اگر قوم میں اپنے علوم کا رواج ہوتا تو شاید ایک مؤرخ کے قلم سے ایسے الفاظ نہ نکلتے۔ بیشک یہ افسوس کی جگہ ہے کہ ہم ایسے سلف کے خلف ہیں اور اپنے موروثی ترکہ سے بھی محروم ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ بدنصیبی ہے کہ جو سلف کے کارنامے یاد رکھنے کے قابل ہیں اُن کو بھی بھلا دیں۔ لیکن قوم اِس الزام سے پھر کسی قدر سبکدوش ہو جاتی ہے جب کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ حضرت یہ تو فرمائیے کہ بزرگوں کے دلچسپ حالات۔ اور پُر فخر واقعات جس کے آپ اِس قدر مداح ہیں۔ ہم کو کہاں مل سکتے ہیں۔ اور اُن کی بہرسی کا کیا ذریعہ ہے"؟ اس کا جواب سوائے خاموشی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن نہایت فخر و مسرت کا مقام ہے۔ ہمارے محترم مخدوم واجب التعظیم۔ شمس العلما۔ مولانا شبلی نعمانی۔ فیلو یونیورسٹی الہ آباد۔ و پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڑھ نے ایک سلسلۂ نامور فرمانروایان اسلام کا لکھنا شروع کیا ہے۔ چنانچہ سلسلۂ خلافت سے "المامون" یعنی خلیفہ مامون الرشید عباسی کی سوانح متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ اس تصنیف سے جو اعتراض علما پر عدم توجہی تاریخ کا تھا وہ بطور فرض کفایہ کسیقدر ساقط ہو گیا ہے بزرگان قوم نے المامون کو قبول کے ہاتھوں میں لیا۔ اور اس کے مضامین کو رغبت کے کانوں سے سُنا۔ اس شوق اور شغف سے پایا جاتا ہے کہ گئی گزری ہوئی حالت میں بھی مسلمانوں کو اپنی

قومی تاریخ سے خاص دلچسپی ہے۔ اور زمانے میں اب ایسے بزرگوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی ہے جن کی گرانمایہ عمر کا بڑا حصہ بوستان خیال۔ داستان امیر حمزہ۔ خاور نامہ۔ نل دمن۔ مثنوی بدر منیر۔ اور زہر عشق۔ وغیرہ کی ورق گردانی میں گزرتا تھا۔ اگر کوئی اہل نظر تجربے کی عینک سے دیکھے۔ تو اس کو صاف معلوم ہوگا کہ جن ڈالیوں پر کبھی طوطے و مینا کے بڑے بڑے غول شام و سحر آن کر بیٹھتے تھے۔ جن کی سریلی آوازوں سے دل میں جان اور جان میں زندہ دلی پیدا ہوتی تھی۔ اب اُن پر یورپ کی خوش رنگ و خوب صورت چڑیاں چہچہا رہی ہیں۔ جن لوگوں کو یہ دلکش ترانے مرغوب ہیں۔ اُنھیں کوئل و پپیہے کی آواز اور بلبل و ہزار کے زمزمے ناگوار ہیں اور جو ہندی راگنیوں پر مٹے ہوئے ہیں وہ فاختہ کی کوکو۔ اور قمری کی حق سرہ کو ارگن پر ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن قانون قدرت کو کون توڑ سکتا ہے۔ باد صرصر کے سخت جھونکوں نے ہزاروں آشیانے برباد کر دیئے ہیں۔ اور بعض بعض شکستہ ڈالیوں پر جو باقی ہیں۔ امید نہیں ہے کہ وہ بھی زیادہ مدت تک قائم رہ سکیں۔ بہر حال یہ پچھلی بہار بھی خاتمہ پر ہے۔ اور زمانے کی ترقی کا ہر قدم آگے بڑھتا جاتا ہے اسلئے "در ہم مع الدھر کیف ما دار[1]" کو اپنا دستور العمل بنانا چاہئے۔ اور بمقتضائے زمانہ وہ کام کرنا چاہئے جس سے کچھ سود و بہبود ہو۔ لیکن بقول بعض مصلحان قوم کہ "اب ہماری قسمت کے پیمانے عمدہ تصنیفات ہیں جو کچھ ملیگا انھیں پیمانوں پر ملیگا" اس لئے سخت ضرورت ہے کہ علاوہ کتب علمیہ کے ایسی تصنیفات بھی اُردو میں شائع کیجائیں، جو ہمارے بزرگوں کے رسوم و اخلاق کا آئینہ ہوں۔ تاکہ ہم اپنی آنکھ سے ہر داغ دھبے

---

[1] چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ یعنی جس رخ زمانہ پھرے اسی رخ پھر جاؤ۔"

کو دیکھ سکیں۔ لیکن یہ صفت دوسری تصنیف میں بجز تاریخ یا سیرت کے مفقود ہے۔ اسلئے شائقین کی بصیرت کے لئے مختصراً تاریخ اور سیرت کی غایت لکھی جاتی ہے۔

تاریخ کے فوائد

خلاق عالم نے زمین کو نہایت وسیع پیمانے پر بنایا ہے۔ یہاں تک کہ تمام عمر میں بھی کوئی سیاح ایک کنارے سے دوسرے تک پیادہ پا طے نہیں کر سکتا ہے۔ تمام کرۂ زمین کی تقسیم اقلیم جداگانہ پر ہے۔ ہر اقلیم میں مختلف خاندان تخت و تاج کے مالک ہیں۔ عدالت و تجارت میں ہر سلطنت کے اُصول جداگانہ ہیں۔ پیداوار موسمی حالتوں کا تغیر و تبدل بالکل نرالا ہے۔ رعایا کے اوضاع۔ اطوار۔ آداب نشست و برخاست۔ رسوم و اخلاق۔ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اگر ایک شخص کل حالات کا استدراک کرنا چاہے تو کیونکر کر سکتا ہے، جب تک وہ تاریخ نہ پڑھے۔ جب انسان کے دل پر زمانے کے افکار اور غم والم کا ہجوم ہوتا ہے۔ اس وقت تفریح قلب اور رفع وحشت کا کوئی ذریعہ بجز علم تاریخ کے نہیں ہے۔ چنانچہ حکمانے معلومات کے دو ذریعے قرار دئے ہیں ایک عقل۔ دوسرے حس۔ عقل اگرچہ گرانمایہ جوہر ہے۔ لیکن حقایق الاشیا سے کماہی نہ تو مستفید ہو سکتی ہے۔ نہ تمام عالم کے حالات کا ادراک کر سکتی ہے۔ اسلئے انکشاف عالم کا مدار محسوسات پر ہے۔ پھر محسوسات کا انحصار مشاہدات۔ اور مسموعات پر۔ لیکن تمام دنیا کے مشاہدے اور اُس کا تجربہ چل پھر کر حاصل کرنا تو محال ہے پس لامحالہ مسموعات پر جو علم تاریخ کا ماخذ ہے تامل کرنا پڑتا ہے۔ اور اس تامل سے سب عقدے کھل جاتے ہیں اور صرف تاریخ ہی ایسا علم ہے کہ جس کے ذریعے سے ایک شخص ہندوستان میں بیٹھ کر اقلیم سبعہ کے حالات معلوم کر سکتا ہے۔ اور ان سے

ویسا ہی تجربہ پیدا کرسکتا ہے جیسا کہ ذاتی مشاہدے سے۔ علاوہ ان صفات کے قدرتی طور پر بھی انسان کو تاریخ سے مناسبت خاص ہے۔ کیونکہ جس طرح آنکھوں کو حسن منظور نظر ہے۔ ویسے ہی کانوں کو اچھی خبریں مرغوب ہیں۔ چنانچہ عرب کا مقولہ مشہور ہے کہ "لَا تَشْبَعُ الْعَيْنُ مِنْ نَظَرٍ وَلَا السَّمْعُ مِنْ خَبَرٍ وَلَا الْأَرْضُ مِنْ مَطَرٍ" اور اگر بلحاظ تقدس مذہب غور کیا جائے تو علم تفسیر۔ فقہ۔ حدیث کے بعد تاریخ کا درجہ ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام۔ خلفائے عظام۔ بزرگان دین۔ اور سلاطین کے اخبار و آثار اسی علم سے معلوم ہوتے ہیں۔ بادشاہوں کے ادبار و اقبال کے مرقعے انبیائے مرسلین کی سیرت و بعثت کی تصویر۔ مورخوں ہی کے قلم سے کھینچی جاتی ہے۔ اور غالباً اسی شرافت کا اثر ہے کہ یہ علم ہمیشہ انھیں بزرگوں میں رہا ہے۔ جو باعتبار اپنے علمی کمالات کے زمانہ میں مشہور عام رہے ہیں۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بازاری یا ادنےٰ درجے کا آدمی مورخ ہوا ہو اور نہ اس قسم کا آدمی کبھی تاریخ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے کیونکہ تاریخ حقیقت میں ان لوگوں کے محامد و مناقب کا ایک مجموعہ ہے۔ جن کو بارگاہ عالم میں خداوند تعالےٰ نے درجۂ خاص کی کرسی مرحمت فرمائی تھی اور ایک بڑی فضیلت تاریخ کی یہ ہے کہ تمام کتب سماویہ میں جو حقیقت میں خدا کا کلام ہے۔ انبیا علیہم السلام کے معاملات۔ اور ان کی عہد زندگی کے حالات۔ اور نیز پچھلے بادشاہوں کے قہر و جلال کے اخبار۔ جو بنی آدم پر حکمران رہے ہیں۔ درج ہیں۔ اور یہی تعریف تاریخ کی ہے اور ائمہ حدیث کے قول کے مطابق کہ "اَلْحَدِیْثُ وَعِلْمُ التَّارِیْخِ تَوْاَمَانِ" تاریخ کی فضیلت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور

لہ آنکھ دیکھنے سے۔ کان سننے سے۔ زمین پانی سے کبھی پیٹ نہیں بھرتا ہے۔

اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے کہ رواۃ کی جانچ - اور روایت کی صحت - معاملات کی تحقیقات - وتنقید تاریخ ہی سے وابستہ ہے - کیونکہ اگر کوئی محدث - مؤرخ نہو اور اُس کو رسول اللہ صلعم وصحابۂ کرام کے معاملات کی (جو ارکان رواۃ احادیث کے ہیں) خبر نہو - اور اُن کی دوستی - سچائی - خالص محبت اور منافقین وغیرہ کی عداوت کا علم نہو - اُس وقت تک کسی حدیث کا سچا حال نہیں ظاہر ہو سکتا ہے - اور نہ روایت کا حق ادا ہو سکتا ہے - علاوہ اس کے وہ مفصل تذکرے اور اسلامی واقعات جو قرن نبوت یا قرن صحابہ سے متعلق ہیں تاریخ ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں - ارسطاطالیس اور بزرجمہر کا قول ہے کہ جو لوگ رائے صائب رکھتے ہیں - تاریخ اُن کی ہر وقت مددگار ہے " اور مؤرخ کو جو سانحہ پیش آتا ہے اُس کے انسداد کی تدبیریں - موجودہ حالت - اور گزشتہ واقعات - سے بہت جلد کرتا ہے - اور مشکلات میں دل کو صبر - اور اطمینان ہو جاتا ہے کیونکہ امم سابقہ کے حالات یاد آجانے سے اپنی حالت کو بھول جاتا ہے - تاریخ کے مطالعہ سے انسان میں راستی اور سچائی پیدا ہوتی ہے - اور نیکوکاری کے ثمرات اور بدکاری کے نتائج معلوم ہو جاتے ہیں - اور ہر قسم کا تجربہ حاصل ہوتا ہے - ایسی حالت میں قومی تاریخ کا زندہ رکھنا اور اس پر عمل کرنا حیاتِ انسانی کا ایک اعلےٰ اصول ہے - اور جو قومیں اپنی گزشتہ تاریخ مٹا دینگی نہ وہ قوم کہلانے کی مستحق ہیں اور نہ انکو دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق ہے -

سوانحمری کے فوائد

ایک شعبہ تاریخ کا تذکرہ ہے - جس کو یونانی میں بیوگرفی - اور انگریزی میں لائف - عربی میں سیرت - اور ہماری زبان میں سوانحمری کہتے ہیں - اگرچہ تذکرہ لکھنے کا دستور قدیم زمانے سے چلا آتا ہے - لیکن یہودیوں - یونانیوں - رومیوں کے بعد جنھوں نے

ابتداءً اس فن میں ترقی کی تھی۔ یہ خاص فخر دانشمندان یورپ کو ہے۔ جنھوں نے سترھویں
صدی میں اس فن کے اصول و فروع پر کافی غور کیا اور اُس کے مطالب اور اغراض میں تبدل
و تغیر کر کے ایک جداگانہ مفید فلسفہ اور عظیم الشان علم بنادیا۔ کیونکہ عیسائی گزشتہ دو صدی سے
پہلے سوانح عمریوں میں پیشوایانِ مذہب کے افسانے لکھا کرتے تھے۔ بلکہ مذہبی علم ادب کا یہی بڑا
عنصر تھا۔ لیکن موجودہ تہذیب اخلاق کے زمانے میں سیرت ایک ممتاز درجہ رکھتی ہے جس کی
تعریف معمولی الفاظ میں نہیں ہوسکتی ہے۔ جیسا فخر یورپ کو موجودہ زمانے کی سوانح عمریوں کے
طرز تحریر پر ہے ویسا ہی کمال۔ و افتخار مسلمانوں کو زمانہ متوسطہ میں تھا اور اس عہد کے تذکرے سب سے
زیادہ قابل وقعت ہیں لیکن اگر افسوس ہے تو اِس قدر کہ یہ تحقیق و تدقیق اسماء الرجال تک
محدود ہے۔ باقی ائمۂ فن اور مجتہدین علوم کے تذکرے ہیں جن میں صرف روایت[1] کی جھلک ہے اور
درایت کو کچھ دخل نہیں ہے۔ برخلاف اس کے اس زمانے میں تمام مشاہیر کی جداگانہ سوانح موجود

حاشیہ[1] روایت۔ اور درایت۔ یہ دو معمولی لفظ ہیں جو تاریخ یا تذکرے میں اکثر آتے ہیں۔ لیکن جن وسیع معنوں میں ان لفظوں
کا استعمال ہوتا ہے اُس سے ہر شخص واقف نہیں ہے لہذا حسب ذیل تصریح کیجاتی ہے تاکہ کتاب کے دیگر محل پر اس کے معنے سمجھنے
میں وقت نہو وہو ہذا۔ واقعات تاریخی کے ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں۔ روایت و درایت۔ روایت سے یہ مطلب ہے کہ
جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُس کی سند اُس شخص تک پہونچائی جائے جو خود اُس واقعہ میں موجود رہا ہو۔ عرب کی تمام مستند
تاریخیں اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس میں اَخْبَرَنَا وَحَدَّثَنَا کے ذریعے سے سند کا تمام سلسلہ
مذکور کیا جاتا ہے اور اُن تمام راویوں کا نام لیا جاتا ہے جن کے ذریعے سے واقعہ کی سند اُس شخص تک پہنچتی ہے جو خود

ہیں جن میں بات بات پر جرح کی گئی ہے۔ اور ان کی زندگی کا کوئی ایسا کارنامہ نہیں ہے٭
جس پر منطقی دلائل اور فلسفہ تاریخ سے کوئی نتیجہ نہ نکالا گیا ہو۔ سیرت کے فوائد کم و بیش ہر قوم
کے حکما نے قلمبند کئے ہیں۔ لیکن حکمائے یورپ نے خاصکر اس مضمون میں زیادہ حصہ لیا ہے۔
مسٹر کارلائل ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ "معزز طبقہ کے اسلاف کی تاریخ بہ نسبت دنیاوی
تاریخ کے زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ قومی زندگی کا طرز معاشرت اس سے اچھی طرح ثابت ہوتا
ہے۔ گو ان کا عمل اسی زمانے کا نتیجہ ہے۔ لیکن جو مجموعہ مفید خیالات کا ہے وہ انھیں کے دماغ
کا ترتیب دیا ہوا ہے۔" ڈاکٹر اسمائلس مصنف سلف ہیلپ کا مقولہ ہے کہ "مشہور آدمیوں
کی سوانح عمری نوع انسان کی ترقی کا مفید ذریعہ ہے۔ جس طرح کہ پہاڑی پر چاروں طرف روشنی
پھیل جاتی ہے۔ اسی طرح ان کی روحانی روشنی آیندہ نسلوں کے واسطے اپنی چمک جاری رکھتی
ہے۔" اور ہمارے زمانے کا مشہور و معروف قومی شاعر۔ حیات سعدی کے دیباچہ میں لکھتا ہے۔
کہ "بیوگرفی ان بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے۔ جنھوں نے اپنی نمایاں کوششوں سے دنیا

(بقیہ حاشیہ) اس واقعہ میں شریک تھا یا نہیں۔ تیسری صدی تک اسلامی تاریخوں کا یہی طرز رہا مگر زمانہ مابعد میں اس کا رواج کم ہو چلا لیکن
گزشتہ تین صدیوں کے واقعات میں اب تک اسی کا لحاظ ہے یعنی اس زمانے کے انھیں واقعات کا اعتبار کیا جاتا ہے جو سلسلۂ سند کے ساتھ
ثابت ہوں۔ درایت سے یہ غرض ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس پر اس لحاظ سے غور کیا جاوے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضا،
زمانہ کی خصوصیتوں، منسوب الیہ کے حالات، اور اسی قسم کے اور قرائن کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ واقعہ اس معیار پر پورا نہیں
اترتا تو اسکی صحت مشتبہ ہوگی یعنی احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے۔ (از رسالہ اسکندریہ پروفیسر شبلی نعمانی)

میں کمالات اور نیکیاں پھیلائی ہیں۔ اور جو انسان کہ آئندہ نسلوں کے لئے اپنے مساعی جمیلہ
کے عمدہ کارنامے چھوڑ گئے ہیں۔ خصوصاً جو قومیں علمی ترقیات کے بعد پستی اور تنزل کے درجے
کو پہنچ جاتی ہیں اُن کے لئے بیوگرفی ایک تازیانہ ہے جو اُن کو خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے۔
جب وہ اپنے اکابر و اسلاف کی زندگی کے حالات اور اُن کے کمالات دریافت کرتے ہیں۔
تو اُن کی غیرت کی رگ حرکت میں آتی ہے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی عزت اور برتری کے دوبارہ
حاصل کرنے کا خیال اُن کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دنیا میں اکثر لوگ ایسے گزرے ہیں۔
جنھوں نے بڑے بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات صرف کتابوں میں پڑھ پڑھ کر اپنے تئیں
انسانیت کے اعلےٰ درجے پر پہنچایا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ لوتھر[1] کے دل میں جو ایک غیر معمولی
تحریک پیدا ہوئی۔ اور بنجمن فرینکلن[2] نے نہایت پست حالت سے اعلےٰ درجے کی ترقی اور
شہرت حاصل کی اس کا بڑا سبب یہی بیوگرفی کا مطالعہ تھا۔"

انگلستان کے ایک مشہور مصنف کا قول ہے کہ "بیوگرفی چلّا چلّا کر اور سمندر کے طوفان
کی طرح غل مچا کر یہ آواز دیتی ہے کہ جاؤ اور تم بھی ایسے ہی کام کرو۔"[3]

حاشیہ۔ [1] لوتھر جرمن کا رہنے والا عیسائی مذہب کا ایک مشہور مصلح اور تمام یورپ کو پوپ کے پنجے سے نجات
دینے والا ہے۔ ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ ۱۵۴۶ء میں فوت ہوا۔

[2] بنجمن امریکا کا ایک مشہور فاضل ہے جس نے سب سے اوّل علم برق کے اصول دریافت کیے ہیں۔
۱۷۰۶ء میں بمقام بوسٹن پیدا ہوا اور ۱۷۹۰ء میں فوت ہوا۔

[3] صفحہ ۵۵ حیات سعدی مصنفۂ ملک الشعرا شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مدظلہ العالی۔

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اکابر قوم کے تذکرے آئندہ نسلوں کے واسطے ایسے ہی لازمی ہیں جیسے جسم کو روح یا آنکھ کو نور۔ اس لئے ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ بزرگوں کی سوانح عمری سے فائدہ اُٹھائے۔ اور اُن کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے۔ اور بیوگرفی کے اس سبق کو نہ بھولے کہ "ہم کو کیا کرنا چاہئے، اور کیا ہونا چاہئے"! کیونکہ کسی فلسفی کا یہ مقولہ ہے کہ "تم وہی ہو جو ہونا چاہو"! صبح سے شام تک لوگ سوانح عمریاں پڑھتے ہیں مگر ایک قصّے کی حیثیت سے۔ اور نتائج کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم آج تک کوئی معتد بہ فائدہ نہیں اُٹھا سکے ہیں۔"

بلحاظ نتائج مذکورہ بالا' میں نے بھی تذکرہ نویسی پر قلم اُٹھایا ہے۔ اور اس مقصد کے واسطے خاندان برامکہ انتخاب کیا ہے۔ جو خاص فضائل سے منسوب تھا برامکہ کے جود و کرم کے افسانے اور اُن کے علمی کارنامے بطور ضرب المثل آج تک تاریخوں میں یادگار ہیں۔ چنانچہ ماثر محمودی[1] میں امام قفّال تحریر فرماتے ہیں کہ "میں سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں اکثر حاضر ہُوا کرتا تھا ایک دن اثنائے کلام میں دنیا کے مشہور اور فیّاض لوگوں کا تذکرہ شروع ہوا۔ میں نے برامکہ کا ذکر چھیڑا اور عرض کیا کہ فیّاضی اس خاندان کے حصّے میں تھی"۔ سلطان نے ارشاد فرمایا کہ "معجزات انبیا و کرامات اولیا کے بعد مجھ کو فیّاض لوگوں کے حالات سُننے کا کمال شوق ہے" میں نے عرض کیا کہ "یہ خیال سلطان کی نیکی پر دلالت کرتا ہے" پھر سلطان نے فرمایا کہ میں نے برامکہ کا

حاشیہ [1] تاریخ ضیاء برنی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۔۔

کا واقعہ سنا ہے۔ مجھے اُن سے محبت اور ہمدردی ہے۔ معلوم نہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید نے کیوں ایسے فیاض خاندان کو ہلاک کر دیا۔ قیام زمانہ تک اُن کے اثر او رمناقب کتابوں میں باقی رہیں گے "

چونکہ برامکہ کے حالات سے ایک خاص دلچسپی لوگوں کو زمانہ دراز سے ہے اسلیئے میں نے مناسب جانا کہ برامکہ کے مفصل حالات جس قدر دستیاب ہوسکیں اُن کو بطور تذکرے کے لکھوں تاکہ اُن کا نام دنیا میں زندہ ہو اور اُن کے فضائل اور کمالات سے قوم میں ایک عمدہ تحریک پیدا ہو۔ اِس کتاب کے پڑھنے سے یہ اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ فیاضی حقیقت میں کیا چیز ہے۔ اور عوام اور خواص کو اُس سے کیا نفع پہنچ سکتا ہے۔ خیر یہ صفت تو مشترک ہے لیکن ارکانِ سلطنت کو بڑے تجربے کی یہ بات معلوم ہوگی کہ شخصی سلطنتوں میں جب کوئی وزیر یا امیر اپنا درجہ بادشاہ سے بڑھانا چاہتا ہے تو اُس وقت غیرت یا مصلحت ملکی سے بادشاہ اُس خاندان کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اور کس طرح پر ایک چشم زدن میں اُس کو مٹا دیتے ہیں۔ جس طرح خلیفہ ہارون الرشید عباسی نے جعفر وزیر السلطنت کو جبکہ اُس کی قوت سلطنت سے بڑھ گئی تو ہلاک کرا دیا۔ سارے خاندان کو اوج حشم سے گرا دیا جس طرح اِس خاندان کے ابتدائی ترقی کے حالات قابل تقلید ہیں ویسے ہی اُسکی تنزل اور ادبار کی تاریخ قابل عبرت ہے۔ ولید بن عبد الملک کے زمانے سے تاریخ میں برامکہ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ لیکن اُن کے عروج اور زوال کی اصلی تاریخ خلافت عباسیہ سے وابستہ ہے

ملے محمود غزنوی برامکہ کی ہلاکت سے آگاہ تھا۔ لیکن اُس کو اسباب ہلاکت معلوم نہیں تھے۔

ہارون الرشید عباسی کے عہد سلطنت میں برامکہ کا ستارہ فلک اقبال پر چمکا۔ لیکن چند ہی سال کی گردش میں ڈوب گیا۔ مؤرخین کے نزدیک ہارون الرشید کے عہد حکومت میں اگر کوئی داغ ہے تو وہ برامکہ کا قتل ہے۔ شمس العلما مولانا شبلی نعمانی المامون میں تحریر فرماتے ہیں "حق یہ ہے کہ اگر اس کا (ہارون الرشید) دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین نہ تھا تو ہم اس کے ہوتے عباسیوں میں کسی فرمانروا کو انتخاب کی نگاہ سے نہ دیکھ سکتے" چونکہ برامکہ کے حالات نہایت دلچسپ تھے۔ اور اس وقت تک اردو زبان میں تحریر نہیں ہوئے تھے اسلئے قوم کے سامنے یہ تالیف پیش کی جاتی ہے اور برامکہ کی مناسبت سے "البرامکہ" نام ہے برامکہ کی مستقل تاریخیں عربی میں دو مشہور ہیں ایک المسالک فی احوال البرامک۔ دوسری اخبار البرامکہ۔ المسالک کی نسبت تحقیق نہیں ہوا کہ کس سنہ میں تصنیف ہوئی اور کون اس کا مصنف ہے۔ البتہ اخبار البرامکہ علامہ مرزبانی کی تصنیف ہے جو ابن ندیم محمد بن اسحاق (مصنف الفہرست) کا معاصر ہے اور الفہرست ۳۷۷ہجری میں تصنیف ہوئی ہے۔ لہٰذا کم و بیش یہی زمانہ اخبار البرامکہ کی تصنیف کا ہے۔ مرزبانی نے یہ کتاب ابتدائی خاندان سے زوال برامکہ تک پانچسو ورق میں لکھی ہے۔ علاوہ ان کے ابوالفرج علامہ اصفہانی مصنف اغانی نے بھی ایک بسیط تاریخ موسومہ اخبار البرامکہ لکھی ہے مگر وہ بھی نایاب ہے۔ البرامکہ کی تالیف کے زمانے میں ہم نے بے انتہا کوشش کی کہ کوئی ایک نسخہ دستیاب ہو جائے لیکن بدنصیبی سے ہندوستان کے کسی کتب خانے میں پتہ نہیں لگا۔ بلکہ مختلف تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ ممالک اسلامی کے کتب خانے بھی ان کتابوں سے خالی ہیں۔ تب مجبور ہو کر فارسی اور عربی کی بسیط تاریخیں بنظر انتخاب دیکھنا شروع کیں خیال تھا

کہ روضۃ الصفا اور فارسی کی دیگر تاریخوں میں بہت کچھ حالات ملیں گے۔ لیکن اس میں بھی کامیابی نہوئی تب مجبوراً عربی علم ادب۔ اور تاریخوں کی ورق گردانی شروع کی۔ کم و بیش حالات جن مستند تاریخوں سے لئے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ علاوہ اس کے اخبارات اور علمی رسالے ہیں جن کے نام بسبب طوالت فہرست سے خارج کردیے ہیں اور وہ تمام کتابیں بھی اس فہرست سے خارج ہیں جن کو بامید حالات برامکہ اول سے آخر تک دیکھا لیکن متعلق برامکہ کے ایک واقعہ بھی نہیں ملا۔

فہرست کتب جن سے البرامکہ ماخوذ ہے

طبری کبیر۔ ابن خلدون۔ کامل ابن الاثیر جزری۔ مروج الذہب و معادن الجوہر مسعودی۔ تاریخ ابن خلکان۔ الفخری ابن الطقطقی۔ کتاب الفہرست ابن الندیم۔ تاریخ ابو الفدا۔ کتاب الاغانی علامہ اصفہانی۔ عیون الانبا فی طبقات الاطبا۔ ابن ابی اصیبعہ۔ مرآۃ الجنان یافعی۔ التوفیقات الالہامیہ محمد مختار پاشا۔ روضۃ المناظر فی اخبار الاوائل والاواخر۔ اخبار الاول فیمن تصرف فی مصر من ارباب الدول۔ تحفۃ الناظرین فیمن ولی مصر من الولاۃ والسلاطین۔ اعلام الناس بما وقع للبرامکۃ مع بنی عباس۔ کتاب المعارف قتیبہ مسلم۔ مختصر الدول ملطی۔ کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام۔ کتاب ابناء نجباء الابناء۔ معجم البلدان جغرافیہ یاقوت حموی۔ تتمۃ العجائب و فریدۃ الغرائب ابن الوردی۔ سفرنامہ ابن جبیر۔ کشف الظنون۔ آثار الاول فی الترکیب الدول۔ التبر المسبوک فی نصائح الملوک امام غزالی رح۔ کتاب الاذکیا ابن جوزی۔ عقد الفرید ابن عبد ربہ۔ عقد الفرید ملک سعید۔ نثر النظم و حل العقد امام ثعالبی۔ ثمرات الاوراق۔ المستطرف فی کل فن مستطرف۔ زہر الادب علامہ ابو اسحٰق۔ نزہۃ الالباء فی طبقات الادباء ابن الانباری

شرح مقامات حریری ابوالعباس احمد شریشی۔ رنات الثالب والمثانی فی روایات الاغانی

حیوۃ الحیوان دمیری۔ ربیع الابرار زمخشری۔ تاج العروس شرح القاموس۔ محیط المحیط پطرس بستانی

دیوان ابونواس۔ دیوان ابوالعتاہیہ۔ علاوہ حبیب السیر و روضۃ الصفا کے فارسی کی حسب ذیل

تاریخوں سے بھی انتخاب کیا گیا ہے۔ تاریخ نزہۃ القلوب حمداللہ مستوفی۔ تاریخ نگارستان محمد بن احمد

کوفی۔ جامع الحکایات المشہور بفرج بعد الشدۃ۔ زہرالربیع سید نعمت اللہ جزائری۔ ترجمہ تاریخ عبداللہ

بن محمد اثری المشہور بہ تاریخ ضیا برنی۔ تاریخ ماوراء النہر معتمد السلطان محمد تقی خاں۔ تاریخ الفی قلمی

صور المالک۔ تاریخ خراسان قلمی۔ سیاست نامہ خواجہ نظام الملک طوسی۔ گنج دانش جغرافیہ ایران۔

جغرافیہ جام جم شہزادہ فرہاد میرزا۔ یہ وہ تاریخیں ہیں جن سے زیادہ جامع اور معتبر ہونا مشکل ہے اور

بعض بعض تاریخیں مثلاً طبری۔ مسعودی۔ کامل۔ ابن خلدون دس دس جلدوں سے بھی زیادہ

ضخیم ہیں۔ لیکن ان تمام کتابوں میں متفرق طور پر برامکہ کا ذکر آیا ہے۔ اور کوئی واقعہ تاریخی ترتیب

سے منضبط نہیں ہے۔ اس لحاظ سے آلبرامکہ تمام مذکورہ بالا عربی فارسی تاریخوں کا ایسا جامع و مانع

انتخاب ہے کہ جس سے زیادہ فراہم کرنا میرے اختیار سے باہر تھا۔ جعفر اول سے لے کر جو مورث

اور ابوالآبا خاندان برامکہ کا تھا۔ جعفر ثانی تک جو عہد خلافت ہارون الرشید میں قتل ہوا۔ ہر ایک کے

حالات اس طرز پر قلمبند کئے گئے ہیں کہ جسکی آجکل ضرورت ہے۔ اور اول سے آخر تک اس کا

لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو بات لکھی جائے مستند کتابوں سے لکھی جائے۔ اسلئے ہر ایک روایت کا ماخذ

حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے۔ لیکن باوجود اس محنت کے مجھے یہ ہرگز دعوےٰ نہیں ہے کہ میں نے تذکرہ

نویسی کا حق ادا کیا ہے۔ اور وہ زمانہ حال کی معیار کے مطابق ہے۔ یا یہ کہ البرامکہ خاندان برامکہ کا جامع

تذکرہ ہے۔ البتہ یہ ایک بنیاد ہے جس پر زمانہ آئندہ میں بڑی عمارت بن سکتی ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ہ

لفظ برمک کی تحقیقات اور خاندان برامکہ کی وجہ تسمیہ

برمک کی جمع برامکہ اور برامک آتی ہے۔ اس لئے یہ شبہ ہوتا ہے کہ برمک عربی لفظ ہے۔ لیکن تحقیقات سے معلوم ہوا کہ علم اللسان نے اپنے اصول کے موافق فارسی سے اس لفظ کو عربی سانچے میں ڈھالا ہے۔ لیکن اس لفظ کی اصلیت ظاہر کرنے سے پہلے۔ کہ ابتدا کیا تھا اور پھر کس طرح پر تبدیل ہوا۔ ارباب لغت کا قول نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوسکیگا کہ ہماری تحقیقات کہاں تک صحیح ہے۔ مصنف برہان قاطع بحوالہ رشیدی ولطائف لکھتا ہے کہ "برمک نام جائے وولایتے ست۔ ولقب جعفر پدر خالد کہ دراوائل حال مجوس بود ومتولی شداینکہ از موقوفات نوبہار کہ آں بتخانہ وآتشکدہ بلخ است وہرکہ متولی آنجا شدے برمک گفتندے" چونکہ لغت کا ایک ایک حرف صحیح سمجھا جاتا ہے اس لئے عوام کو یقین ہوگا کہ بیشک برمک کسی شہر کا نام ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ اگر میں بھی برمک کو شہر تسلیم کروں تو اس زمانہ میں کہ جس میں علم جغرافیہ کا ستارہ نصف النہار پر پہنچ گیا ہے۔ یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ برمک کرۂ ارض کے فلاں اقلیم میں ہے۔ اور ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ۔ امریکہ کے نقشجات میں فلاں شہر یا جزیرہ کے متصل واقع ہے لیکن کسی جغرافیہ میں برمک کا پتہ نہیں ہے۔ اسلیئے یہ اسم فرضی قابل اعتبار نہیں ہے

البتہ دوسرا نقص صحیح ہے کہ آتشکدۂ نوبہار کے متولی کو برمک کہتے تھے۔ لیکن پھر بھی یہ نہیں لکھا کہ متولی آتشکدہ کو برمک کہتے کیوں تھے؟ اور جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے تعریف ناقص ہے دوسری غلطی جغرافیہ کے ارباب لغت نے یہ کی ہے کہ سدانہ کو منجملہ اُن مواضعات کے قرار دیا ہے جو اخراجات آتشکدہ کے واسطے وقف تھے۔ حالانکہ سدانہ عربی لفظ[1] ہے۔ جس کے معنے جاگیر اور جاگیردار کے ہیں اور مجاور خانۂ کعبہ و بت خانہ کو بھی کہتے ہیں۔ لیکن حقیقۃً سدانہ کسی موضع کا نام نہیں ہے۔ صور الممالک تاریخ خراسان میں بلخ کے تمام پرگنے اور آباد مواضعات کی فہرست لکھی ہے اس میں سدانہ کوئی موضع نہیں ہے۔ نہ عربی جغرافیوں میں اس کا کچھ ذکر ہے بلکہ واقعہ نفس الامری یہ ہے کہ۔ اسی عربی لفظ کو بعینہ فارسی میں لے لیا ہے۔ اور قیاساً گاؤں سمجھ کر وقف قرار دیا ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ برمک کی وجہ تسمیہ لکھنے میں فارسی اور عربی دونوں تصنیفات یکساں ہیں۔ اور قرین قیاس تعریف کسی میں نہیں۔ چنانچہ علامہ زمخشری آتشکدہ نوبہار کے حالات میں لکھتے ہیں کہ یہ بُت خانہ[2] مکہ معظمہ کے جواب میں بنایا گیا تھا۔ اور جس طرح پر کعبہ کا لوگ حج

حاشیہ [1] سلم بطرس البستانی نے جو عربی کا لغت لکھا ہے اُس میں سدن اور سدانہ کے یہ معنی لکھے ہیں۔

" سدن الرجل يسدن سدنا وسدانة خدم الكعبة او بيت الصنم وعمل الحجابة ميد الحجابة او ال منو بهو معبده برن

[2] " بيت بناه احد جده خالد بن برمك عارضوا به الكعبة الشرفة وكانوا يطوفون به ويحج اليه اهل مملكتهم ويكسونه الحرير وكان بيتا عظيما حوله الاروقة ثلث مائة وستون مقصورة يسكنها خدامه وقوامه وكان من يليه يسمى برمكا يعني والى مكة وانتهت البرمكة الى خالد بن برمك واسلم على سيدنا عثمان رضه وسماه عبد الله " ربيع الابرار زمخشری۔

کرتے تھے ویسے ہی نوبہار کا طواف کرتے تھے۔ اور جو متولی اُس کا ہوتا تھا وہ "برمکا"
یعنے والی مکہ کہلاتا تھا" یہ وجہ تسمیہ اس وجہ سے خلاف قیاس ہے کہ قدیم عجم نے اسلام سے
پہلے کبھی عرب کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا ہے۔ نہ کعبہ کی کچھ عزت کی ہے۔ اس لئے یہ
کہنا کہ عجمیوں نے کعبہ کی شہرت اور عزت کے مقابلے میں اپنے بتکدے یا اُس کے متولی کا
نام برمکا رکھا تھا محض غلط ہے۔ لیکن لغت کی بناوٹ پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ لفظ برمک
اصل میں بَرْمُغ ہے۔ کیونکہ عرب نے مُغ کے لفظ میں عجیب عجیب تصرفات کئے ہیں چنانچہ
مجوسی۔ و مجوس بھی اسی لفظ کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اس لئے بَرْمُغ سے بَرْمُکْ بنایا گیا
ہے۔ اور پھر تخفیف کے لئے ضمہ فتحہ سے تبدیل ہوکر بَرْمَکْ ہو گیا۔ ضمہ کا فتحہ تو یوں ہوا۔ اب باقی
رہا غین کا کاف سے بدلنا یہ ایک معمولی بات ہے۔ کیونکہ اول غین جیم سے بدلا گیا جیسے ارغوان
سے ارجوان پھر جیم کاف ہو گئی اور غین براہ راست بھی کاف سے بدل جاتا ہے - جیسے
الاغوخاں کو عربوں نے ہلاکو خاں کر لیا ہے اب اگر لفظی ترکیب پر خیال کیا جائے تو بمقابلہ برمکا
کے برمغ زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ مُغ آتش پرست کو کہتے ہیں۔ فارسی قاعدے سے لفظ بَر اضافہ

لہ فردوسی طوسی باوجود یکہ مسلمان تھا لیکن عجمی الاصل ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے ہنوز تعصب باقی تھا چنانچہ شاہنامہ
میں لکھتا ہے کہ "زشیر شتر خوردن و سوسمار ✦ عرب را بجائے رسید ست کار ✦ کہ تاج کیاں را کنند آرزو ✦ تفو بر تو اے
چرخ گرداں تفو ✦" اگرچہ فردوسی دوسرے شخص کی زبان سے ایک واقعہ بیان کر رہا ہے لیکن اس سے قومی خیال کی ایک
جھلک پائی جاتی ہے ✦

ہونے سے برمغ سے وہ شخص مراد ہوا جو مغوں کا سردار ہو۔ لیکن مذکورہ بالا بحث صرف اُن لوگوں کی تسکین کی خاطر کے واسطے لکھی گئی ہے جو عربی تصرفات سے ناواقف ہیں ورنہ محض برمغ لکھدینا کافی تھا۔ کیونکہ عربی میں بکثرت ایسے لغت موجود ہیں۔ جن کی نسبت یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ معرب ہیں مثلاً منجنیق[1] کہ اصل میں میکانک تھا یا بیدق وخندق کہ اصل میں پیادہ وکندہ تھا یہ یونانی وفارسی الفاظ ہیں۔ جو عربی سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں۔ اور ناواقف جانتا ہے کہ خالص عربی الفاظ ہیں۔ بہرحال اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ برمک صرف وہی ایک خاندان ہے جس کو آتشکدۂ نوبہار کی تولیت حاصل تھی اور بسبب سرداری و مرجع خلائق ہونے کے نوبہار کا متولی مغوں کا افسر بالادست سمجھا جاتا تھا۔ جسے اہل فارس برمغ اور اہل عرب برمک کہتے تھے۔ اور تمام کتابوں میں جہاں کہیں برامکہ کا ذکر آیا ہے اُس سے یہی خاندان سمجھا جاتا ہے اور مثل[2] قیاصرۂ روم۔ اکاسرۂ عجم۔ فراعنۂ مصر۔ خاقانِ چین۔ کے برامکۂ بلخ بھی اپنا اعزازی خطاب میں ضرب المثل ہیں۔ کیونکہ لغت کی شہادت کے ماسوا تمام مستند مؤرخین کا بھی یہی قول ہے۔ چنانچہ علامہ مسعودی تاریخ مروج الذہب ومعادن الجوہر میں دنیا کے مشہور آتشکدوں اور بت خانوں کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں +

حاشیہ [1] بطور نمونہ کے عربی تصرفات کی روزمرہ کی مثالیں لکھی گئی ہیں اگر ناظرین کو تحقیقات کا شوق ہو تو فرائد اللغت مطبوعہ بیروت ملاحظہ فرمائیں جس میں ۹۰۰ الفاظ جو غیر زبانوں سے معرب کیے گئے ہیں بطور مثال کے درج ہیں۔

[2] تاریخ خراسان۔

والبیت[1] الرابع هو النوبهار الذی بناه منوشهر بمدینة بلخ من خراسان علی اسم القمر وکان من بلی سدانته تعظمه الملوک فی ذلک البقع وتنقاد الی امره وترجع الی حکمه وتحمل الیه الاموال و کانت علیه وقوف وکان الموکل بسدانته یدعی البرموک وهو سمة عامة لکل سادن ومن اجل ذلک سمیت البرامکه لان خالد بن برمک کان من ولد من کان علی هذا البیت الخ

مشہور آتشکدوں میں چوتھا نوبہار ہے جس کو فارس کے بادشاہ منوچہر نے ماہتاب کے نام پر صوبہ خراسان کے شہر بلخ میں تعمیر کیا تھا۔ تمام عجم کے بادشاہ متولی آتشکدہ کی تعظیم اور حکم کی فرماں برداری کرتے تھے۔ بڑے بڑے چڑھاوے اس پر چڑھاتے تھے۔ اور جاگیریں مصارف کیواسطے وقف تھیں جو متولی ہوتا تھا وہ برموک[2] کہلاتا تھا۔ اور یہ ایک عام لقب تھا جو ہر متولی نوبہار کو دیا جاتا تھا یہی وجہ تسمیہ برامکہ کی ہے کیونکہ خالد بن جعفر بن برمک اسی آتشکدہ کے متولی کا بیٹا تھا"

یہی قول ابو القاسم عبد الملک بن بدرون کا ہے چنانچہ مصنف اعلام الناس[3] بحوالہ شرح قصیدہ عبد المجید بن عبدون[4] لکھتا ہے "

---

[1] صفحہ ۹ جلد ۹ حاشیہ کامل ابن اثیر مطبوعہ مصر۔

[2] علامہ مسعودی نے برمک کو برموک لکھا ہے لیکن یہ تغیر صرف لہجہ کا ہے کیونکہ بعینہٖ جمع برامکہ لکھا ہے۔

[3] صفحہ ۱۱۹ اعلام الناس مطبوعہ بمبئی مطبع فتح الکریم [4] یہ شرح میسر نہیں ہوئی لیکن قلائد العقیان میں وہ پورا قصیدہ موجود ہے۔ جسکا مطلع یہ ہے

الدهر یفجع بعد العین بالاثر | فما البکاء علی الاشباح والصور

"والبرمك هو الذی يخدم بيت النار وكان برمك من مجوس بلخ وكان عظيم القدر فيهم وولده خالد۔"	کہ "برمک آتشکدہ بلخ کا متولی تھا۔ اور مجوسیوں میں اس کا بڑا درجہ تھا۔ خالد اسی برمک کا بیٹا ہے۔"

یہی رائے ابن خلکان کی ہے۔ لیکن فارسی تاریخوں میں برمک کی ایک وجہ تسمیہ اور بھی لکھی ہے جس کی ارباب لغت نے نہایت زور سے تائید کی ہے۔ اس لئے ہم بھی اس وجہ تسمیہ کو مع اپنی رائے کے لکھتے ہیں امید ہے کہ ناظرین اِس لطیفہ سے بہت خوش ہونگے۔ اور چونکہ لغت اور تاریخ کے قریباً ایک ہی الفاظ ہیں لہذا برہان قاطع[۲] سے بقیہ عبارت متعلق لفظ برمک لکھی جاتی ہے کہ "چوں جمال حالش (یعنے جعفر بن جاماس پدر خالد برمکی) بہ زیور اسلام آراستہ گردید۔ با عیال و اطفال بجانب دمشق کہ دارالملک حکام بنی امیہ بود توجہ نمود۔ بعد از چند روز بہ بارگاہ سلیمان بن عبدالملک آمد۔ چون چشم سلیمان بر جعفر افتاد رنگش متغیر شد۔ اشارہ فرمود تا اورا از مجلس بیرون بروند خواص و ندمائے مجلس از صدور این حکم تعجب نمودہ از سبب آن پرسیدند۔ سلیمان گفت این شخص زہر ہمراہ دارد۔ گفتند چون معلوم خداوند شد؟ گفت دو مہرہ بر بازوے من بستہ است کہ ہرگاہ زہر یا طعام و شراب زہردار بہ مجلس در آورند آنہا بجسب خاصیت حرکتے عنیف میکنند۔ حضار کیفیت حال از جعفر پرسیدند جواب داد بلے قدرے زہر در زیر نگین

حاشیہ [۱] وفیات الاعیان لابن خلکان جلد دوم صفحہ ۱۲ مطبوعہ مصر [۲] دیکھو روضۃ الصفا و تاریخ برنی وغیرہ۔

[۳] تشریح برمک صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ دار السلطنۃ کلکتہ۔

انگشتر دارم بحجت آنکہ درہنگام شدت الم برکم وازذلت برہم لہذا او بر مک واولاد او برمکی لقب ومشہور شدند"

یہی مضمون باونے تغیر صاحب روضۃ الصفا و علامہ ضیا برنی نے لکھا ہے۔ صرف اسقدر اختلاف ہے کہ مورخین کے نزدیک یہ واقعہ عہد سلطنت خلیفہ ولید بن عبدالملک کا ہے۔ اس موقع پر ہم کو اس تحقیقات کی ضرورت نہیں ہے کہ جعفر بن جاماس دمشق میں کس خلیفہ کے عہد حکومت میں آیا۔ البتہ یہ تحقیق کرنا ضرور ہے کہ یہ وجہ تسمیہ کہاں تک موزوں ہے۔ ہمارے نزدیک عبارت مذکورہ بالا محض ایک لطیفہ ہے یا شاعرانہ خیال جس کو تحقیقات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ دربار خلافت میں آنے سے پہلے جعفر برمک کے لقب سے مشہور ہو چکا تھا۔ علاوہ بریں دمشق میں آنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ گردش فلکی اور افلاس جعفر کو بلخ سے دمشق میں کھینچ لایا تھا۔ اور یہ بھی مؤرخین کو تسلیم ہے کہ جعفر علاوہ فنون کے علم انشاء اور شاعری میں فرزانۂ روزگار اور اپنے زمانے میں ایک دانشمند اور ضرب المثل شخص تھا۔ جب ہم جعفر کا یہ کمال تسلیم کرتے ہیں تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جعفر ایسا شخص عرب کی زبان سے واقف نہ ہوگا۔ جو دربار کی زبان تھی؟ کیونکہ ولید بن عبدالملک فارسی نہیں جانتا تھا لیکن ہمارے اس شبہ پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ کوئی ضرورت جعفر کو عربی زباندانی کی نہیں تھی۔ کیونکہ گفتگو ترجمان کے ذریعے سے ہوئی ہوگی۔ بالفرض اگر ایسا ہو تو یہ وجہ تسمیہ جو لفظ برکم سے ماخوذ ہے بالکل بیکار ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دعوےٰ یہ ہے کہ جس وقت جعفر کی زبان سے برکم نکلا اُس وقت سے اُس کا برمک لقب ہو گیا۔ یہ وجہ تسمیہ بناوٹ سے خالی نہیں ہے سعید حمی بات

یہ ہے کہ جعفر برمکی کا یہ ابتدائی واقعہ جب عربی سے فارسی تاریخوں میں نقل ہوا تو مترجمین نے
اس عربی لفظ کا جو اپنے موقع پر جعفر نے استعمال کیا ہوگا۔ بجائے بجزرم یا اسی قسم کے دوسرے
الفاظ کے اپنے فصیح محاورے میں برکم ترجمہ کیا اور انصاف یہ ہے کہ پورا حق ترجمہ کا ادا کیا ہے
کیونکہ برکم تو کوئی نیا لغت ہے۔ نہ اس میں کوئی ندرت ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ قلیل الاستعمال
ہے۔ اور نثر کے علاوہ نظم میں بھی شعرا نے مکؔ اور برمک دکیدن کے مشتقات میں لکھا ہے۔
چنانچہ مک کو بمعنی مکندہ حکیم سوزنی نے جو مشہور شاعر ہے اس طرح پر باندھا ہے ؎

یا بدز تو جواب نعم سائل نعم
از بہر سال خوردہ۔ تا طفل شیر مک

ایک دوسرا شاعر خاندان برامکہ کے زوال کا پر اثر نظارہ دکھلا کر ارباب زمانہ کو یوں نصیحت
کرتا ہے۔

اے طفل دہر گر تو ز پستان حرص و آز
روزے دو شیر۔ دولت و اقبال برمکی (فضل)

حاشیہ سلہ جعفر کا دربار میں پیش ہونا واقعہ تاریخی ہے۔ باقی افسانہ ہے۔ اسلئے لفظ برکم کی تشریح باعتبار لغت فارسی کے
ہے جس کو واقعہ تاریخی سے کوئی تعلق نہیں ہے البتہ بحیثیت تاریخ ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ آئندہ وہ غلط قصہ بھی
جو مشہور عوام ہے لکھا جائیگا۔

سلہ دیکھو نوادر المصادر مصنفہ منشی ٹیک چند بہار مصنف لغت بہار عجم دتحقیقات مصادر فارسی میں یہ ایک بےنظیر کتاب ہے۔)

در عہدِ عمر غرّہ مشو باز کمالِ خویش

یاد آور از زمانِ بزرگانِ برمکی۔ (اسسم)

متاخرین شعرا میں سے غالب مرحوم نے بھی کسی فارسی قصیدے میں برمکیدن کا استعمال کیا ہے جو سند ہم نے پیش کی ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ جعفر نے جو کچھ کہا ہوگا وہ عربی میں کہا ہوگا۔ اور فارسی کے جس لفظ میں ترجمہ کیا گیا ہے وہ صرف ایک محاورہ ہے جس میں کسی تاویل اور معنی آفرینی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

خاندان برامکہ کی ابتدائی حالت

روزِ ازل سے جس کی قسمت میں برمک اعظم ہونا لکھا تھا، وہ مشہور حکیم جاماس کا بیٹا۔ اور یشتاسف کا پوتا تھا جس کا نام جعفر برمکی ہے۔

یشتاسف کے حالات زندگی بالکل تاریکی میں ہیں اور جاماس جو اپنے زمانہ کا ایک نامور مدبر اور حکیم گزرا ہے اُس کے مختصر حالات شاہنامہ فردوسی سے معلوم ہو سکتے ہیں لیکن ہماری تاریخ جعفر بن جاماس سے شروع ہوتی ہے۔ خاندان برامکہ میں یہ بھی ایک عجیب و غریب بات ہے کہ جس طرح خاندانی عروج و اقبال جعفر کے نام سے شروع ہوا تھا ویسا ہی اُس کا ادبار اور زوال جعفر کے نام پر ختم ہو گیا۔ خاندان برامکہ سے عوام میں سب سے زیادہ جس کا نام مشہور و معروف ہے وہ جعفر بن یحییٰ ہے اور الف لیلہ میں جا بجا اسی کے عہد وزارت کے افسانے لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ذیل کے شجرے سے خاندان کی ترتیب معلوم ہوگی۔

شجرۃ النسب آلِ برمک

ثیتاسف

جاماس

جعفر

خالد

یحیٰی

فضل | محمد | جعفر | موسیٰ | جاماس | احمد | خالد | عبداللہ | ابراہیم

جعفر بن جاماس

جعفر بن جاماس جو خاندان برامکہ کی تیسری پشت میں ہے اسکے واقعات زندگی بھی محدود ہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خاندان برامکہ کا مورث اعلیٰ اور ابو الآبا ثیتاسف ہے لیکن تمام مؤرخین نے برامکہ کی تاریخ کی ابتدا عموماً جعفر سے کی ہے۔ بلکہ شہرت عام نے جعفر کا نام بھی مٹا دیا ہے۔ اور صرف برمک اصغر بجائے جعفر برمک کے لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ حمد اللہؒ مستوفی نے اپنی مشہور تاریخ نزہت القلوب

حاشیہ ۱؎ نزہت القلوب صفحہ ۹۰ مطبوعہ بمبئی۔ ۲؎ لقب یہ دنیا ہے کی۔

میں اسلام کے ابتدائی واقعات لکھتے ہوئے برامکہ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ "در سنہ ۹۷ھ سبع وتسعین آغاز دولت برامکہ بود۔ واوّل شان جعفر برمکی کہ بہ جعفر بلخی مشہور بود۔ از تخم گودرز۔ دستور اردشیر بابکان است۔ ونود سال دولت وزارت درآن خاندان بود از ایشان پنج کس وزارت کردند وجہان کرم وکریم جہان بودند" اس تحریر سے یہ معلوم ہوا کہ جعفر برمکی جو اپنے مقدس شہر بلخ کی وجہ سے دنیا میں مشہور تھا۔ گودرز وزیر اردشیر بابکاں کی نسل میں تھا اور وزارت اس کا موروثی ترکہ تھا۔ چنانچہ اس عزت سے وہ خود بھی ممتاز ہوا۔ اور اس کی اولاد میں سے چار شخصوں کو شرف

حاشیہ [۱] ولید بن عبدالملک کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور سلیمان بن عبدالملک سلطنت پر بیٹھا تھا۔

[۲] اردشیر بن بابک بن ساسان عجم کا مشہور بادشاہ ہے۔

[۳] منوچہر بن ایرج بن فریدوں نے اس شہر کو آباد کیا تھا۔ اور عہد لہراسپ میں دارالسلطنت رہا۔ صوبہ خراسان میں یہ اوّل درجہ کا شہر تھا۔ اور بسبب نوبہار کے مقدس سمجھا جاتا تھا۔ یونانی اسکو بکٹریہ کہتے ہیں۔ عربوں نے یہاں کے موسم گرما کی بڑی تعریف لکھی ہے۔ مسلمانوں نے خلیفہ سوم کے زمانہ میں یہ شہر فتح کیا تھا۔ ابراہیم ادہم اور شفیق بلخی اس شہر کے مشہور و معروف لوگ ہیں چنگیز خان نے سنہ ۶۱۷ھ ہجری میں اس پر قبضہ کیا تھا۔ اس وقت سے آج تک یہ برابر تنزل کی حالت میں ہے۔ اب اس شہر میں ۲۰۰ گاؤں ہیں۔ افغان۔ ازبک۔ تاجک۔ اور پہاڑی جرگے آباد ہیں۔ جس زمانے میں اسلام کی عملداری تھی اسوقت شہر و قصبات ملاکر ۱۲۰۰ مسجدوں میں صرف جمعہ کی نماز ہوتی تھی۔ آثار قدیمہ میں سے سلطان سنجر کی ٹوٹی پھوٹی مسجد اب تک موجود ہے۔ ماخوذ از تاریخ ماوراء النہر آثار الاول وجغرافیۂ جام جہاں نما وقریبۃ الغرائب۔ ومسالک الممالک۔

وزارت حاصل ہوا۔ اور تو سے برس تک آل برمک میں وزارت قائم رہی۔

نام و نسب

جعفر نسباً و مذہباً آتش پرست تھا۔ دنیاوی اعزاز۔ اور مذہبی تقدس میں اس سے زیادہ اور کیا درجہ ہو سکتا ہے۔ کہ آتشکدۂ نوبہار کا متولی تھا جس کے سامنے سلاطین کی گردنیں جھک جاتی تھیں۔ اور تمام قوم اور ملک میں جعفر برمکی کا اعزاز صرف نوبہار کے صدقے میں تھا۔ چونکہ برامکہ کی شہرت اس آتشکدے سے وابستہ ہے لہذا مختصر کیفیت نوبہار کی بھی لکھی جاتی ہے جس سے جعفر برمکی کی وقعت کا ناظرین خاص اندازہ کر سکیں۔

آتشکدۂ نوبہار

دنیا میں جس قدر مشہور و معروف آتشکدے تھے۔ منجملہ ان کے نوبہار بھی بلخ کا آتشکدہ ایک تاریخی یادگار ہے۔ اور مؤرخین نے بلحاظ عظمت و شہرت کے نوبہار کا چوتھا نمبر لکھا ہے اور چونکہ ہر آتشکدہ کسی نہ کسی دیوتا کے نام سے منسوب ہوتا تھا اس لئے منوچہر بادشاہ فارس نے ماہتاب کے

حاشیہ۔ [۱] دیکھو نوٹ صفحہ ۳۰ و تاریخ مسعودی جلد پنجم حاشیہ کامل ابن اثیر صفحہ ۷۔ حالات بیت النیران۔
[۲] عہد فریدون سے آتشکدوں کی بنیاد پڑی ہے۔ کیونکہ اہل فارس آگ کو بزرگ سمجھ کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ خالق اور مخلوق میں آگ ایک واسطہ ہے اور تمام دنیا کی ابتدا آگ سے ہوئی ہے۔ اور مجوسی آتشکدوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے چنانچہ اصول مذہب کی رو سے فریدون نے اول خراسان میں ایک آتشکدہ بنایا۔ بعد کو سجستان اور اس میں بنائے گئے۔ چنانچہ زردشت مجوسی کے ظہور سے قبل دس آتشکدے مختلف مقامات میں موجود تھے۔ اور اسکے ظہور کے بعد تو وہ کثرت ہوئی کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بعض بعض آتشکدے بہت مدت تک قائم رہے۔ اور چوتھی صدی تک فارس میں بھی قدیم آتشکدے تھے۔ جس کی نسبت ابن حوقل بغدادی اپنے جغرافیے میں لکھتا ہے کہ "وہ اس کثرت سے ہیں۔ اور مشہور کہ بجز سرکاری کاغذات کے کوئی شخص ان کا احصا نہیں کر سکتا" اور اس کثرت کی نسبت علامہ مسعودی کا یہ خیال ہے کہ جب اسلام نے زیادہ ترقی

نام پر یہ آتشکدہ بنایا تھا۔ اس کی عمارت نہایت مضبوط۔ اور رفیع الشان تھی سو گز مربع اراضی میں عمارت تھی۔ اور سو گز بلند تھی اور چھت پر بلند نیزے گڑے ہوئے تھے جس پر حریر سبز کے پھریرے اڑا کرتے تھے۔ اور ہر ایک پھریرہ طول میں سو گز ہوتا تھا۔ چنانچہ شدت ہوا سے جب کبھی نیزے سے کوئی پھریرہ الگ ہو جاتا تھا۔ تو کئی کئی میل کے فاصلے پر جا کر ٹھہرتا تھا پورا آتشکدہ حریر اور دیبا کے پردوں اور جواہر نفیسہ سے آراستہ تھا۔ اور مجاوروں کے رہنے کے واسطے تین سو ساٹھ حجرے بنے ہوئے تھے۔ اور اکثر چڑھاوے میں علاوہ بڑی بڑی رقموں کے اہل ملک حریر سبز کے پھریرے چڑھاتے تھے جس کا یہ اثر تھا کہ ایک ایک معمولی خادم اس آتشکدہ کا امیر کبیر بنا ہوا تھا۔ اور جعفر برمکی جس کو بقول ایک ظریف کے پیر مغاں کہنا مناسب ہے اس کی دولت و ثروت کا اندازہ کون کرسکتا ہے؛

بقیہ حاشیہ شروع کی زردشتیوں نے اس خیال سے متفرق مقامات میں آتشکدے قائم کرنا شروع کر دیئے کہ اگر ایک برباد ہو جائیگا تو دوسرا ضرور باقی رہے گا۔ چنانچہ عہد قدیم کے خاص خاص آتشکدے حسب ذیل مقامات میں تھے۔

نام مقام	نام تعمیر کنندہ
سابور	دارا بن دارا۔
بخارا	اردشیر بن بابک۔ اس آتشکدہ کا نام برمال تھا۔ دوسرا آتشکدہ خلیج قسطنطنیہ میں بنایا تھا جو عہد خلیفہ مہدی عباسی تک قائم رہا
کرمش	عہد فریدون میں تعمیر ہوا کوسہ نام تھا۔
جبل اصفہان	گشتاسپ بادشاہ۔ اس آتشکدے کا نام مارس تھا۔ پہلے یہ صنم خانہ تھا۔
صغد	ضحاک۔ اس آتشکدے کا نام قمدان تھا۔ عہد خلیفہ سوم میں توڑا گیا۔ ایک برج اس کا آج تک موجود ہے۔
ارض عراق	تعمیر کردہ پوران بنت کسریٰ۔
آذربائجان	قدیم آتشکدہ تعمیر کردہ بہادر بن اسکے علاوہ کرمان۔ طبرستان۔ اصفہان۔ آذربیجان۔ ہندوستان میں بکثرت آتشکدے تھے۔

غرضکہ نوبہار اپنے زمانے میں عجمیوں کا کعبہ تھا۔ اور اصول مذہب کے مطابق سالانہ حج ہوتا تھا۔ طواف بھی کیا جاتا تھا۔ نوبہار کا متولی خود مختار والی تھا۔ اور اس کی حکومت نوبہار سے اکیس میل تک تھی۔ جس میں وہ شاہانہ اختیارات برتتا تھا۔ اور نوبہار کی عظمت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ عجم کا پیغمبر (بقول مجوسیان) زردشت اس آتشکدہ میں مدتوں معتکف رہا ہے اور لہراسپ بادشاہ جب بوڑھا ہو گیا تو اس نے سلطنت اپنے بیٹے گشتاسپ کو سپرد کر دی۔ اور خود نوبہار کا مجاور بن گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو استاد دقیقی نے گشتاسپ نامہ میں اس طرح پر لکھا ہے۔

چو گشتاسپ را داد لہراسپ تخت ۔۔۔ فرود آمد از تخت و بر بست رخت
بہ بلخ گزیں شد داں نوبہار ۔۔۔ کہ یزداں پرستانِ آں روزگار
مر آں خانہ را داشتندے چناں ۔۔۔ کہ مر کعبہ را تازیاں ایں زماں

لیکن نوبہار کی عمر طبعی ہو چکی تھی اس لئے اب اس کی خزاں کا وقت آیا۔ اور ۳۱ھ (۶۵۱ء) ہجری میں خراسان فتح ہوا۔ اور حکومت اسلام تمام اطراف میں پھیل گئی۔ اس وقت یہ آتشکدہ بھی سرد ہو گیا۔ اور جو آگ عہد منوچہر سے جلتی چلی آتی تھی۔ وہ چشم زدن میں راکھ ہو کر اڑ گئی۔[۲]

حاشیہ [۱] جغرافیہ گنج دانش صفحہ ۱۱۰۔ حالات بلخ مطبوعہ طہران ۱۳۰۵ھ وصور الممالک تاریخ خراسان حالات بلخ نسخہ قلمی

[۲] علامہ زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ خالد برمکی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمان کیا تھا۔ اور اس کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ اور تاریخ ماوراء النہر کا مصنف لکھتا ہے کہ جب بلخ فتح ہوا ہے اس وقت متولی برمک (نام نہیں لکھا ہے) مسلمان ہو گیا۔ اور چونکہ بلخ کی حکومت پہلے سے برمک کے قبضہ اقتدار میں تھی۔ اس وجہ سے ادائے خراج کی ذمہ داری پر خلیفۂ سوم نے بدستور برمک کی سپردگی میں رکھا۔ صفحہ ۱۰ تاریخ ماوراء النہر مصنفہ معتمد السلطان محمد تقی خاں۔ زمخشری کی

اور خاندان برامکہ پر بھی مصیبت کا لشکر ٹوٹ پڑا اور آن کا جاہ و جلال جاتا رہا۔ فتح خراسان کے بعد اِس خاندان پر کیا کیا انقلاب آئے۔ اِس کی تاریخوں میں کوئی تفصیل نہیں ہے۔ مگر اس میں شک نہیں ہے کہ ایک زمانہ دراز تک جعفر نے اپنے وطن کو نہیں چھوڑا لیکن آخر کار امید منفعت یا شوق سیاحت نے ایک مدت کے بعد جعفر برمکی کو بھی بلخ سے ہمیشہ کے لئے خیرباد کہنے پر مجبور کیا اور وطن سے دمشق میں پہنچا دیا۔

جعفر کی قابلیت

جعفر علاوہ حسن صورت کے علم و فضل میں خاص امتیاز رکھتا تھا۔ علم ادب۔ انشا پردازی۔ شاعری میں ضرب المثل تھا۔ غرض کہ دنیاوی اعزاز کے واسطے کوئی ایسی صفت نہ تھی جو فیاض ازل نے جعفر سے دریغ رکھی ہو۔ اور غالباً یہی کمال جعفر کو بلخ سے دمشق میں لایا تھا۔ کیونکہ اِس عہد میں دربار خلیفہ کے سوا اظہار کمالات کا کوئی دوسرا موقع اہل علم کے حق میں نہ تھا۔ جب جعفر دمشق پہنچا ہے اُس وقت

عہد خلافت ولید ابن عبد الملک

خاندانِ اُمیہ کا ساتواں تاجدار ولید بن عبد الملک تختِ سلطنت پر جلوہ افروز تھا۔ یہ خلیفہ ۸۶ھ میں اگرچہ تخت نشین ہوا۔ اور ۹۶ھ میں فوت ہو گیا۔[1] لیکن اِس عرصے میں فتوحات کی نہایت ترقی ہوئی۔ ہندوستان

بقیہ حاشیہ کی روایت میں خالد کلام ہے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ خالد ۹۰ہجری میں پیدا ہوا تھا۔ اور اس وقت بلخ فتح ہوئے اُنسٹھ برس ہو چکے تھے اور تفویض حکومت بلخ کا واقعہ بجز اس تاریخ کے اور کسی تاریخ میں نہیں ملا ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ موجودہ متولی اسلام لایا ہو جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔

[1] صفحہ ۲۰۰۔ تاریخ سیوطی مطبوعہ مصر حالات الولید بن عبد الملک۔

پر فوج کشی ہوئی۔ دیبل (ٹھٹھہ) فتح ہوا۔ خوارزم۔ و سمرقند و کابل و فرغانہ پر اسلامی نشان اُڑتا تھا۔ علاوہ اِس کے حدودِ اسلامی کے دائرے میں شام و اُندلس اور تمام افریقہ کا رقبہ داخل تھا۔ اور خاص دارالخلافہ دمشق[1] کی شان و شوکت کا کیا پوچھنا ہے۔ چنانچہ پایۂ تخت کی عظمت و جلال دیکھ کر جعفر حیرت زدہ رہ گیا۔ اَب جعفر کو یہ فکر ہوئی کہ کسی حیلے سے دربار کا داخلہ میسّر ہو۔ اور حقیقت میں غریب مسافر کے لئے یہ ایک مشکل موقع تھا۔ مگر اپنے مطلب میں کامیاب ہونے کے واسطے جعفر نے یہ تدبیر نکالی کہ اوّل امرائے دربار اور ارکینِ سلطنت سے ملنا شروع کیا۔ چونکہ جعفر ایک مشہور آتشکدہ کا متولّی اور رئیسِ اعظم تھا، عام اس سے کہ وہ مسلمان ہو چکا تھا یا اسلام کی جانب مائل تھا اس لئے تمام اسلامی مجالس میں اس کی عزّت ہوتی تھی۔ اور قطع نظر اِس خصوصیت کے جعفر کی شیریں کلامی اور فصاحت و بلاغت کا جادو عبدالملک کے ہر ندیم پر اپنا اثر کر چکا تھا۔ اِس لئے دمشق کے ہر گلی کوچے میں جعفر کی نکتہ سنجی کی داد دی جاتی تھی۔ ارکینِ سلطنت نے جب ہر طرح پر جعفر کی قابلیت کا اندازہ کر لیا اُس وقت بسبیلِ تذکرہ خلیفہ ولید سے جعفر کے مفصّل حالات بیان کئے۔ خلیفہ نے جعفر کے

حاشیہ [1] اقلیم چہارم میں یہ شہر بہت قدیم ہے۔ اور شام کے تمام شہروں سے بڑا ہے۔ چار ہزار برس سے زیادہ عرصہ گذرا جب ارم بن سام بن نوح نے اس کو آباد کیا تھا۔ اُٹھ میل کے دور میں آباد ہے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ باغ ارم اسی شہر میں تھا جس کو شداد عاد نے عمارت بنا کر وسیع کر دیا تھا۔ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ اسی کی صفت ہے ابتدائے زمانے سے آج تک مختلف خاندانوں میں اسکی حکومت رہی ہے۔ اور اسکے فتح کرنے میں ہر قوم کا قریباً حصّہ ہے چنانچہ اوّل شاہان بابل و فارس نے اِس پر قبضہ کیا۔ اور چار سو برس تک اُن کا تحت رہا۔ اسکے بعد ڈھائی سو برس تک یونانیوں کا زمانہ دور رہا۔ جب یونان کا زوال ہوا تو رومیوں کے سلطے میں چلا گیا۔ ساڑھے سات سو برس کے بعد رومیوں سے عربوں نے چھین لیا۔

حالات سنکر یہ خیال کیا کہ اگر فی نفسہ جعفر جامع صفات نہ ہوتا تو کسی کو اُس کے فضائل بیان کرنے کی میرے حضور میں جسارت نہ ہوتی۔ اور خود اہلِ دربار کا جعفر کو پیش کرنا اُس پر دلیل ہے کہ وہ ایک گرانمایہ جوہر ہے۔ کیونکہ اہلِ دربار کو یہ اندیشہ تو ضرور ہی ہوا ہوگا۔ کہ جعفر کی شہرت عام مجھ تک تو ضرور پہنچ جائے گی۔ اِس لئے خود انہوں نے تمام حالات عرض کر دیے" چنانچہ ولید بن عبدالملک نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر کے حکم دیا کہ اچھا جعفر کو دربار عام میں پیش کرو۔ چنانچہ جعفر خلیفہ کے روبرو حاضر لایا گیا۔ لیکن خلیفہ نے اُس کی شکل دیکھتے ہی چوبدار کو یہ حکم دیا کہ "جعفر کو سزا دیجائے" خلیفہ کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور وہ بھی اس سختی سے کہ جعفر کھڑے سے گر پڑا اور گرتے ہی بیہوش ہوگیا۔ جعفر نیم گشتہ بخوں آلودہ دربار سے باہر بھیج دیا گیا۔ اہلِ دربار کے واسطے جعفر کی سزا ایک[1] پہیلی تھی جس کا بوجھنا مشکل تھا۔

بقیہ حاشیہ اور ساڑھے چار سو برس اُس پر حکمران رہے۔ ۳۳۳ برس قبل حضرت عیسےٰ کے سکندر اعظم نے فتح کیا۔ اور ۶۱۳ء میں ایرانیوں نے بالکل تباہ کر دیا لیکن ۱۳ھ ۶۳۴ء میں خلیفہ اوّل کے اخیر عہد میں مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ اور ۴۱ھ ۶۶۱ء میں امیر معاویہ نے اپنا دارالخلافہ بنایا۔ چنانچہ اُس وقت سے دمشق ترقی کرتا گیا اور جس وقت جعفر یہاں پہونچا ہے یہ اسکے عروج کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد سلطنت عباسیہ۔ فاطمیہ سلجوقیہ کے قبضے میں رہا۔ ۱۱۵۴ء سے ۵۴۸ھ ۱۲۶۰ء ۶۵۸ھ صلاح الدین[illegible] کے بعد پندرھویں صدی میں تیمور نے قبضہ کر کے برباد کیا۔ لیکن ۱۵۱۶ء ۹۲۲ھ سے عہد سلیم اوّل سے ترکوں کے قبضے میں ہے۔ اور اب غازی عبدالحمید خان خلد اللہ ملکہ کی تلوار کے نیچے سر جھکائے ہے۔ قدامت کے ہزار ہا منظر اس شہر میں ہیں چنانچہ ولید بن عبدالملک کی بنوائی ہوئی مسجد جس میں ۵ کروڑ ۶۴ لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا تمام دنیا میں بے نظیر تھی۔ اوّل یہ مسجد ایک ہیکل عظیمہ تھی جو مشتری کے نام پر بنائی گئی تھی۔ جب یونانیوں سے عیسائیوں کے قبضے میں آئی تو کنیسہ ہوئی جب مسلمانوں نے لیا تو مسجد بنا دیا۔ اور دنیا کی مشہور سیرگاہوں یعنے مغند سمرقند۔ شعب بوان ابلہ بصرہ کے بعد غوطۂ دمشق ہے۔ بقول ابن حوقل سیاح کے آٹھ دن تک مسافر اس سیرگاہ کی حد میں سفر کر سکتا ہے۔ اور اُس کو سایہ دار درخت باغستان جاں فزا۔ اور خوشگوار پانی کے چشمے ملتے ہیں" ماخوذ از جغرافیہ جام وسفرنامہ ابن جبیر و جغرافیہ یاقوت۔ و تاریخ نزہتہ القلوب و خریدۃ العجائب ابن الوردی۔ و تاریخ مسعودی وغیرہ۔

[1] اس جگہ سے تاریخ نے ناول کی صورت اختیار کی ہے۔ اور تمام مؤرخوں نے خوب خوب اس واقعہ کو رنگا ہے۔ صرف بلحاظ شہرت ہم نے بھی لکھ دیا ہے تاکہ ناظرین کو اُس کی اصلی حالت معلوم ہو جاوے اور مغالطہ میں نہ رہیں۔

اکثر اہل دربار نے چاہا کہ اس معمّے کو حل کریں۔ لیکن جلال شاہی سے اُس وقت کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس طلسم کی پردہ کشائی کرے۔ اور سب حیرت زدہ رہ گئے لیکن اپنے کئے ہوئے فعل سے خجل تھے۔ کہ ناحق ہم نے غریب جعفر کو سر دربار رسوا کیا'' اس واقعہ کے بعد ایک عرصہ تک دربار میں جعفر کا تذکرہ نہیں ہوا۔ پھر چند احباب جعفر کی عیادت کو گئے۔ دیکھا تو سقیم الحال پایا۔ ضعف اور ناتوانی نے جعفر کو نڈھال کر دیا تھا۔ سب کو اُس کی شکستہ حالی اور غریب الوطنی پر ترس آ گیا۔ اور مختلف طور پر سب نے خدمت کی۔ جعفر نے احباب کا شکریہ ادا کیا۔ اور چلتے وقت نہایت عاجزانہ لہجے میں یہ درخواست کی کہ ''جس طرح ممکن ہو۔ براہِ مہربانی خلیفہ سے یہ دریافت کیجئے کہ آخر میری سزا کا باعث کیا تھا؛ سب نے اقرار کیا اور وقت کے منتظر رہے ایک دن خلیفہ کو بشاش دیکھ کر عرض کیا کہ ''اگر خدام والا کو معلوم ہو کہ جعفر برمکی کا یہ قصور تھا۔ تو جہاں تک ممکن ہو اُس کام سے پرہیز کیا جائے'' اُس وقت خلیفہ نے اپنے مصاحبوں کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ ''جعفر کو دربار میں حاضر ہونے کا کچھ بھی شعور نہیں ہے۔ جب وہ میرے حضور میں آیا تو اُس کے پاس زہر موجود تھا۔ بس یہی اُس کا قصور تھا جس کی سزا دی گئی۔ کیونکہ بادشاہوں کے حضور میں جانا اور اپنے پاس زہر رکھنا کون سے سلیقے کی بات ہے ؛ خصوصاً ایسے شخص کے لئے جو بادشاہوں کی منادمت کا امیدوار ہے۔ میرے نزدیک اُسکا یہ فعل نہایت ہی قابل نفرت ہے۔ اور یہ حال مجھے اِس طرح معلوم ہوا کہ میرے بازو پر دو مُہرے بندھے ہیں۔ اُن کی خاصیت یہ ہے کہ جس وقت زہر کی بو اُن کے پاس پہنچتی ہے تو اُن میں حرکت ہوتی ہے۔ چنانچہ جعفر جس وقت میرے سامنے آیا ہے اُس وقت اُن دونوں مُہروں

میں سخت حرکت ہوئی جس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ جعفر کے پاس زہر ہے۔" جعفر نے یہ خبر سُنی تو اس کا اعتراف کیا۔ اور کہا کہ "حقیقت میں اُس وقت میرے پاس زہر موجود تھا۔ اور یہ میری محض گستاخی اور بے ادبی تھی کہ میں دربار میں زہر لے کر حاضر ہوا۔" جعفر کا یہ واقعہ عبداللہ اثری کی تاریخ میں موجود ہے۔ اور بعض اور تاریخوں میں بھی اِس کا ذکر ہے لیکن مستند مؤرخین نے اس قصہ کو ہمیشہ غلط سمجھا ہے اور ایسے واقعہ نگاروں کو سادہ دل اور عجائب پرست قرار دیا ہے۔ اور حقیقت میں یہ واقعہ منجملہ اُن عجیب و غریب قصہ کہانیوں کے ہے

حاشیہ ۱؎ میں نے تاریخ اسحاقی مشہور با خبار الاول میں بھی یہ قصہ پڑھا ہے اور وہ اس طرح پر کہ ایک دن منصور عباسی کے دربار میں خالد برمکی حاضر ہوا۔ لیکن خلیفہ نے خالد کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دی اور کہا کہ "تمہارے پاس زہر ہے۔" خالد نے تسلیم کیا اور کہا کہ "بیشک میری انگوٹھی میں نگینے کے نیچے زہر ہے۔ اور وہ اس لئے ہے کہ درباریوں کے دشمن بہت ہوتے ہیں معلوم نہیں کہ کس وقت زندگی سے دل سیر ہو جائے اور موت کی آرزو ہو۔ چنانچہ اِس غرض سے میں زہر رکھتا ہوں کہ وقت ضرورت کے کھالوں اور رسوائی سے محفوظ رہوں۔" (جعفر کی وجہ تسمیہ میں اسی فقرے پر استدلال کیا جاتا ہے کہ وہ ہنگام شدت الم بہ سم و از ذلت برہم) چنانچہ یہ عذر خلیفہ نے تسلیم کیا۔ باقی افسانہ مہروں کی لڑائی کا بجنسہ ہے۔ لیکن تاہم بہت مختصر ہے۔ فارسی تاریخوں میں طول دے کر فسانۂ عجائب بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ ضیاء برنی نے اس کے ثبوت میں ایک نظیر بھی پیش کی ہے اور وہ یہ ہے کہ شاہ طبرستان کے پاس ایک طلائی مچھلی تھی۔ اور وہ دریا سے پھینکی ہوئی انگوٹھیاں ڈھونڈھ کر نکال لاتی تھی اور سطح دریا کے کنارے پہنچ کر مُنہ سے انگوٹھی اگل دیتی تھی جس کا تجربہ خود اسی جعفر نے کیا تھا۔ اور صاحب نگارستان بحوالہ تاریخ حبیب السیر لکھتا ہے کہ "خلیفہ ولید نے یہ مچھلی طبرستان سے منگا کر خود تجربہ کیا تھا۔ بلکہ اس مچھلی کے مقابلے میں اُنھوں نے ایک قمری کو پیش کیا ہے۔ یعنی سلطان محمود غزنوی کو ہندوستان کے کسی راجہ نے ایک قمری بھیجی تھی۔ اور اُس میں یہ صفت تھی کہ جب دستر خوان پر مسموم طعام آتا تو قمری کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ اور جو قطرہ ٹپکتا تھا وہ مثل پتھر کے ٹوٹے کے ہو جاتا تھا۔ اور زخموں پر لگانے سے مرہم کا کام دیتا تھا۔ علاوہ حبیب السیر وغیرہ کے نظام الملک وزیر ملک شاہ سلجوقی نے بھی نہایت عمدہ الفاظ میں جعفر کا یہ قصہ لکھا ہے۔ ناظرین اگر مفصل دیکھنا چاہیں تو کتاب سیاست نامہ نوشتہ نظام الملک صفحہ ۱۰۶ تا ۱۰۵ مطبوعہ پیرس (دارالسلطنۃ فرانس) ۱۸۹۱ء ملاحظہ فرمائیں۔

جو بادشاہوں کے دربار میں قصّہ گو بیان کیا کرتے ہیں۔ جس کو تاریخ سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ ہم نے بھی جعفر کا یہ قصّہ لکھا ہے ورنہ فی نفسہ یہ کوئی واقعہ نہیں ہے وللہ درمن قال ؎

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ اِنھیں کچھ نہ کہو جو کہ قصّوں کو صحیح اور بجا کہتے ہیں

بہرحال تاریخی حیثیت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ولید بن عبدالملک کے دربار میں جعفر اوّل مرتبہ کس تقریب سے پیش ہوا۔ اور پھر اس نے کس طرح پر ولید کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ لیکن یہ ضرور ثابت ہے کہ ولید بن عبدالملک نے جعفر کو درجۂ کتابت[2] تک پہنچا دیا تھا۔[1] اس سے زیادہ کوئی اور کارنامہ جعفر کا ایسا نہیں ہے جو ناظرین کے سامنے پیش کیا جائے۔ البتہ دو امر قابلِ اظہار ہیں ایک یہ کہ خلیفہ ولید کے فیض صحبت سے جعفر مسلمان[3] ہوا۔ اور پھر تمام خاندان میں اسلام باقی رہا۔ بلکہ بہ حیثیت اسلامی جو کارنامے کئے ہیں وہ زمانے میں یادگار ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسی مبارک زمانے میں جعفر کے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام خالد ہے۔ اور یہی وہ بلند اقبال لڑکا ہے جو پچھلے دور میں خاندان برمک کی شہرت عام کا ذریعہ ہوا ہے۔

حاشیہ [1] دیکھو تاریخ ضیاء برنی و ہفت قلزم جلد ۶ صفحہ ۱۰۔

[2] زمانہ حال کی اصطلاح میں کتابت کا عہدہ چیف سکرٹری کے معنے میں ہے۔

[3] عربی تاریخوں میں جعفر کے اسلام کی کوئی صراحت نہیں ہے لیکن یہ قرین قیاس ہے کہ جعفر اسی زمانہ میں مسلمان پیدا ہوا ہے جیسا کہ ضیاء برنی نے لکھا ہے۔

خالد بن جعفر برمکی

خالد کی ولادت

جعفر برمکی کا یہ ہونہار۔ اور بلند اقبال لڑکا خلیفہ ولید بن عبد الملک کے زمانے میں پیدا ہوا۔ ابن عساکر[1] نے تاریخ دمشق میں خالد برمکی کا سنہ ولادت ۹۰ھ لکھا ہے۔ لیکن مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ دراصل خالد جعفر برمکی کا لڑکا تھا یا نہیں۔ تاریخ طبری[2] کبیر۔ ابن خلدون[3]۔ و کامل ابن الاثیر[4]۔ کی تحریر کا یہ خلاصہ ہے کہ ۸۶ھ میں قتیبہ بن مسلم حجاج[5] کی طرف سے خراسان میں والی ہو کر آیا۔ اور کثیر التعداد فوج جمع کر کے مرو پر فوج کشی کی طیاری کی۔ جہاد کے جوش میں بلخ کی اطراف و جوانب سے قافلے جمع ہوتے جاتے تھے چنانچہ صالح بن مسلم کی سپہ سالاری میں بہ معیت ایاس بن عبد اللہ بن عمرو۔ علی الخزاج اور عثمان بن العدی جیسے پر جوش اور بہادر

حاشیہ [1] ابن خلکان صفحہ ۲۳۲۔ جلد ۲ [2] طبری جلد سوم [3] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۵۹۔
[4] کامل اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۰۰ و ۲۰۱ [5] یہ حجاج بن یوسف ثقفی ہے۔ جو خلیفہ عبد الملک کی طرف سے عراق کا والی تھا۔ اس کا ظلم حاتم کی سخاوت سے کم مشہور نہیں ہے۔ حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر ائمہ مذہب اور پیشوایان دین پر تھیں صحابہ کرام اور عامہ مسلمین کی تعداد جو حجاج نے قتل کرائی ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ اس کے ظلم کی انتہائی تعریف یہ ہے کہ جو حضرت عمر بن عبد العزیز۔ (نویں خلیفہ خاندان امیہ) نے کی ہے کہ "اگر اور پیغمبروں کی امتیں سب مل کر اپنے اپنے زمانے کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو مقابلے میں لاویں تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہے گا" بے سقف قید خانہ اسی کا ایجاد ہے۔ مرد و عورت سب کو ایک زنجیر میں اسی نے قید کیا۔ صحرا نشین لوگوں کے ہاتھوں پر ان کے اور ان کی ولادت گاہ کے نام گدوائے۔ عرب کی کشتیوں پر رال کا روغن لگایا۔ سب سے پہلے جس کے دربار میں ہزار خوان کھانے کے اہل مجلس کے سامنے رکھے گئے وہ یہی حجاج ہے۔ تاریخ الفی جلد اول قلمی۔

افسوں کے مرزوپر لشکر روانہ ہوا۔ اور صالح اس مہم میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن خاتمہ جنگ کا صلح پر ہوا۔ اِس لڑائی میں جو لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں اُن میں برمک[ا] اصغر کی عورت جو آتشکدۂ نوبہار سے گرفتار ہو کر آئی تھی۔ موجود تھی۔ جب غنیمت تقسیم ہوئی تو یہ عورت عبداللہ بن مسلم کے حصّے میں آئی چند روز بعد صلح ہوئی تو قتیبہ کے حکم سے لونڈیاں بھی واپس ہوئیں۔ تب مجبوراً عبداللہ کو بھی یہ عورت واپس کرنا پڑی۔ اُس وقت عورت نے کہا کہ "اے عرب مجھے تیرا حمل رہ گیا ہے" لیکن مطابق صلح کے یہ لونڈی واپس کر دی گئی۔ گر یہ طے پایا کہ "اگر بیٹا ہوا تو ہمارا ہے" چنانچہ اُس عورت سے خالد پیدا ہوا۔ بہر حال خالد خواہ عبداللہ بن مسلم کا ہی بیٹا کیوں نہو۔ مگر سلسلۂ نسب میں عام طور پر جو تاریخی شہرت ہے وہ جعفر کے نام سے ہے اور خالد بن جعفر برمکی مشہور ہے اور اس کا اعتراف تو ہر مؤرخ کو ہے کہ خالد کی پرورش جعفر برمکی کے سایۂ عاطفت میں ہوئی ہے۔

تعلیم و تربیت لیکن تعلیم و تربیت کے مزید حالات میں ہماری تحقیقات محدود ہے البتہ تاج العروس[۲] سے صرف اِس قدر پتہ معلوم ہوا ہے کہ کشمیر کے پہاڑوں میں خالد کی تعلیم ہوئی تھی۔ چونکہ یہ زمانہ علوم و فنون کی بہار کا تھا۔ اور تمام اطراف ہندوستان علمی خزانوں سے معمور تھے۔ اِس لئے تعجب نہیں کہ دمشق سے سیر و سیاحت اور حصول علم کے لئے خالد کشمیر بھیجا گیا ہو۔ اور چونکہ جعفر تو وہی فرزانۂ روزگار تھا اس لئے یہ صحیح سمجھنا چاہئے کہ خالد بھی اعلےٰ تعلیم و تربیت کا ایک عمدہ نمونہ تھا۔

حاشیہ سلہ دیکھئے کہ دادا جعفر برمک کا لقب برمک اصغر اور دادا اس کا برمک اکبر تھا۔ تاج العروس جلد ۸ صفحہ ۹۰ ۔ عہ صفحہ ۹۰ جلد ۱ تاج العروس

جس طرح تاریخوں سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ جعفر برمکی نے خلافت اُمیہ میں کیا کیا کام کئے بعینہ یہی حالت خالد کی ہے۔ اور کوئی واقعہ ایسا نہیں ہے جو ہشام بن عبدالملک کے عہد تک قابل تحریر ہو۔ کیونکہ ہشامؔ[1] کے زمانے تک جعفر بن جاماس بھی زندہ تھا۔ بہرحال خالد کی شہرت عام اور اُس کی تمام کارگزاریاں خلافت عباسیہ سے وابستہ ہیں لیکن خلافت عباسیہ کے ابتدائی دَور میں خالد نے آل عباس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور اُس کی اولاد نے آئندہ خلفا کو کس عروج پر پہنچا دیا۔ اس مسئلے کے سمجھنے کے واسطے چند سطریں لکھی جاتی ہیں جس سے خلافت کا اجمالی سلسلہ اور بنو امیہ کی سلطنت اور دولت عباسیہ کے آغاز کا حال معلوم ہوگا۔

بنواُمیہ کی سلطنت کا زوال اور دولت عباسیہ کا آغاز

دولت بنی اُمیّہ کا زوال اور آل عباس کا ظہور اقبال کیونکر ہوا۔ یہ ایک وسیع مضمون ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ لیکن مختصر یہ ہے کہ آنحضرت صلعم سے پہلے عرب کے اصل جاہ و جلال کا گھر قریش کا قبیلہ تھا۔ اور پھر قریش کے تقسیم شدہ جرگوں میں ہاشم اور امیّہ دو برابر کے حریف تھے لیکن ان میں بھی مُلکی اقتدار میں بنو امیّہ بنو ہاشم سے بڑھکر تھا۔ پھر آں حضرتؐ کے انتقال کے بعد خلیفہ سوم کے دور میں بنی اُمیّہ کا ستارہ اور بھی

حاشیہ [1] ہشام بن عبدالملک ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور ۱۲۵ھ میں فوت ہوگیا۔ اسکے عہد میں زید بن علی بن حسین سے اہل کوفہ نے بیعت کی۔ مگر جب ہشام کی طرف سے فوج آئی تو تخمیناً ... آدمیوں نے امام کا ساتھ دیا۔ آخر امام شہید ہوئے۔ خاندان عباسیہ کی سلسلہ جنبانی پہلے پہل اسی کے عہد میں ہوئی۔ اور اسلامی ترقی یورپ میں فرانس تک پہنچ کر رک گئی۔ مثنوی صبح امید میں علامہ شبلی نعمانی نے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

وہ نیزۂ خونفشاں کہ چل کر ٹھہرا تھا فرانس کے جگر پر

اور مروان حمار پر۔ خلافت امیہ کا خاتمہ ہوگیا۔ جو ۱۲۷ھ میں تخت پر بیٹھا تھا۔

چمک گیا تھا۔ حتیٰ کہ امیر معاویہ کی ڈالی ہوئی بنیادیں مروان بن حکم کی کوششوں سے عہد ہشام تک آسمان سے باتیں کرنے لگی تھیں۔ اور خلافت امیہ ایک عظیم الشان درجے پر پہنچی ہوئی تھی۔ یہ ترقی کے منظر بنی ہاشم کے پیش نظر تھے۔ مگر ولید وغیرہ کی سیاسی چالوں اور پرزور کوششوں نے خلافت کو سنبھالے رکھا۔ اور بنی ہاشم کی کوششیں رائگاں گئیں لیکن جب اُمیّہ خاندان کے اُلوالعزم بہادر دنیا سے کوچ کر گئے اور خلافت کا جاہ وجلال جاتا رہا۔ اس وقت سادات اور علویین کے مقابلے میں ایک اور گروہ اٹھا۔ جو آل عباس کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ علویین میں سے حضرت عبداللہ (محمد بن حنیفہ کے بیٹے اور حضرت علی کے پوتے) کو زہر دے دیا گیا تھا۔ اور خراسان وایران کے حدود میں جو شورش تھی وہ جاتی رہی تھی۔ اب سادات میں کوئی باا‌ثر باقی نہیں تھا۔ اور حضرت عبداللہ لاولد فوت ہوئے تھے۔ اس لئے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس (عم بزرگوار رسول اللہ صلعم) جانشین ہوئے۔ اور محض اس سجادہ نشینی کا یہ اثر ہوا کہ علویین کی مجتمع قوت خاندان عباسیہ میں منتقل ہو گئی۔ اور تمام ملک عراق وخراسان میں آل عباس کے نقیب اپنی منادی کرنے لگے۔ چونکہ عام نقیبوں کا اثر ملک میں پھیل چکا تھا۔ اس لئے علویین کو پھر ابھرنے کا موقع نہیں ملا اگرچہ ۱۲۱ھ میں زید بن علی و ۱۲۵ھ میں یحییٰ بن زید اپنی بہادری کے جوش میں علم خلافت لیکر اُٹھے۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ دل کی آرزو دل ہی میں رہی اور میدان کارزار میں مارے گئے اور خلافت کی اُمیدوں کے ساتھ فوجی طاقت بھی تشریف لے گئی۔ اور عباسیوں کے واسطے میدان صاف ہو گیا۔ ۱۲۶ھ میں محمد بن علی نے انتقال فرمایا اور اُن کے بیٹے

ابراہیم جانشین ہوئے۔ اور قوم و ملک سے امامت کا معزز خطاب حاصل کیا۔ امام ابراہیم
سب سے زیادہ خوش نصیب تھے کہ ان کو ۱۲۷ھ / ۷۴۴ء ہجری میں ابومسلم خراسانی (گودرز[1] کی
یا بزرجمہر کی اولاد میں تھا) ایک ایسا بہادر اولوالعزم اور تجربہ کار شخص ہاتھ آگیا جس نے اپنی
ان تھک کوششوں سے خلافت کو بلند درجے پر پہنچا دیا اور نقیب آل محمد اور بانی دولت
عباسیہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ ۱۳۲ھ / ۷۴۹ء ہجری میں لڑائیوں کے بعد امام ابراہیم مروان الحمار
کی قید میں مارے گئے۔ اس لئے جمعے کے دن ۱۲۔ ربیع الاول یکم جنوری ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء کو بمقام کوفہ
بھائی کی جگہ پر ابوالعباس بن محمد ملقب بہ سفاح خلیفہ بنایا گیا۔ اور سب سے پہلا خلیفہ خلافت
عباسیہ کا ہوا۔ ادھر ابومسلم کے زور بازو سے سمرقند۔ طوس۔ رے۔ جرجان۔ ہمدان۔ ونہاوند
وغیرہ فتح ہوا اور شہر زور[2] پر خود مروان کے بیٹے عبداللہ سے مقابلہ ہوا۔ ابوعون نے جو
ابومسلم کا ایک فوجی افسر تھا۔ عبداللہ کو شکست فاش دی۔ یہ خبر سنکر مروان ایک فوج
عظیم کے ساتھ جو تعداد میں لاکھ سے زیادہ تھی اور جس میں بنو امیہ کا تمام خاندان شاہی شریک
تھا۔ ابوعون کے مقابلے کو بڑھا ادھر سفاح نے محمد بن علی اپنے چچا کو ابوعون کی مدد کو بھیجا۔
مروان نے شکست کھائی۔ اور مصر کو روانہ ہوا چند روز بھاگتا پھرا اور آخر ۲۔ ذی الحجہ ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء
کو بوصیر (مصر کا ایک شہر ہے) کے ایک گرجے میں محصور ہو کر مارا گیا۔ اور اس کے قتل کے
ساتھ مروانی حکومت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ ماحصل اس تمہید کا یہ ہے۔ کہ یہ فوجی بہادر مالک....

حاشیہ [1] نسب نامہ میں اختلاف ہے۔ بعض مؤرخ ابومسلم کو عربی النسل قرار دیتے ہیں دیکھو الفخری جلد اول۔

[2] صفحہ ۱۰ المامون۔

بن ہشم عبدالملک بن یزید الازدی تھا جس کے حسن تدبیر اور زور بازو نے خلافت امیہ کا خاتمہ کر دیا۔ اور فتحمندی کا جھنڈا اُس کے ہاتھ رہا۔ اِس آخری لڑائی میں جیسی شہرت عبدالملک نے پائی ہے۔ اِس سے زیادہ آل عباس کی حمایت میں خالد برمکی نے کوششیں کی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ مؤرخین نے اس کو مفصل نہیں لکھا ہے۔ بلکہ ابتدائی لڑائیوں میں جابجا یہ لکھدیا ہے کہ اس لڑائی میں خالد برمکی بھی شریک تھا لیکن شارح قاموس کی تحریر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خالد نے دولت عباسیہ کے استحکام اور قیام سلطنت میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں اور ابو عون اوّل (عبدالملک) سے یہ ابو عون بھی کچھ کم نہیں ہے چنانچہ تاج العروس سے وہ عبارت نقل کی جاتی ہے "خالد کی کنیت[۱] ابو عون اور ابو العباس تھی۔ عبدالحمید کاتب سے روایت ہے کہ دعوت بنی عباس کے واسطے جو لوگ منتخب ہوئے تھے منجملہ ان کے ایک خالد[۲] بھی تھا۔ اور ابن العدیم نے بروایت ابن الازرق تاریخ حلب میں لکھا ہے کہ جعفر برمکی ہشام بن عبدالملک کے دردولت پر حاضر تھا۔ کہ وہاں محمد بن علی

حاشیہ [۱] تاج العروس شرح قاموس جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ خیریہ پریس مصر

[۲] دولت عباسیہ کے نقیب جو ممالک عراق اور خراسان میں دعوت دیتے تھے تعداد میں بہت تھے۔ عربی قبائل سے حسب ذیل داعی تھے جن کی بدولت سلطنت عباسیہ قائم ہوئی۔ سلیمان بن کثیر خزاعی۔ زہیر بن قحطبہ طائی۔ موسیٰ بن کعب تیمی۔ خالد بن ابراہیم۔ ابو داؤد۔ ابو القاسم بن مجاشع۔ عمران بن اسمٰعیل۔ ابو النجم۔ مالک بن ہیثم خزاعی۔ طلحہ بن اشعری۔ عیسیٰ بن عین اور عجمیوں میں سے خالد برمک۔ ابو مسلم خراسانی۔ اور ابو علی ہروی مشہور و معروف ہیں۔ دیکھو طبری کبیر و الفخری۔

بن عبداللہ بن عباس تشریف لائے چنانچہ جعفر ان کا جاہ وجلال دیکھ کر تعجب میں رہ گیا اور حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ خاندانِ رسالت سے ہیں۔ تب جعفر نے اپنے بیٹے خالد سے کہا۔ کہ میرے عزیز بیٹے! یہ اہلبیتِ رسالت ہیں۔ اور ہر طرح یہی خلافت کے مستحق ہیں جہاں تک تم سے ہو سکے ان کی مدد کرو کہ یہ بڑی یادگار رہے" چنانچہ خالد نے باپ کی نصیحت پر دل سے عمل کیا۔ اور جب آل عباسؓ نے علمِ خلافت بلند کیا اُس وقت خالد بھی منجملہ دیگر اشخاص کے ایک اعلےٰ رکن تھا۔ حقیقت میں خالد برمکی نے جو کوشش ابتدائی زمانے میں سفاح کی استحکام سلطنت میں کی وہ آل برمک کے واسطے فخر تھی۔ اور خالد کی اس کوشش کا صلہ خلفائے عباسیہ سے جو کچھ تحفے وغیرہ کو ملتا وہ تھوڑا تھا۔ اور آل برمک نے جو جو احسان خلافت عباسیہ سے کئے ہیں اُن سب میں خالد کا یہ کارنامہ فوق رکھتا ہے۔[۵۲]

بہرحال اس محنت اور خیر خواہی کا صلہ بھی خالد کو جلد مل گیا۔ کیونکہ حفص بن سلیمان ابو سلمہ الخلال (وزیر آل محمد) کی سفارش سے جو سفاح کا وزیر اعظم تھا۔ فوجی صیغہ سے ملکی عہدے

حاشیہ [۱] کامل ابن اثیر صفحہ ۹ ۱۴ جلد ۵ ذکر قتل عامر بن ضبارہ

[۵۲] اعلام الناس صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ بمبئی حفص بن سلیمان ابو سلمۃ الخلال ملقب بہ وزیر آل محمد۔ دولت عباسیہ کا سب سے پہلا وزیر تھا۔ یہ وزیر کوفہ کا رہنے والا تھا۔ خلالین بکار بننے والا تھا۔ اور دعاۃ بنی عباس پر اپنی دولت کا کثیر حصہ خرچ کیا کرتا تھا۔ اور اسکا خسر بکیر بن ماہان امام ابراہیم کا کاتب تھا۔ جب بکیر مرنے لگا تو امام ابراہیم سے حفص کے لئے سفارش کر گیا اور امام صاحب نے جعفر کو کوفہ سے بلالیا چند روز میں اپنی کارگزاریوں سے وزیر مقرر ہو گیا۔ لیکن اخیر زمانے میں حفص کا یہ خیال ہو گیا تھا کہ حضرت جعفر بن محمد صادق۔ عبداللہ بن حسن بن علی۔ عمر الاشرف بن زین العابدین علیہم السلام میں سے کسی ایک کو سفاح کی جگہ تخت نشین کر دے۔ چنانچہ خطوط بھی جاری کر دئے گئے تھے۔ جب اس

پر خالد برمکی منتقل کیا گیا۔ اور چونکہ اقبال یاور تھا۔ اس لیے ملکی مصلحتوں[1] سے سفاح نے ابو سلمہ کو قتل کرا دیا۔ اور بجائے اُس کے خالد کو وزیر مقرر کر دیا۔ اس واقعہ سے بھی یہ امر ثابت ہے کہ سفاح نے پیشتر خالد کی قابلیت کا اندازہ کر لیا ہو گا۔ تب وزارت سپرد کی ہو گی۔ کیونکہ بغیر خاص اسباب کے کوئی بادشاہ یکایک کسی شخص کو وزارت کا عہدہ نہیں دیتا ہے خلافت عباسیہ میں یہ دوسرا وزیر تھا۔ جو خاندان برامکہ سے وزارت کے ممتاز عہدے پر مقرر ہوا۔ چنانچہ[2] سفاح کے مرنے تک خالد نے وزارت کی بعد انتقال سفاح کے ۳۰۔ جنوری ۷۵۴ء ۱۳۶ھ میں المنصور ابو جعفر عبداللہ دوانیقی بھائی کی جگہ پر تخت نشین ہوا۔ چنانچہ اس عہد میں بھی خالد نے ایک سال ایک مہینے تک وزارت کی۔ لیکن ابو ایوب الموریانی نے ایک حکمت عملی سے خالد کو موصل بھیج دیا۔ تب منصور نے بجائے خالد کے ابو ایوب کو وزیر مقرر کیا۔ خالد نے موصل پہنچ کر معقول انتظام کیا۔ اور اکراد نے جو شور و غل مچا رکھا تھا۔ اس کو رفع کر دیا۔ لیکن وزارت بدستور ابو ایوب کے قبضے میں رہی اور خالد کو دیوان[3] الخراج کا دفتر سپرد کیا گیا جس کو نہایت

بقیہ حاشیہ سازش کا سفاح کو علم ہو گیا تو اس نے جعفر کو قتل کرا دیا۔ اور خالد برمکی کو بجائے اسکے مقرر کر دیا۔ تفصیل کے لئے دیکھو الفخری صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ مصر۔

[1] صفحہ ۱۹۳ جلد ۵ کامل ابن اثیر [2] صفحہ ۱۰۳۔ ابن خلکان جلد ۱

[2] صفحہ ۲۲۳ جلد ۲۔ ابن خلکان حالات جعفر برمکی۔

[3] دیوان الخراج کا دفتر۔ تحصیل مالگزاری کا دفتر تھا۔ لیکن اس وسیع پیمانے پر جیسا کہ زمانۂ حال میں صیغہ مال کا اعلےٰ افسر بورڈ آف ریونیو ہے۔ یہ عہدہ دار وصول مالگزاری اور وصول جزیہ کا خاص کر ذمہ دار ہوتا تھا علاوہ اس کے اور بھی بہت سے ذمہ داری کے کام سپرد ہوتے تھے۔ دیانت عدالت کے سوا علم حساب اور علم مساحت جاننا لازمی تھا۔ دیکھو آثار الاول فی ترتیب الدول صفحہ مطبوعہ مصر حاشیہ تاریخ الخلفاء سیوطی۔

دیانت اور قابلیت سے خالد نے انجام دیا اور چونکہ خلیفہ منصور کو خالد کے کاموں پر بہت اعتبار تھا اس لئے کوئی ملکی معاملہ ایسا نہ تھا کہ جو بغیر مشورہ خالد کے کیا جاوے لیکن افسوس ہے کہ برامکہ کے ملکی انتظامات کو مؤرخین نے بالکل قلم انداز کر دیا ہے اور اگر سچ پوچھئے تو ارکان سلطنت کی سیرت میں یہی ایک چیز ہے جو اس کی جان ہوتی ہے۔ اسلئے ملکی انتظامات کے نظائر سے ہماری تاریخ بھی خالی ہے البتہ ایک واقعہ خالد کی اصابت رائے کا تعمیر بغداد ہے جس کو مستند مؤرخین نے لکھا ہے اس لئے ہم بھی اجمالاً اس کو لکھتے ہیں۔

ذکر آبادی بغداد[1]

عبداللہ ابو العباس سفاح[2] نے (اپنے عہد خلافت میں) کوفہ کے نواح میں ایک مختصر آبادی کی نبیاد ڈالی تھی اور اس کا نام ہاشمیہ رکھا تھا۔ اب تک یہی مقام دار الخلافت تھا۔ لیکن ابو جعفر منصور کی حکومت کے واسطے یہ مختصر مقام کافی نہ تھا۔ علاوہ بریں راوندیہ کی بغاوت۔ اور کوفہ کا قرب ابھی منصور کو ناپسند تھا۔ اس لئے پُر فضا اور وسیع ارضی کی تلاش ہوئی۔ ملک کے گوشہ نشین بطریق[3] اور راہب دریافت حال کے لئے بلائے اور

حاشیہ [1] یہ مضمون حسب ذیل تاریخوں سے ماخوذ ہے۔ صفحہ ۱۹۶ جلد ۳ ابن خلدون صفحہ ۲ جلد ۵ کامل اثیر و کرنبائے بغداد صفحہ ۲۰۰ جلد ۳ روضۃ الصفا صفحہ ۱۰۴ تاریخ برقی صفحہ ۱۰۴ نزہت القلوب حمد اللہ مستوفی۔ جغرافیہ جام جم۔ وجغرافیہ خریدۃ العجائب المامون وتاریخ بغداد و متفرق مقامات۔ الفخری ۱۴۳۔

[2] یہ خلیفہ چونکہ طبیعت کا خونریز تھا اسلئے سفاح لقب ہوا لیکن باوجود خونریزی کے دریا دل تھا۔

[3] بطریق روم کا پوپ جس کی ماتحتی میں دس ہزار آدمی ہوں اس سے کم درجہ بطرخان کا ہے اور قیصر قومس کا اعلم و بیش لغات میں لکھے ہیں

اُن سے مشورہ کیا۔ گرمی۔ سردی۔ بارش۔ اور حشرات الارض کے حالات دریافت کئے۔ چنانچہ تمام اہل الرائے کے مشورے کے بعد نوشیروان عادل کا باغ [2] داد جس کا مختصر نام بغداد مشہور تھا۔ انتخاب ہوا۔ باعتبار اعتدال آب و ہوا۔ اور نیز ملکی مصلحتوں کے بھی یہ جگہ نہایت موزوں تھی اور چاروں طرف نہایت زرخیز صوبے واقع تھے۔ دریائے دجلہ اور فرات کا اتصال۔ شام۔ رقہ۔ مصر۔ مغرب۔ چین۔ ہند۔ بصرہ۔ واسط۔ دیار بکر۔ روم اور موصل ممالک اسلامی کی تجارت کے واسطے وسا ور منڈی یا مشترک تجارت گاہ، ہو سکتا تھا۔ چنانچہ منصور نے بھی اسی جگہ کو پسند کیا۔ اور خود ملاحظے کے لئے موقع پر گیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جس وقت منصور بغداد کے معائنے کو جا رہا تھا اُس وقت راہبوں نے خاص خاص پیشین گوئی کیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھی۔ کہ بانی عمارت کا لقب مُقلاص [3] ہوگا۔ منصور نے سُنا تو تصدیق کی اور کہا کہ "خدا کی قسم میرا ہی لقب مقلاص ہے" اور بہت خوش ہوا اور فوراً منتخب شدہ اراضی بقیمت مناسب راہبوں سے خرید کر لی گئی۔ اور فرامین بھیج کر شام۔ موصل۔ کوفہ۔ واسط۔ کوہستان۔ جبل۔ اور بصرہ سے صناع اور کاریگر طلب کئے گئے۔ طبیعت میں چونکہ بخل تھا۔ اور اسی وجہ

بقیہ حاشیہ جاثلیق اور بطران وا سقف کا درجہ ہے از فرائد اللغۃ صفحہ ۲۴۴ و ۳۳۲ مطبوعہ بیروت [2] بغداد کی وجہ تسمیہ میں سب سے زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ مختصر آبادی جو دارالخلافت کے واسطے تجویز ہوئی تھی اُس کے قریب نوشیروان کا باغ تھا۔ جہاں وہ مقدمات فیصل کیا کرتا تھا۔ اور اسی وجہ سے وہ باغ داد کہلاتا تھا (انصاف کا باغ) [3] تاریخ بغداد و ابن الاثیر میں مقلاص کا قصہ لکھا ہوا ہے۔ اور یہ ایک بڑے عالم راہب کی پیشین گوئی کہی جاتی ہے لیکن کیا عجب ہے کہ اس راہب کو منصور کا یہ نام پہلے سے معلوم ہو گیا ہو

سے دوانیقی کہلاتا تھا۔ اس لئے عام نگرانی اور حساب کی جانچ پڑتال کے لئے نہائت امانت
اور دیانت کے لوگ جمع کئے گئے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب کو خشت شماری کا ذلیل کام سپرد کیا گیا[1] اور
تعمیر کی خدمت نامی انجنیروں کے سپرد کی گئی۔ ایسے بڑے دار الحکومت کی تیاری میں چونکہ کروڑوں
روپے کا صرف تھا اسلئے کفایت شعاری کا خیال پیدا ہوا۔ اس وقت ابوایوب الموریانی کے مشورے
سے خلیفہ منصور کی یہ رائے ہوئی کہ نوشیروان عادل کے شاہی محلات جو مدائن[2] میں موجود ہیں۔ اور خاص کر
ایوان کسرےٰ جو نہایت وسیع عمارت ہے اس کو مسمار کرکے اسی اینٹ۔ چونہ اور لکڑی سے
بغداد کی تعمیر شروع کی جائے چنانچہ تائید کلام کے واسطے خالد برمکی سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن
منصور کی امید کے خلاف خالد نے نہایت ادب سے عرض کیا "کہ امیر المومنین آپ کا یہ خیال نہایت
پست ہے۔ خزانے میں کس چیز کی کمی ہے کہ آپ شاہان عجم کی عمارت جو زمانے میں یادگار ہے مٹانا
چاہتے ہیں (عرفیؔ کا یہ شعر اس کا مصداق ہے از مؤلف)

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدیدست صنادید عجم را

حاشیہ [1] امام صاحب سے جو سختی کی گئی اس کا خاص سبب یہ تھا کہ منصور نے کئی بار امام صاحب کو عہدۂ قضا کے واسطے نامزد کیا لیکن امام صاحب نے فرمایا کہ میں اس منصب کے قابل نہیں ہوں۔ منصور نے غیظ میں کہا کہ "تم جھوٹ کہتے ہو" امام صاحب نے جواب دیا کہ "میرا دعوےٰ سچا ہے کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا ہے۔"

[2] مدائن ارض بابل میں قدیم شہر تھا اور سب سے بڑا اور اس میں ایوان کسرےٰ واقع تھا۔ جسکے ارتفاع اور استحکام کی تاریخ میں مثال دیجاتی ہے جس کی نسبت ایک شاعر لکھتا ہے سہ جزاے حسن عمل میں کہ روزگار ہنوز ٭ خراب مے نکند بارگاہ کسرےٰ را۔ اس وقت ویران پڑا ہوا ہے۔ اور شہر حلہ کے پرگنہ میں شمار ہوتا ہے۔ اور وہ مشہور و معروف کنواں بھی اسمیں ہے جسمیں بیان کیا جاتا ہے کہ ہاروت ماروت قید ہیں

اور قطع نظر اس کے باعتبار فتوحات اسلام کے بھی ایوان کسرے آثار اسلام سے ہے جس کے دیکھنے سے ابتدائی زمانہ رسالت آب کا یاد آتا ہے اور آپ کے ایک معجزے کی تصدیق ہوتی ہے جو وقت ولادت باسعادت کے ہُوا تھا جیسا سعدی علیہ الرحمۃ کا قول ہے از مؤلف)

چو صیتش در افواہ دنیا فتاد
تزلزل در ایوان کسرے فتاد

اور حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا مصلّٰی[1] تو اب تک موجود ہے۔ علاوہ اس مذہبی تقدس کے نوشیروان اور خسرو پرویز نے ایوان کو ایسا مستحکم بنایا ہے کہ اس کی ایک اینٹ بھی مستلم اپنے محل سے الگ نہو گی اور جس قدر رقم مسماری میں صرف ہو گی اتنی ہی میں جدید عمارت تیار ہو جائیگی اور امیر المومنین کا یہ خیال بادشاہوں کی نظر میں حقارت سے دیکھا جائیگا اس لئے میں آپ کی اس رائے کا مخالف ہوں" افسوس ! کہ منصور نے خالد کے اس بلا تعصب اور عاقلانہ مشورے کا کچھ بھی خیال نہیں کیا اور خالد کے جواب میں کہا کہ "تیرے آباو اجداد خاندان کسرے کے نمکخوار تھے اس لئے اب تک اُن کی محبت تیرے دل میں جاگزین ہے اور تو نہیں چاہتا ہے کہ آتش پرستوں کے آثار دنیا سے مٹائے جائیں" خالد یہ سنکر بمقتضائے ادب خاموش ہو رہا لیکن منصور نے اپنی خود رائی سے حکم دے دیا کہ اوّل ایوان کسرے کا ایک چھوٹا ٹکڑہ جو قصر ابیض

[1] حاشیہ سلہ الفخری صفحہ ۱۸۰۔

(سفید کوٹھی) کے نام سے مشہور ہے توڑا جائے۔ چنانچہ کام جاری کر دیا گیا۔ لیکن چند روز کے حساب دیکھنے پر معلوم ہوا کہ جس قدر ڈھلائی اینٹوں کی دی گئی ہے وہ اُس لاگت سے زیادہ ہے جس سے نئی اینٹیں تیار ہو سکتی تھیں۔ تب منصور نے اپنی غلط فہمی کا اعتراف کیا اور قصر ابیض کا توڑا جانا ملتوی کر دیا اور خالد سے کہا کہ اب میرا ارادہ ایوان کسرے کے مسمار کرنے کا نہیں ہے" اُس وقت خالد نے عرض کیا کہ "میں آپ کی اس رائے کا بھی مخالف ہوں کام بدستور جاری رہنا چاہیئے اور کل ایوان مسمار کرا دیا جائے"۔ یہ سنکر منصور جھلا اُٹھا اور غضب ناک ہو کر کہا کہ تیری یہ رائے بھی غلط ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ تو کیا کہتا ہے، تب خالد نے عرض کیا کہ امیر المومنین خدا کی قسم میری دونوں رائیں نصیحت اور خیر خواہی کی تھیں۔ میں نے اوّل انہدام ایوان سے اسلئے منع کیا تھا کہ ایوان ملوکِ عجم کی یادگار ہے جن کی سلطنت تو زائل ہو چکی ہے۔ لیکن اُن کی ہیبت و شوکت کی مثال موجود ہے۔ اور یہ عمارت زبان حال سے آنے والی نسلوں کو بتاتی ہے۔ کہ باوجودیکہ ملوک فارس نہایت زبردست تھے۔ لیکن جس قوم نے اس پر فتوحات حاصل کیں وہ اُس سے زیادہ قوی تھی اس سے اسلام کی عظمت و شان معلوم ہوتی ہے۔ جسنے عجم کو تہ و بالا کر ڈالا ہے۔ اور اب جو میں کہتا ہوں کہ ایوان مسمار کرا دیا جاے۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ جب آئندہ نسلیں بنی ہوئی عمارت کے بعض حصّے کو ٹوٹا پھوٹا دیکھیں گی تو

حاشیہ سلہ اینٹ و چونہ کی جیسی یہ عمارت تھی تمام دنیا میں ویسی عالیشان عمارت کسی نے نہیں بنائی۔ صرف مکان کا اندرونی صحن ۱۰۰ گز مربع تھا۔ جس میں ۲۰ گز طول ۵ گز عرض ۲۰ گز ارتفاع کا ایک خوبصورت چبوترہ بنا ہوا تھا۔ نزہت القلوب مستوفی۔

کہیں گی کہ ایک وہ قوم تھی جس نے ایسی مستحکم عمارت بنائی اور دوسری وہ تھی کہ بنی ہوئی عمارت کو توڑ بھی نہ سکی" (حالانکہ بنانے سے عمارت کا توڑنا سہل ہے) اب اگر یہ ایوان مسمار نہ کیا جائیگا تو ملوک فارس کی تعظیم اور شاہانِ اسلام کی توہین ہوگی بلکہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملیگا کہ بخل کے سبب خلیفہ اس عمارت کو بھی مسمار نہ کرسکا" لیکن منصور نے اس مفید اور عاقلانہ مشورے پر کچھ خیال نہیں کیا اور قصر ابیض کو ٹوٹا پھوٹا اپنے حال پر چھوڑ دیا[1]۔ اور جدید عمارت کی تیاری کا حکم صادر کیا۔ چنانچہ بنیادی پتھر رکھنے کا وقت آگیا تو نوبخت مجوسی منجم کو (یہ منجم منصور کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا) حکم دیا کہ احکام نجوم کے مطابق زائچہ تیار کرو (خلفاے عباسیہ میں منصور کو نجوم پر زیادہ اعتقاد تھا) اور مزید اطمینان کے لئے خالد برمکی۔ حجاج بن ارطاہ[2] ابراہیم الفرازی و علی بن عیسےٰ منجمین کو بھی زائچہ دکھایا جائے۔ چنانچہ بہ تعمیل حکم تمام منجمین نے حسب ضابطہ زائچہ تیار کرکے پیش کیا باعتبار مصطلح منجموں کے خانہ طالع میں قوس تھا۔ نوبخت نے صاف الفاظ میں حکم لگا دیا کہ یہ جگہ مبارک ہے اور زمانۂ دراز تک عمارت قائم رہیگی۔ خلائق کی کثرت سے ملک آباد رہے گا اور سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ حکم لکھا کہ "دار الخلافت میں کوئی تخت نشین فوت نہوگا" منصور نے یہ احکام سنے تو خوش ہوا اور ہنسکر کہا کہ "الحمد للہ علےٰ ذلک" جب سب مرحلے طے ہوگئے تو بروز سہ شنبہ جمادی الاول ۱۴۵ھ ۲۹ جون ۷۶۲ء میں خود اپنے ہاتھ سے بنیاد کا پتھر رکھا اور اسوقت قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا

حاشیہ [1] جس طرح خالد نے منصور سے ایوان کسریٰ کے انہدام پر مخالفت کی تھی۔ ویسی ہی ایک موقع پر یحییٰ برمکی نے ہارون سے اختلاف کیا تھا کہ ایوان کا کوئی حصہ مسمار نہ کرایا جائے۔

[2] عمارہ بن عقیل نے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ لکھتا ہے ؎ قضیٰ ربها ان لا یموت خلیفة + بها وبالله شار فی خلقه یقضی

مَن یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ یعنے کل زمین خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اُس کو عنایت کرتا ہے۔ میر عمارت نے اپنا کام شروع کیا۔ اصول ہندسہ کے مطابق تمام عمارت تعمیر کرائی گئی پچاس ہاتھ چوڑی بنیاد رکھی گئی۔ لیکن سطح خاک کے برابر پہنچ کر صرف بیس ہاتھ کا عرض رہ گیا ایوان شاہی وسط میں تیار کرایا گیا علاوہ اسکے قصر الخلد قصر الذہب قبۃ الخضرا مسجد جامع بینظیر عمارتیں تیار ہوئیں۔ اور ان سب عمارات کی تیاری میں دو کروڑ درہم یعنے پچاس لاکھ مطابق سکۂ انگریزی کے صرف ہوئے اور پانچ برس کی محنت میں (تاریخ چہارم صفر یوم سہ شنبہ ۱۰ مارچ ۷۶۶ء ۱۴۹ ہجری میں) تعمیر کا کام ختم ہو گیا۔ اور بجائے بغداد کے اسلامی نام مدینۃ السلام رکھا گیا جو تصنیفات میں اب تک باقی ہے شعرائے فصیح و بلیغ قصائد فارسی و عربی میں بغداد کی تعریف میں لکھے ہیں جن میں سے حکیم انوری[۱] کا قصیدہ نہایت عمدہ ہے جسمیں بغداد[۲] کی خوشگوار اور لطیف آب و ہوا اور دجلہ[۳]

حاشیہ ۱؎ انوری بڑے رتبے کا شاعر اور نجومی تھا ۵۴۷ھ میں بمقام بلخ فوت ہو گیا۔ سلطان سنجر کی مدح میں اسکے قطعات قابل تعریف ہیں۔ از تذکرہ دولت شاہ سمرقندی صفحہ ۹۴۔ ۲؎ جس بغداد کی تمام دنیا میں دھوم تھی افسوس ہے کہ اب وہ ایک معمولی شہر رہ گیا ہے۔ مصنف جام جم اس کی موجودہ حالت لکھتا ہے کہ اب تخمیناً اسّی ہزار کی مردم شماری ہے۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد سلطنت میں جب برامکہ کی وزارت تھی۔ بغداد کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ "تاریخ الخفی" کا مصنف لکھتا ہے کہ صرف شہر میں عام حمام ساٹھ ہزار تھے۔ اور ہر حمام میں کم از کم سات خدمتگار رہتے تھے۔ تیس ہزار مسجدیں تھیں، اور امام و مؤذن کو مستثنےٰ کر کے پانچ چھ آدمیوں کی جماعت سے نماز ہوتی تھی۔ کل شہر سولہ دروازوں پر تقسیم تھا اور مابین ہر دروازے کے آٹھ میل کی مسافت تھی قریب دس لاکھ کے خاص شہر کی مردم شماری تھی۔ اگر مساجد و حمام کی تعداد زمانہ حال میں مبالغہ سمجھی جاوے تو چہارم تعداد میں تو کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا ہے ۳؎ دریائے دجلہ آرمینیہ کے پہاڑوں سے نکلا ہے عراق عرب کے حق میں یہ دریا رحمت ہے۔ بڑی تیزی سے بہتا ہے۔ ۱۰۰ فرسنگ طولاً اسکا بہاؤ ہے یعنے... ۶۲ ہزار گز انگریزی زندہ رود - ارل رود - اروند رود - بھی کہتے ہیں ہر زمانے میں اس کے کنارے پر بڑے بڑے شہر آباد ہوئے ہیں مثلاً نینوہ - سلیوشیہ - طیسفون - بغداد - موصل - دیاربکر وغیرہ - یہ دریا سال میں دو مرتبہ طغیانی پر آتا ہے اول اپریل بعدہٗ نومبر اور یہ طغیانی بسبب پگھلنے برف اور شدت بارش کے ہوتی ہے۔

کی روانی اور باغوں کی فضاؤں کا بیان بہت خوب صورتی سے کیا ہے لہذا ہم بھی اُسکے چند اشعار پڑھکر بغداد سے رخصت ہوتے ہیں۔

اشعار منتخب قصیدۂ حکیم انوریؒ

خوشا نواحی بغداد جائے فضل و ہنر — کہ کس نشاں ندہد در جہانِ چناں کشور

سواد او بہ مثل چون سپہر مینا رنگ — ہوائے او بصفت چوں نسیم جاں پرور

کنار دجلہ زترکانِ سیمتن خلخ — میان رحبہ زخوبان ماہ رخ کشمر

ہزار زورق خورشید شکل بر سر آب — براں صفت کہ پراگندہ بر سپہر اختر

بہ شبہ باغ شود آسماں بہ وقت غروب — بشکل چرخ شود بوستاں بوقتِ سحر

بوقت شام ہمے ایں باں سپارد گل — بگاہ بام ہمے آں بایں دہد اختر

شگفتہ نرگس بویا بہ طرف لالہ ستاں — چنانکہ در قدح گوہریں مئے اصفر

بخاصیت ہمہ سنگش عقیق لولو بار — بمنفعت ہمہ خاکش عبیر غالیہ بر

صبا سرشتہ بخاکش طراوتِ طوبےٰ — ہوا نہفتہ درم لبش حلاوتِ کوثر

نوائے طوطی و بلبل۔ خروش عکہ و سار — ہمیں کنند خجل لحنہائے خنیاگر

خلیفہ منصور کو خالد کی ذہانت۔ تجربہ اور اصابت رائے کا چونکہ کامل یقین ہو گیا تھا۔

حاشیہ سلہ حکیم انوری کے علاوہ دیگر شعرا نے بھی قصائد صباحیات لکھی ہیں اور عربی قصائد بھی بکثرت ہیں لیکن بطور نمونہ کے صرف ایک رباعی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ بغداد خوش است لیکن از بہر کسے ✦ کو را ابر او ان بود دسترسے ✦ ما ہیچ نیم بسر برد عمر عزیز ✦ ضائع نکنم دراز جوانی نفسے ✦

اس لئے تعمیر بغداد کے بعد کوئی ایسا معاملہ نہیں ہوا کہ جس میں خالد کے مفید مشورے کے مطابق عملدرآمد نہ کیا گیا ہو۔ اس لئے بیعت مہدی کے معاملے میں بھی منصور نے خالد کو

بیعت مہدی و خلع عیسیٰ بن موسیٰ

اپنا ہمراز بنایا اور تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ ربیع الاول سنہ ۱۴۷ہجری میں خلیفہ منصور نے اپنے بھتیجے عیسےٰ بن موسےٰ کو جو عہد سفاح سے اب تک کوفے کا والی تھا معزول اور ولیعہدی سے خارج کر کے شہزادہ مہدی کے لئے بیعت لینا چاہی چنانچہ خالد برمکی معزز ارکان سلطنت کو، جو تعداد میں تیس[۳۰] تھے ا اپنے ہمراہ لے کر کوفہ روانہ ہوا۔ اور عیسیٰ کو بیعت مہدی پر آمادہ کیا۔ لیکن عیسےٰ نے کسی کا کہنا نہیں مانا اور اپنے دعووں پر مستقل رہا۔ تب خالد نے منصور کے روبرو بموجودگی ارکان وفد یہ شہادت دی کہ "حقیقت میں عیسےٰ نقض بیعت پر آمادہ ہے" چنانچہ اس شہادت پر منصور نے عیسےٰ کو حکومت کوفہ سے معزول کر کے محمد بن سلیمان بن علی کو مقرر کر دیا۔ اور علی رؤس الاشہاد خالد نے شہزادہ مہدی کے واسطے بیعت لینا شروع کی۔ اس کارگزاری کے صلے میں علاوہ انعام کثیر کے منصور نے خالد اور اس کی اولاد کے حق میں عمدہ سلوک کئے اور سب سے بڑھکر یہ قدردانی کی کہ مہدی کا اتالیق خالد کو مقرر کر دیا۔ اور خالد کو یہ ہدایت کی گئی کہ

خالد اتالیق مہدی عباسی

"ہر جگہ خواہ بزم ہو یا رزم مہدی کے ساتھ ساتھ رہے"

حاشیہ سلہ کامل ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۱۴ و ۱۴۰ و ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۰۔

اور حصول تجربہ کے لئے رےؔ اور طبرستان کی حکومت مہدی کے سپرد کر کے خالد کو ہمراہ کر دیا اور وقت رخصت کے خالد کو پھر سمجھایا کہ "ہمیشہ مہدی کے پاس رہنا" چونکہ مہدی کا عالم شباب تھا اس لئے دار الحکومت میں پہنچکر عیش و طرب کے جلسوں میں پڑ گیا دن کو سیر و شکار اور رات کو بے تکلفی کے جلسوں سے دل بہلایا کرتا تھا۔ خالد نے مہدی کا یہ رنگ دیکھ کر سمجھایا کہ صاحب عالم! امیر المومنین نے آپ کو ولیعہد سلطنت کیا ہے۔

خالد کی حکیمانہ نصیحت

آپ کے حاسد ۔ دشمن ۔ اور برابری کے دعویدار ۔ بہت ہیں اور اس مقام کی روانگی سے بھی امیر المومنین کا یہ مقصد ہے کہ امور سیاست میں کامل دستگاہ حاصل ہو اطراف عالم میں بلند اقبالی اور ملک گیری کی شہرت ہو۔ دشمنوں کی نظروں میں عزت و وقار ہو۔ کیونکہ یہی عمر کام کرنے کی ہے۔ اگر اس وقت شہرت نہ ہوئی تو آئندہ قوم و ملک میں کیا اعتبار ہوگا۔ میری یہ عرض ہے۔ کہ حضور والا فوج بھرتی کریں اور مالگزاری اور ملک کی آمدنی کا بڑا حصہ فوج پر صرف کیا جائے۔ مالگزاری کے اصول مستقل طور پر بنائے جائیں۔ رعایا کے مقدمات میں عدل و انصاف سے تجاوز نہ ہو۔ سرحدی مقامات پر دشمنوں کی آمد کا انسداد کیا جائے اور جو راستے

حاشیہ ۵ رےؔ طبرستان اور ارمن رے عراق عجم کے دو مشہور صوبے ہیں۔ اور ان کے دار السلطنہ بھی اسی نام سے مشہور ہیں لیکن رے بہت قدیم ہے چنانچہ بلحاظ قدامت کے عرب رے کو ام البلاد و شیخ البلاد کہتے ہیں۔ حضرت شیث علیہ السلام نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ لیکن عہد ہوشنگ ۔ منوچہر ۔ اور فریدوں میں دن بدن ترقی ہوتی رہی ۔ اور بعد زوال حکومت فارس کے عہد اسلام میں مہدی عباسی نے اس کو خوب آباد کیا تھا۔ اب ویران ہے اور اسکے شمالی حصے میں طہران آباد ہے۔ طغرل سلجوقی کا گنبد آثار قدیمہ میں سے آج تک باقی ہے۔ از جام جم ۔ و نزہت القلوب۔

خطرناک ہیں اُن پر حفاظت کے لئے بہ تعداد مناسب فوج رہے۔ دشمن کے عام حالات سے ہر وقت خبردار رہنا چاہئے۔ اور تمام ملکی معاملات کی امیر المومنین کو اطلاع کرنا چاہئے۔ یہ بادشاہوں کے فرائض ہیں۔ جب ان کاموں سے فرصت ملے تو سیر و شکار کا بھی مضائقہ نہیں"۔ چونکہ خالد کی تقریر دل سوزی اور حکمت آمیز مقولوں سے بھری ہوئی تھی اس لئے مہدی پر اُس کا اچھا اثر پڑا۔ شکار کا جانا بھی کم ہو گیا اور امور سلطنت میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔

خالد کی صائب رائے کا ایک واقعہ

ایک دن کا واقعہ ہے کہ مہدی مع مختصر فوج کے ایک جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ خالد ہمراہ رکاب تھا۔ کہ دور سے ایک قلعے کی بلندی معلوم ہوئی۔ مہدی نے قلعے کے اوپر جا کر نظارہ کرنا چاہا چنانچہ مع اپنے منتخب سپاہیوں کے قلعے کے اندر داخل ہوا۔ اور اُس کے بلند حصّے پر چڑھ گیا۔ ناگاہ شمال کی جانب سے گرد اُڑتی ہوئی نظر آئی خالد نے مہدی سے کہا کہ یہ غبار خالی از علت نہیں ہے۔ کیا تعجب ہے کہ دشمن کے لشکر کی گرد ہو۔ کیونکہ آندھی کی علامت نہیں ہے۔ اور ہوا کی معمولی رفتار میں کچھ اضافہ نہیں ہوا ہے۔ یہ غبار ضرور کسی لشکر کا ہے۔ اس لئے ہم کو ہوشیار رہنا چاہئے"۔ مہدی کو خالد کی باتیں تعجب انگیز معلوم ہوئیں لیکن بزرگ ناصح کے کہنے سے روانہ ہوا ایک فرسنگ طے کیا ہو گا کہ گورخر، ہرن، اور صحرائی جانور بھاگتے ہوئے نظر آئے۔ خالد نے کہا کہ "لشکر حریف کے بھگائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آگے چلو"۔ تھوڑی دور پہنچنے پر معلوم ہوا کہ لشکر دیالمہ لڑائی کے ارادے سے آ رہا ہے۔ مہدی

نے واپس جانا غنیمت سمجھا۔ خالد نے بڑھ کر رکاب تھامی اور عرض کیا کہ یہی تو لڑائی کا موقع ہے۔ دشمن کی فوج منزل مارے ہوئے آرہی ہے۔ ہر ایک سپاہی تھکا ماندہ، بھوکا، پیاسا، ہے۔ ہماری فوج اگرچہ حریف کے مقابلے میں کم ہے لیکن تازہ دم، اور دھاوے کے قابل ہے سب کو درست کر کے حملہ کر دینا چاہیئے۔ فتح ہمارے ساتھ ہے۔ اور بغیر مقابلہ واپس چلنے میں علاوہ بدنامی کے غنیم کو جرأت ہوگی۔ اور اگر تھوڑا سا بھی وقفہ مل گیا تو پھر ان سے مقابلہ مشکل ہوگا" مہدی نے حسب مشورہ خالد حملہ کر دیا۔ میدان میں تلواریں چلنے لگیں تھوڑی دیر میں دیالمہ کو شکست ہوئی اکثر ہلاک ہوئے اور کسی قدر گرفتار۔ میدان مہدی کے ہاتھ رہا۔ اور بے شمار غنیمت ہاتھ لگی جس میں سے سب سے عمدہ اور منتخب چیزیں خالد کو عطا کی گئیں۔ اور امیر المومنین منصور کے حضور میں اس واقعہ کی ایک عرضداشت مہدی نے اپنے قلم سے لکھ کر روانہ کی۔ اس معرکے کے بعد سے خاندان عباسیہ کو آل برمک سے خاص محبت ہوگئی تھی۔ اور خالد برمکی منصور و مہدی کی نظروں میں معزز و ممتاز ہوتا جاتا تھا بلکہ تاریخی شہادت سے پایا جاتا ہے کہ آئندہ استحکام اور دوام خاندان برامکہ کا باعث یہی مہدی عباسی ہے۔ چونکہ خلیفہ منصور خالد کی عاقلانہ کارروائیوں سے نہایت خوش تھا۔ اس[۲] لئے ۱۴۸ھ (۷۶۵ء) ہجری میں خالد

حاشیہ [۱] خالد برمکی کا یہ واقعہ ابن خلکان کی جلد ۱ صفحہ ۲۲۳ میں بھی تحریر ہے۔ صرف اس قدر اختلاف ہے کہ ابن خلکان کے نزدیک یہ واقعہ اس وقت کا ہے۔ جب ابو مسلم خراسانی و قحطبہ بن شبیب الطائی نے یزید بن عمر بن ہبیرۃ الفزاری عامل عراقین پر حملہ کیا تھا۔

[۲] کامل ابن اثیر صفحہ ۲۱۰ جلد ۵۔

موصل کی حکومت

کو نہایت ذمہ داری کا کام یعنی موصل کی گورنری مرحمت ہوئی کیونکہ اس صوبے میں اکراد نے نہایت شورش پھیلا رکھی تھی چنانچہ خالد نے اپنی عاقلانہ کوشش سے کل انتظام کردیا اور بعد انتظام کے واپس آیا چونکہ قائم مقامی کی کارروائی میں خالد نے نیک نامی حاصل کی تھی اس وجہ سے منصور کو خالد کا خیال تھا ۱۵۱ھ میں جب موسیٰ ابن کعب گورنر موصل نے سرکشی کی تو خلیفہ نے اس کی معزولی کا حکم صادر فرمایا اور شہزادہ مہدی کو حکم دیا کہ "تم رقہ کو موصل ہوکر روانہ ہو اور موسیٰ کو گرفتار کرکے اس کی معزولی کا اعلان کرو مگر عام طور پر یہ شہرت نہو۔ اور بظاہر بیت المقدس کی روانگی معلوم ہو" چنانچہ مہدی نے ایسا ہی کیا۔ اور کل احکام کی تعمیل کرکے واپس آیا لیکن اکراد کی شرارتوں کی متواتر خبریں پہنچ رہی تھیں اس لئے اب ایک عاقل اور منتظم حاکم کی ضرورت تھی۔ منصور نے ارکان سلطنت سے پوچھا کہ موصل کی گورنری کے قابل کون شخص ہے مسیب بن زہیر نے کہا کہ "میرے نزدیک خالد برمکی سے بڑھکر کون ہوسکتا ہے" منصور نے کہا یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ میں خالد کو مقرر کروں کیونکہ ابھی ایک معاملے میں وہ ماخوذ ہے۔ اور تیس لاکھ درہم اس کے ذمے واجب الادا ہیں اور جس کی میعاد صرف تین یوم ہیں اگر اندر میعاد داخل نہوا تو وہ قتل کیا جائیگا لیکن مسیب نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ میں خالد کی ضمانت کرتا ہوں۔ تب دوسرے دن خالد منصور کے سامنے پیش ہوا۔ اور یحییٰ ابن خالد کی کوشش و عمارہ بن حمزہ کی فیاضی سے

حاشیہ ۱؎ صفحہ ۵ جلد ۶ کامل ابن اثیر ۲؎ کامل میں اسکی کوئی صراحت نہیں ہے۔ لیکن اور تاریخوں سے پایا جاتا ہے موصل کی گورنری پر ۱۵۸ھ تک خالد مقرر رہا ہے۔ اور خزانہ شاہی کی تیس لاکھ کی رقم خالد نے صرف کرڈالی تھی جس کا الزام اس پر تھا۔

کل روپیہ بھی داخل خزانہ ہوگیا۔ اور بقیہ تین لاکھ خلیفہ نے معاف کر دیا۔ اور موصل کی گورنری کا فرمان خالد کو مل گیا۔ چنانچہ خالد نے پہنچتے ہی تمام فساد اور ہنگامے رفع کر دئے۔ اور ملک کو اپنے احسانات اور انتظامات سے فرمانبردار بنالیا۔ اُس وقت سے منصور کی وفات تک برابر خالد موصل کی گورنری پر مقرر رہا۔ اور خلیفہ منصور کا یہ حُسن سلوک صرف خالد تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اس کے فرزند یحییٰ برمکی کو بھی بڑے بڑے صلے اور انعام ملا کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ملکی عہدے ملنے لگے۔ چنانچہ آذربیجان[۳] کی گورنری نے یحییٰ کے ملکی اقتدار کو اور بھی بڑھا دیا۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ یحییٰ کی آئندہ ترقی اور شہرت عام کا یہ پہلا زینہ تھا۔

خالد کا علم و فضل و ملکی اقتدار

خالد کے فضل و کمال، علم و رائے، تدبیر و شجاعت شوکت و ہیبت کی جس قدر بھی تعریف کیجائے وہ کم ہے جس شخص نے خلافت عباسیہ میں اپنی آئندہ نسلوں کے واسطے امارت و وزارت بلکہ سلطنت کا اعزاز قائم کیا وہ یہی خالد برمکی ہے۔ خالد کی خداداد قابلیت کا اندازہ صرف اسی سے نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بڑی بڑی جاگیروں کا والی تھا۔ بلکہ اپنے خاندان اور اولاد کو اپنے ہی دور حکومت میں معزز عہدوں پر پہنچا دیا تھا۔ جس طرح خود مہدی عباسی کا اتالیق تھا اسی طرح انتظاماً ہارون الرشید کے واسطے اپنے بیٹے یحییٰ کو اتالیق مقرر کرا دیا تھا۔ کیونکہ یہی شہزادہ آگے چل کر تاج و تخت کا وارث ہونے والا تھا۔ چنانچہ اس خیال کا نتیجہ یحییٰ کے حق میں نہایت مفید ہوا۔ خلیفہ سفاح عباسی

حاشیہ [۱] کامل اثیر صفحہ ۵ جلد ۶ و ابن خلدون جلد ۳۔ صفحہ ۲۰۱ [۲] کامل اثیر صفحہ ۵ جلد ۶ [۳] ابن خلدون صفحہ ۲۲۳ جلد ۳

خالد کی بڑی عزت کرتا تھا اور خالد کا اقتدار اسی زمانے میں عروج پر پہنچ گیا تھا۔ سفاح کی بیٹی ربطہ خالد کی بیٹی کے ساتھ ایک پلنگ پر سوتی تھیں۔

طرز حکومت — حکومت میں خالد کا طرز عمل منصفانہ تھا۔ جور و ظلم یا جبر و ستم مزاج میں پاس نہ آتا تھا۔ باوجود اس کے حکومت میں شان و شوکت کا جلوہ نظر آتا تھا۔ احمد بن محمد سوار الموصلی کا قول ہے کہ "میں نے خالد سے زیادہ کسی کو ہیبت والا نہیں دیکھا۔ کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کے دل میں خالد کی ہیبت نہ ہو" ابن[2] خلکان نے بروایت ابوالحسن مسعودی لکھا ہے کہ یحییٰ[1] عقل و رائے میں۔ فضل[2] فیاضی میں جعفر[3] کتابت و فصاحت میں محمد[4] عیش پسندی و ہمت میں۔ موسیٰ[5] شجاعت و ہیبت میں مشہور تھا۔ لیکن تمام محاسن کے لحاظ سے کوئی بھی خالد کی برابری کا دعوے نہیں کر سکتا ہے۔" مصنف الفخری کا قول ہے وکان خالد بن برمک من رجال الدولة العباسية فاضلاً جليلاً كريماً حازماً يقظاً استوزره السفاح وخف على قلبه كان يسمى وزيراً

اولیات — فیاضی کی ابتدا خاندان برامکہ میں خالد سے شروع ہوتی ہے۔ صبح کے وقت خالد کے دروازے پر اہل غرض، شعرا، اور دیگر شرفا کا مجمع ہوا کرتا تھا۔ اور یہ سب "سائل" کہلاتے تھے۔ خالد نے کہا کہ لفظ سائل نہایت ذلیل اور مکروہ ہے یہ اشراف اور اکابر کا مجمع ہے۔ آئندہ سے انکو "زوار" کا خطاب دیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے بعد یہ مجمع ہمیشہ اسی خطاب سے پکارا گیا۔

حاشیہ [1] کامل ابن اثیر صفحہ ۵ جلد ۹۔
[2] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۲۱ حالات یحییٰ برمکی۔
[3] الفخری صفحہ ۱۳۹۔

منصور عباسی کا علمی زمانہ

یحیٰی اور جعفر برمکی کی حالات میں وہ علمی ترقیاں دکھلائی جائینگی جو عہد خلافت ہارون الرشید میں ہوئی ہیں۔ لیکن عہد ہارون میں جو محکمہ ترجمہ قائم ہوا۔ اس کی بنیاد منصور کے زمانے میں پڑ گئی تھی۔ اِس لئے خالد برمکی کے حالات میں منصور عباسی کا علمی کارنامہ لکھنا ضرور ہے۔ کیونکہ یہ علمی ترقی بھی خالد کی روشنضمیری کا نتیجہ ہے جو منصور کے نام سے منسوب ہے۔ اور خاندانِ برامکہ کو سب سے زیادہ جس چیز نے تاریخ میں بقاے دوام کا اعزاز بخشا ہے۔ وہ یہی علمی کارنامے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا واقعہ نفس الامری ہے کہ خلافت عباسیہ کو علمی حیثیت سے جو ترجیح دولت بنی اُمیّہ پر ہے وہ برامکہ کی قدردانی اور فیاضی سے ہے۔ خلفاے عباسیہ میں ابو جعفر منصور دوانیقی بخل میں ضرب المثل تھا۔ لیکن اہلِ علم کے ساتھ ہمیشہ فیاضی کیا کرتا تھا۔ جس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ سلاطین یورپ سے مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ اس لئے علوم و فنون کی ترویج پر خاص کر متوجہ ہوا۔ اور حوصلۂ شاہانہ سے کام لیا۔ اور قیصر روم[۱] سے کتب علمیہ کے عربی ترجمے منگائے

حاشیہ [۱] وزارت کے اعلیٰ درجے کے کام اکثر بادشاہ وقت کے نام سے مشہور ہوا کرتے ہیں جس طرح اکبر بادشاہ کی سلطنت ابو الفضل کے کارناموں سے آج تک مشہور ہے [۱] روم کے نام سے باستثناے خواص کے عوام ناواقف ہیں اور وہ روم سے ہمیشہ قسطنطنیہ مراد لیا کرتے ہیں اس لئے لکھا جاتا ہے کہ اصلی روم ممالک اطالیہ میں ہے جو ۷۵۰ برس قبل حضرت عیسےٰ کے آباد ہوا تھا اور جن ممالک میں لاطینی زبان بولی جاتی تھی یہ روم ان کا دار السلطنۃ تھا۔ جب سلطنت جمہوری کو شکست ہو گئی تو بادشاہ کا لقب قیصر ہوا یہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ اس سلطنت کا وہ جاہ و جلال تھا کہ تمام دنیا اُس وقت کے جغرافیے کے رو سے ماتحت تھی اور مثل یونانی کے اس ملک کی زبان بھی علوم و فنون کی مخزن تھی۔ ۳۲۸ء میں قسطنطین اعظم بادشاہ روم نے شہر بزنطس یا بزنطائن (یونان کا ایک شہر تھا) کو زیادہ وسیع کر کے اپنے نام سے آباد کیا اور اس کا قسطنطنیہ نام رکھا۔ لیکن شاہی وجہ سے یہ شہر بھی روم کہلانے لگا۔ اس زمانہ تک یہاں کی رعایا عیسوی مذہب رکھتی تھی۔ لیکن الپ ارسلان سلجوقی کی فتوحات کے بعد قسطنطنیہ کے مشرق میں اسلامی

کیونکہ اُس وقت دارالخلافت میں کوئی ایسا زباندان نہ تھا جو ان فلسفہ کی کتابوں سے واقف ہو۔ چنانچہ قیصر نے اقلیدس[1] اور بعض کتابیں فلسفہ کی ترجمہ کرا کر بھیج دیں جس[2] کو پڑھکر علماے اسلام اور زیادہ مشتاق ہوے" اور خلیفہ کی صرف اس قدر دلچسپی کا یہ نتیجہ ہوا کہ دربار خلافت میں دور و دراز ممالک سے علما و حکما آنا شروع ہو گئے۔ اور بقول عیسائی مؤرخین کے منصور کے ذوق علمی سے بغداد وایسا مشہور ہو گیا کہ جیسے سکندر کا اسکندریہ۔ یہ حکما عیسائی اور مجوسی نسل سے تھے۔ کیونکہ وہ فنون فلسفہ جن کے ترجے کی ضرورت تھی یونانی و سریانی زبان میں تھے۔ اور علماے اسلام میں اس وقت صرف چند اشخاص ان زبانوں کے ماہر تھے۔ لیکن جب علمی مذاق عام طور پر پھیلنا شروع ہوا تو علماے اسلام میں بھی تحریکی قوت کا برقی اثر پہنچ گیا۔ مذہبی مسائل۔ علمی کارنامے۔ تاریخی حالات۔ جو اب تک زبانی بیان ہوا کرتے تھے یا جانوران صحرائی کی کھال اور درختوں کی چھال یا پتوں پر تحریر کیے جاتے تھے! یہ سلسلہ بند ہوا۔ اسلامی علوم کی تدوین پر خاص توجہ شروع ہوئی۔ چنانچہ ۱۴۳؁ہجری سے اس مبارک کام کا آغاز ہوا۔ اور زمانے کی رفتار کے ساتھ ترقی کرتا گیا۔

بقیہ حاشیہ حکومت بڑھنے لگی۔ حتے کہ ۸۵۷؁ ہجری میں محمد خاں ثانی نے قسطنطنیہ فتح کر لیا جو اُس وقت سے آج تک ترکوں کے قبضے میں ہے۔ اس لئے روم قدیم سے دارالسلطنت اٹلی مراد ہے جس کو رومیۃ الکبرے یا مغربی روم کہتے ہیں اور روم جدید سے قسطنطنیہ جس کو روم مشرقی کہتے ہیں۔ استنبول اس کا وہ حصہ ہے جو مشرق جانب ہے۔

[1] تاریخ سیوطی صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲ مطبوعہ مصر و تاریخ کامل و مقدمہ ابن خلدون۔ [2] بعث ابوجعفر المنصور الی ملک الروم ان یبعث الیہ بکتب التعالیم مترجمۃ فبعث الیہ باقلیدس و بعض کتب الطبیعات وقرأبھا المسلمون واطلعوا علے ما فیھا وازدادوا حرصاً علی الظفر بما بقی منھا کشف الظنون جلد ۳ صفحہ ۹۱

تاریخ میں جن بزرگوں کو اولیت کا فخر ہے وہ خاص خاص ائمہ ہیں۔ چنانچہ ابن جریج (عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج متوفی ۱۵۰ ہجری) نے مکہ معظمہ میں۔ امام مالک۔ (ابو عبد اللہ مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ہجری) نے مدینہ منورہ میں۔ اوزاعی (عبد الرحمن بن عمر اوزاعی الفقیہ متوفی ۱۵۷ھ) نے شام میں۔ ابن ابی عروبہ (متوفی ۱۵۶ھ) اور حماد بن سلمہ (متوفی ۱۶۷ھ) وغیرہ نے بصرہ میں۔ معمر بن ابی عروبہ (متوفی ۱۵۳ھ) نے یمن میں سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں حدیث اور تفسیر کی کتابیں لکھیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ کوفی (نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ) نے دلائل کے ساتھ فقہ کو ترتیب دیا۔ محمد بن اسحٰق بن یسار (متوفی ۱۵۰ھ) نے کتب السیر و المغازی سے تاریخ شروع کی۔ علیٰ ہذا القیاس علم ہیئت۔ طب وغیرہ میں بھی تصنیفات ہونے لگیں خالد برمکی نے بھی فیاضی اور توجہ سے کام لیا۔ اور ایرانی کتابوں کا خاص کر ترجمہ کرایا۔ کیونکہ فارسی تصنیفات سے بسبب فارسی النسل ہونے کے خالد کو نہایت شیفتگی تھی چنانچہ شمس العلما مولوی شبلی نعمانی ایک مضمون میں (اسلامی کتب خانے) تحریر فرماتے ہیں کہ خلیفہ منصور نے غیر زبانوں کی سیکڑوں کتابیں عربی میں ترجمہ کرائیں۔ ایک طرف تو امام مالک کو بلا کر حدیثوں کے جمع کرنے اور ایک کتاب مستقل لکھنے کی ہدایت کی۔ دوسری طرف ایرانیوں کی سب سے قدیم اور مفصل تاریخ جس کا نام ہبکیکین تھا اور جو فارسیوں کے نزدیک ایسی ہی عزت رکھتی تھی جیسے کہ ہندوں کے نزدیک مہابھارت ترجمہ کرایا۔ ہندوستان کے علوم و فنون

حاشیہ ۱؎ اومحمڈن نیشنل میگزین نمبر ۲ صفحہ۔ جلد اول ۱۹۰۳ء مطبوعہ سیالکوٹ پنجاب۔

کے ساتھ بھی کچھ کم اعتنا نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُسی زمانے سے ہندو علما بغداد کے دربار میں جمع ہونے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ خاندان برامکہ نے ایک ہندو طبیب کو اپنے ہسپتال کا مہتمم اور افسر مقرر کیا۔ اُن علما کی بدولت اور نیز اُن مسلمانوں کی وجہ سے جنھوں نے تحقیقات علمی کے لئے ہندوستان کا سفر کیا۔ سنسکرت کی اکثر عمدہ تصنیفات بغداد کے کتب خانوں میں جمع ہوئیں اور اُن میں سے باکھر۔ راجہ۔ سکہ۔ واہر۔ انکر۔ زنکل۔ جبھر۔ اندی۔ جاری۔ مانک۔ سالی۔ نوکسل۔ روسا۔ رائے بیکل اور براہمر کی تصنیفات کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا۔[1] چنانچہ اس عہد کے مترجمین عبدالمسیح ابن عبداللہ الحمصی مشہور با بن ناعمہ۔ و سلام الابرش۔ و عبداللہ اہوازی ہیں جن کے اہتمام سے یونانی اور فارسی زبان کی بہت سی کتابیں ترجمہ ہوئیں۔ عہد منصور عباسی میں ۱۳۶ سے ۱۵۸ ہجری تک جس قدر علمی ترقی ہوئی۔ بمقابلہ عہد ہارون کے اگرچہ وہ بہت ہی کم ہے۔ لیکن چونکہ یہ ابتدائی زمانہ تھا اس لئے جس قدر اس عہد میں ہوا وہ بھی بے انتہا قابل سپاس گزاری ہے۔ جن حکما نے یونانی۔ سریانی۔ فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ اب ہم صرف اُن کے ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور مزید حالات ناظرین طبقات الاطبا ابن ابی اصیبعہ و کشف الظنون وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جارجیس[2] بن جبرئیل۔ فرات بن سحناثا۔ عیسیٰ ابن ماسرجیس۔ البطریق۔ یہ سب عیسائی عالم تھے۔ عبداللہ بن المقفع۔ وفضل بن نوبخت۔ و اسمٰعیل

حاشیہ [1] ان حکما کے ناموں کی صحت کرنا اس فاضل کا کام ہے جو علوم عربی و سنسکرت میں کمال رکھتا ہو لیکن یہ جاننا چاہئے کہ عربی خط پر پڑھنے سے اصل ناموں میں مزید تغیر ہو گیا ہے۔

[2] اطبائے یونانی میں جارجیس نہایت مشہور ہے۔ جندی سابور کے شفاخانہ کا مہتمم اعلیٰ تھا۔ یونانی زبان کا بہت بڑا ماہر تھا۔

بن ابو سہل بن نو بخت (یہ مجوسی عالم تھے)۔

کتب فلسفہ، طب، اور اخلاق کے ترجموں کے علاوہ علم ریاضی کی بھی عہد منصور میں بہت کچھ ترقی ہوئی۔ چنانچہ ۱۵۶ ہجری میں ہندوستان کا ایک بڑا ریاضی دان[1] ہندو عالم منصور کی پایہ شناسی کا شہرہ سنکر دارالخلافت میں داخل ہوا۔ اس نے ایک نہایت عمدہ زیچ جس کو اس نے ایک عمدہ اور جامع تصنیف سے جو ہند کے ایک مہاراجہ مسمیٰ بہ بیگر کی طرف منسوب ہے خلاصہ کیا تھا منصور کی خدمت میں پیش کی۔ محمد بن ابراہیم فزاری نے منصور کے حکم سے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور اس سے ایک کتاب مرتب کی جو ریاضی دانوں میں سند ہند کے نام سے مشہور ہے۔ مامون الرشید کے زمانے تک اعمال کواکب میں اسی زیچ پر اعتماد کیا جاتا تھا"۔ خلیفہ منصور کی خلافت میں یا یوں کہنا چاہئے کہ خالد برمکی کے عہد امارت و وزارت میں جو علمی ترقی ہوئی اس کا مختصر بیان لکھا جا چکا ہے۔ اس سے زیادہ تشریح کی اس موقعہ پر ضرورت نہیں ہے۔ انشاء اللہ اپنے موقع پر مفصل بیان ہوگا۔ خالد کی سوانحعمری میں بجز اس کی موت کے اور کچھ باقی نہیں ہے لہذا اب ہم ختم کرتے ہیں۔ بقول ابن عساکر بماہ شعبان یوم پنجشنبہ ۱۶۶ھ مطابق ۱۸ مارچ ۷۸۲ء اس نامور وزیر نے دنیا سے سفر آخرت قبول کیا۔

بقیہ حاشیہ طبابت میں تمام اطبا پر فوق رکھتا تھا۔ ۱۴۸ھ میں خلیفہ منصور کے علاج کے واسطے طلب ہو کر بغداد میں آیا تھا۔ حنین بن اسحاق نے اسی کی قرابادین کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ جو شفاخانوں کے استعمال کے لیے سریانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ طبقات الاطبا جلد اول صفحہ ۱۲۳۔

[1] گذشتہ تعلیم مسلمانان پروفیسر شبلی نعمانی صفحہ ۱۲ مطبوعہ لکھنؤ۔

ابوالفضل یحییٰ بن خالد برمکی

ولادت

خالد برمکی کا نامور اور بلند اقبال بیٹا یحییٰ برمکی ؎ ہشام بن عبدالملک کے عہد سلطنت میں اخیر ۱۱۹ھ ہجری یا شروع ۱۲۰ھ ہجری میں پیدا ہوا۔ جس زمانے میں خویش تقدیر لڑکا پیدا ہوا اُس وقت باپ کی کیا حالت تھی یہ ظاہر کرنا مشکل ہے کیونکہ ابوالعباس سفاح عباسی کے دربار میں خالد برمکی کا زمانہ ۱۳۲ھ ہجری سے شروع ہوتا ہے۔ اور ولید بن عبدالملک کا عہد حکومت جس میں یحییٰ کا دادا جعفر برمکی دمشق میں آیا تھا ۹۶ھ میں ختم ہوجاتا ہے۔ اس لئے یحییٰ کا زمانہ طفولیت معمولی حالت میں گزرا ہوگا۔ کیونکہ خاندان برامکہ کو اسلامی

طفولیت

حکومت سے کوئی حصہ اس مابین میں نہیں ملا تھا۔ لیکن ۱۳۲ھ اس برس بعد کا زمانہ یحییٰ کے حق میں نہایت مبارک تھا۔ کیونکہ ابوسلمۃ الخلال کے قتل کے بعد خالد سفاح کا وزیر مقرر ہوچکا تھا۔ اور خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ میں ابتداءً وزارت اعظم اس کے بعد وزیر الخراج (بورڈ آف ریونیو) ووالی صوبجات کے ممتاز عہدے کیا کم تھے۔

تعلیم و تربیت

یحییٰ کے اساتذہ فن کے متعلق ہماری واقفیت محدود ہے۔ تاہم نہایت موٹی سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ علمی روشنی اس زمانے میں پھیل گئی تھی۔ دربار خلافت میں علما اور مجتہدین فن موجود تھے۔ اس لئے یحییٰ کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے ہوئی ہوگی۔

حاشیہ ؎ یحییٰ برمکی کا سن ولادت ٹھیک کسی تاریخ سے ہمیں معلوم ہوا لیکن تمام مستند مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ ۱۹۰ھ میں ستر برس کی عمر میں یحییٰ نے انتقال کیا اس لئے سنہ ولادت اخیر ۱۱۹ھ یا شروع ۱۲۰ھ سمجھنا چاہئے جو حسابی قاعدے سے صحیح ہے۔

کیونکہ یحییٰ کے جس قدر حالات معلوم ہوئے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ خالد برمکی نے جمیع علوم وفنون میں اپنے نامور بیٹے کی عمدہ تعلیم کی تھی۔ علم ادب۔ فصاحت۔ بلاغت۔ میں یحییٰ کا کمال مؤرخین کو تسلیم ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یحییٰ برمکی دنیا کے ممتاز اور مشہور اہل کمال میں سے تھا۔

یحییٰ کا سن رشد ملکی اعزاز

جب یحییٰ کے شباب کا زمانہ ہوا اُس وقت خالد برمکی حکومت عباسیہ میں کمال اقتدار رکھتا تھا۔ کیونکہ ابوجعفر منصور نے خالد کی کارگزاریاں دیکھ کر اُس کو موصل کا والی (گورنر) کر دیا تھا۔ ایسے معزز عہدے دار کو اسلامی سلطنت میں یہ مشکل نہ تھی کہ اپنے لڑکے کے واسطے وہ کوئی صورت ملازمت کی نہ نکال سکتا۔ چنانچہ منصور نے خالد کے استحقاق پر نظر کر کے یحییٰ کو بھی محرم - ۱۱ نومبر ۷۶۸ء ۱۵۱ھ میں آذربیجان کا حاکم مقرر کر دیا[1]۔ یہ پہلا عہدہ تھا کہ جو یحییٰ برمکی کو دیا گیا تھا۔ عہد منصور میں تو صرف اسی قدر ترقی ہوئی لیکن ابو عبداللہ مہدی عباسی کا عہد حکومت یحییٰ کے حق میں بہت مبارک تھا۔ کیونکہ مہدی تمام امور سلطنت میں خالد کی رائے پر چلتا تھا۔ اس لئے خالد نے کمال دوراندیشی سے یہ حکمت کی کہ یحییٰ کو شہزادہ ہارون الرشید کا اتالیق مقرر کرا دیا۔ کیونکہ ہارون کے طرز عمل سے خالد سمجھ گیا تھا کہ بعد مہدی کے ہارون تخت و تاج کا مالک ہوگا اور یحییٰ کی یہ اتالیقی خاندان برامکہ کے آئندہ عروج اور استحکام کی بنیاد ہو گئی اور خلافت عباسیہ میں برامکہ کی اتالیقی اب موروثی کے درجے پر پہونچنے والی تھی۔ کیونکہ مہدی عباسی کا اتالیق خلیفہ منصور نے خالد کو

حاشیہ [1] کامل ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۵ مطبوعہ مصر ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۰۱۔

مقرر کیا تھا۔ اسی طرح مہدی نے یحییٰ کو ہارون کا اتالیق مقرر کیا۔

یحییٰ اتالیق ہارون الرشید

ہارون چونکہ بچپن سے یحییٰ کی گود میں پلا بھی تھا۔ اسلئے یحییٰ سے بہتر دوسرا اتالیق ہونا مشکل تھا۔ اور ہارون کی قابلیت علمی کا اعلےٰ سبب بھی یہی تھا کہ اُس نے یحییٰ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت پائی تھی اور خلافت عباسیہ میں منصور سے ہارون الرشید تک جو ممتاز خلیفہ ہیں اُن کی اولاد کی عام نگرانی اور اتالیقی برامکہ کے سپرد تھی۔ خلفاے بنی امیہ کا دستور تھا کہ وہ اپنے لڑکوں کو قبائل عرب میں بھیج دیتے تھے۔ تب اُن کو برجستہ گوئی۔ فصاحت و بلاغت آتی تھی لیکن یہ برامکہ کی کمال فصاحت و بلاغت کا نتیجہ ہے۔ کہ ہارون اور اُس کے بیٹے مامون و امین گھر بیٹھے فصیح و بلیغ بن گئے تھے۔ یحییٰ برمکی ہارون کا ایسا اتالیق تھا کہ خواہ بزم ہو یا رزم کبھی جدا نہ ہوتا تھا۔ مجلسوں میں بیٹھتا تو ادب۔ لڑائی میں جاتا تو فنون جنگ سکھلاتا۔ ماہ رجب یوم یکشنبہ ۱۶۳ھ مطابق ۲۱ مارچ ۷۸۰ء[۱] میں مہدی نے روم[۲] پر جہاد کیا تو ہارون کو فوج کا سپہ سالار کر کے بھیجا۔ اگرچہ اُس وقت ہارون کا پندرہ برس کا سن تھا۔ مگر بہادرانہ لشکرکشی کی اور لڑتا بھڑتا خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا[۳] اس لڑائی میں اس قدر لوٹ ہاتھ آئی کہ گھوڑا ایک ایک درہم کو بک گیا۔ یحییٰ برمکی ہمرکاب تھا۔ اور جب صدود مغرب۔ آذربیجان۔ و آرمینہ کی حکومت سپرد کی تو خاص خاص آدمی ہمراہ کیئے۔ اُن میں بھی یحییٰ برمکی تھا۔ غرضکہ کوئی ایسی تعلیم

حاشیہ ۱؎ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ مطبوعہ مصر ۲؎ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۔ مطبوعہ مصر توفیقات الالہامیہ محمود مختار پاشا صفحہ ۲۰۸۔ تمام کتاب میں سنہ ہجری اور عیسوی کی مطابقت اسی مستند تاریخ سے کی گئی ہے ۳؎ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ مصر۔

نہ تھی کہ جو یحیٰی نے ہارون سے دریغ رکھی ہو۔

یحیٰی کے عام اخلاق و عادات شاہانہ فیاضی اہل علم کی قدردانی

خاندان برامکہ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر اور باعث بقائے دوام ہے۔ وہ اس کی عام فیاضیاں۔ علمی کارنامے۔ اور ملکی انتظامات ہیں لیکن کتب تاریخ۔ اخلاق۔ اور علم ادب کی کتابوں میں فیاضی کے افسانے جستہ جستہ مذکور ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر بعض واقعات جسکو مستند مورخین نے یحیٰی کے حالات میں نقل کیا ہے ہم بھی لکھتے ہیں۔ لیکن ملکی معاملات کی نسبت ایک واقعہ بھی لکھنا مشکل ہے کیونکہ قدمانے عام معمولی اور جزئی واقعات سمجھکر نظر انداز کر دیا ہے۔ اسلیئے امید ہے کہ ناظرین بھی اس کا الزام نہ دینگے کہ ہم نے کوئی ملکی واقعہ یحیٰی کے حالات میں تحریر نہیں کیا۔ حالانکہ یہی مضمون سب سے زیادہ مہتم بالشان تھا۔

یحیٰی برمکی کی نسبت مورخین کے متفقہ الفاظ یہ ہیں کہ "تمام خاندان میں یحیٰی سے زیادہ کوئی صاحب رائے۔ بردبار۔ عالی حوصلہ۔ خوش اخلاق۔ شجاع۔ فصیح و بلیغ۔ عقیل۔ اور فیاض نہیں ہوا" اور خاصکر فیاضی کے اس قدر واقعات ہیں کہ اگر فیصدی پانچ کا انتخاب کیاجائے تو بھی البرامکہ کی وسعت اس کے واسطے کافی نہیں ہے۔ تاہم چند روایات لکھی جاتی ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ اور علاوہ فیاضی کے خاص خاص خوبیاں یحیٰی برمکی کی ان سے ظاہر ہوتی

حاشیہ [1] خلیفہ منصور عباسی نے یحیٰی کی قابلیت پر یہ جملہ لکھا ہے "ولد الآباء ابناء وولد خالد بن برمك اباء" کتاب الاذکیا ابن جوزی حالات وزرا صفحہ ۹۹ مطبوعہ مصر۔

ہیں یحیٰی[1] کا قول ہے کہ جب زمانہ موافق ہو اُس وقت بھی خوب فیاضی کرنا چاہئے۔ کیونکہ جود و کرم سے خزانہ میں کمی نہیں ہوتی ہے۔ اور جب ادبار ہو اُس وقت بھی فیاضی سے ہاتھ نہ روکنا چاہئے کیونکہ دولت روکنے سے اُس وقت نہ رُکے گی (کیونکہ دولت آنے جانے والی چیز ہے)۔

حسن بن سہل نے سُنا تو اُن کو بہت تعجب ہوا اور اسی مضمون کو یحییٰ نے نظم کرنے کا حکم دیا تو ایک شاعر نے اس طور پر نظم کیا۔

لا تبخلن بدنیا وھے مقبلۃ	فلیس ینقصھا التبذیر والسرف
جب دنیا تیری طرف متوجہ ہو تو بخالت نہ کر	کیونکہ خراجی اُس کو گھٹا نہیں سکتی
فان تولت فاحری ان تجود بھا	فلیس تبقی ولکن شکرھا خلف
اور جب دنیا منہ موڑے تو سخاوت کرنا اور بھی مناسب ہے	کیونکہ دُنیا اگر نہیں رہی تو اس کا شکر تو رہ جائے گا

جس طرح خود فیاض تھا ویسے ہی ہمیشہ اپنے بیٹوں کو نصیحت کیا کرتا تھا کہ جب تک ہو سکے بھلائی اور احسان کرو چنانچہ جعفر سے یحییٰ کہا کرتا تھا کہ "یا بنی ما دام قلمک یرعد فامطرہ معروفا"

فیاضی پر شعرا کا فیصلہ یحییٰ کے دروازے پر ہمیشہ عام سائلوں کے علاوہ ایک گروہ شعرا کا موجود رہتا تھا۔ جن کو مختلف موقعوں پر گراں بہا خلعت اور انعام ملا کرتے تھے۔ اور انھیں انعامات کا باعث ہے کہ جس زور شور سے یحییٰ کی صفت میں قصائد لکھے گئے ہیں اگر بادشاہ وقت کی بھی تعریف میں لکھے جاتے تو غالباً اس سے زیادہ

حاشیہ [1] مستطرف جلد اول صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ مصر۔

نہ ہوتے۔ کسی نے اسحٰق[1] موصلی سے پوچھا کہ یحییٰ کی فیاضی کا کیا حال ہے تو اُس نے یہ اشعار پڑھے۔

سألت الندی ھل انت حر فقال لا[2]

میں نے سخاوت سے پوچھا کہ کیا تو آزاد ہے؟ اس نے کہا "نہیں"

ولکننی عبد لیحیی بن خالد

بلکہ میں یحییٰ بن خالد کی کنیز ہوں

فقلت شراء قال لا بل وراثة

میں نے کہا اس نے تجھ کو خرید لیا تھا؟ اس نے کہا "نہیں"

توارثنی من والد بعد والد

بلکہ باپ دادے سے مجھ کو وراثت میں پایا ہے

مصنف عقد الفرید[3] لکھتا ہے کہ جس شاعر نے یہ شعر یحییٰ کی مدح میں لکھے تھے اُس کو دس ہزار دینار صلے میں مرحمت ہوئے تھے۔" شاعر کا یہ قول بظاہر مبالغہ معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں یہ خاندان حد سے زیادہ فیاض تھا۔ جس قدر شعرا نے لکھا ہے اس میں کچھ بھی مبالغہ اور عبارت آرائی نہیں ہے۔ بلکہ برامکہ کی فیاضی کے اصلی واقعات ہیں۔ ایک اور شاعر فیاضی کے عام جوش میں لکھتا ہے۔

حاشیہ[1] ابو محمد اسحٰق بن ابراہیم الموصلی۔ وہ مشہور شخص ہے کہ جس نے موسیقی کو معراج کمال تک پہنچا دیا تھا۔ اپنے ہم عصروں میں باعتبار شہرت مقبولیت اور کمالات موسیقی کے سب پر فائق تھا۔ اسحاق نے علامہ اصمعی۔ ابوعبیدہ۔ کسائی۔ قرأت۔ فن ادب۔ انساب۔ روایات۔ فقہ۔ نحو۔ حاصل کیا تھا۔ اور ان تمام علوم میں مجتہدانہ کمال رکھتا تھا۔ لیکن یہ عبرت کا مقام ہے کہ موسیقی کے انتساب نے اس کو نہ تو فقیہ مشہور ہونے دیا۔ نہ ادیب۔ اور مرف مغنی کے حقیر لقب سے تمام دنیا میں اس کی شہرت ہوئی جس کو باوجود کوشش کے سلطنت بھی نہ مٹا سکی۔ عود بجانا زلزل سے سیکھا تھا۔ اور تمام راگنیاں اپنے باپ ابراہیم اور شہدہ سے سیکھی تھیں۔ خلیفہ ہارون الرشید اس کی اس قدر عزت کرتا تھا کہ اس کو ندیموں کے زمرے میں جگہ دیتا تھا۔ اور دربار میں فقہا کا لباس پہن کر آنے کی اجازت تھی۔ خلیفہ معتصم باللہ اکثر کہا کرتا تھا کہ اسحاق جب گاتا ہے تو مجھے جوش مسرت میں یہ خیال ہوتا ہے کہ میری سلطنت میں کوئی نیا ملک اضافہ ہو گیا۔ ۲۳۵ھ میں خلیفہ المتوکل علی اللہ کے زمانے میں فوت ہوا۔

[2] دیکھو دیوان ابو نواس باب الاول فی المدیح صفحہ ۱۴ مطبوعہ بیروت مطبع جمعیۃ الفنون۔

[3] اعلام الناس صفحہ ۹ مطبوعہ بمبئی۔ عقد الفرید جلد اول صفحہ ۷۶ مطبوعہ مصر۔

شممت نسیم الجود من آل برمك	ولو کنت من بغداد فی الف فرسخ
تب بھی خاندان برمک کی سخاوت کی خوشبو میرے دماغ میں آ نکلی	گو میں بغداد سے ہزار میل کے فاصلے پر ہوں

برامکہ کے اوصاف ابونواس جو خلافت عباسیہ کا مشہور شاعر ہے برامکہ کی مدح میں اسطرح لکھتا ہے۔

فعل الملوك وعلموه الناسا	ان البرامكة الذين تعلموا
اور لوگوں کو سکھلایا	برامکہ وہ ہیں جنہوں نے بادشاہانہ کام خود سیکھے
لم يهدموا لبنائهم ما اسسا	كانوا اذا غرسوا سقوا واذا بنوا
اور جب کوئی عمارت بناتے تھے تو اس کو ڈھاتے نہ تھے	جب وہ کوئی پودا لگاتے تھے تو اس کی جڑ میں پانی دیتے تھے
جعلوا لها طول البقاء لباسا	واذا هم صنعوا الصنيعة فی الوریٰ
تو اس کو بقاے دوام کا لباس پہناتے تھے	اور جب وہ لوگوں کے لئے کچھ کام کرتے تھے

عام خاندانی حیثیت سے قطع نظر کرکے علیحدہ علیحدہ بھی یحییٰ۔ فضل۔ جعفر کی مدح میں شعرانے پرزور قصائد لکھے ہیں لیکن ان کا مع ترجمے کے اس موقع پر لکھنا تکلف سے خالی نہیں ہے جو علم ادب کے شائق ہیں وہ دیوان ابونواس اور ادبی تصنیفات ملاحظہ کریں۔

ایک شاعر کے فی البدیہ اشعار کا صلہ اسحاق موصلی راوی ہے کہ یحییٰ کا دستور تھا کہ جب گھوڑے پر سوار ہوتا تو اس شخص کو جو سب سے پہلے سامنے آجاتا دو سو درہم[1] دیا کرتا تھا ایک دن روانگی کے وقت ایک سامنے آگیا اور اس نے برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

حاشیہ [1] ابن خلکان حالات یحییٰ برمکی جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ [2] درہم چار آنہ کا۔ اور دینار پانچ روپے کا ہوتا ہے۔

يا سمي الحضور يحيى أتيحت	**لك من فضل ربنا جنتان**
اے حضرت یحیٰی کے ہمنام تیرے لئے	خدا کی مہربانی سے دو بہشتیں مقرر ہو چکی ہیں
كل من مر في الطريق عليكم	**فله من نوالكم مائتان**
جو شخص راہ میں تمہارے سامنے آجاتا ہے	اس کو تمہاری فیاضی سے دو سو درہم مقرر ہیں
مائتادرهم لمثلي قليل	**هي منكم للقابس العجلان**
دو سو درہم مجھ جیسے کے لئے تھوڑے ہیں	یہ تعداد تو اس کے لئے ہے جسکو اتنی جلدی ہو۔ کہ گویا آگ لینے آیا تھا

یحیٰی نے سن کر کہا کہ "ہاں سچ ہے اور حکم دیا کہ اس شخص کو ٹھیراؤ" جب دربار سے واپس آیا تو اس شاعر کو بلایا۔ حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں نے نکاح کیا ہے۔ جس کی تین شرطیں ہیں اول یہ کہ چار ہزار دین مہر ادا کروں۔ اگر نہ ادا کرسکوں تو عورت کو طلاق دوں۔ تیسری یہ کہ تمام سامان خانہ داری مہیا کروں۔ یحیٰی نے سُنا تو فوراً چار ہزار مہر ادا کیا۔ اور چار ہزار درہم خرید مکان اور چار ہزار ضروری سامان کے واسطے دیئے۔ علاوہ اس کے چار ہزار اور بھی دئے کہ بالکل اطمینان ہوجائے۔ چنانچہ تین شعر کے صلے میں سولہ ہزار دینار دئے اور رخصت کردیا۔

(۲) فیاضی کا خاص طریقہ

اسحٰق موصلی اپنے باپ ابراہیم کا واقعہ بیان کرتا ہے کہ ایک دن یحیٰی کے پاس گیا اور اپنی تنگ دستی کی شکایت کی سُنکر افسوس کیا اور کہا کہ "میں کیا کروں اس وقت میرے پاس کچھ موجود نہیں ہے۔ مگر ایک تدبیر بتلاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ خلیفہ مصر کا ایک وکیل مجکو تحفہ دینا چاہتا ہے۔ میں نے بہت انکار کیا ہے لیکن وہ اصرار کرتا ہے اور میں نے سُنا ہے کہ تمہاری ایک کنیز بکاؤ ہے جس کے

تیس ہزار درہم فلاں شخص دیتا ہے اور یہ کنیز ہدیہ کے قابل بھی ہے۔ فوراً اس وکیل کو خبر کرو۔ جب اس کی طرف سے ہدیہ پیش ہوگا تو وہ لونڈی تمہاری ہوگی۔ لیکن قیمت تیس ہزار سے نہ گھٹانا" اتنے میں ایک شخص میرے پاس آیا اور اس کنیز کا بھاؤ کرنے لگا۔ میں نے کہا کہ تیس ہزار سے کم پر نہ فروخت کرونگا۔ لیکن بیس ہزار پر توڑ ہوگیا۔ یعنی اس قدر رقم کثیر سنکر مجھسے انکار نہ ہوسکا۔ اور قیمت وصول کرلی۔ اس کے بعد یحییٰ کے پاس حاضر ہوا اور سارا قصہ بیان کیا۔ جب یحییٰ نے سنا کہ بیس ہزار کو فروخت کردی تو کہا کہ "بڑے سستے داموں بیچ ڈالا" اور وہ لونڈی میرے حوالے کردی جو ہدیئے میں آئی تھی اور اسی طرح وکیل فارس کے ذریعے سے تیس ہزار دینار وصول ہوئے۔ یحییٰ کی فیاضی کا یہ ایک ادنے نمونہ ہے کہ صرف ایک اشارے سے پچاس ہزار دینار وصول ہوگئے۔[1]

علم موسیقی کی کمال قدردانی

(۳) یحییٰ[2] برمکی نے اسحاق موصلی کے ساتھ جو فیاضی کی ہے اس کا حال نہایت ہی دلچسپ ہے۔ جس کو خود اسحاق نے اس طرح روایت کیا ہے کہ میرے پاس ایک نہایت خوبصورت گانے والی کنیز تھی۔ جس کے حسن و جمال پر میں فریفتہ تھا۔ اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ عبداللہ بن مالک خزاعی کو جو دربار میں ایک مقتدر امیر تھا۔ جب اس کی خبر ہوئی تو ایک رقعہ میری طلبی میں لکھا اور دس ہزار درہم تہنیت میں اس رقعہ کے ساتھ بھیجے۔ میں حسب الطلب چلا گیا۔ دیکھتا ہوں تو عبداللہ نشے کے عالم میں

حاشیہ [1] خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۲۳ و ۲۳۳ و کتاب الاذکیا ابن جوزی صفحہ ۴۴۔ [2] دیکھو ضیاء برنی صفحہ ۲۰ لغایت ۴۱ مطبوعہ بمبئی و حدیقۃ الاقالیم۔ اقلیم سوم صفحہ ۲۱۴۔ [3] اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ کا عمل اس حدیث شریف پر تھا کہ الدال علی الخیر کفاعلہ یعنی جو شخص نیکی کی راہ بتاتا ہے وہ بھی مثل نیکی کرنے والے کے ہے۔

جھوم رہا ہے۔ اور رات کے نشے کا اب تک خمار باقی ہے۔ مجھے دیکھ کر کہا کہ اسحاق اسوقت ساز چھیڑو۔ اور اس لَے سے کوئی چیز سناؤ۔ کہ میری موجودہ حالت میں اضافہ ہو جائے۔" چونکہ اس قسم کے خلاف تہذیب کلمات میں نے اب تک عبداللہ سے نہیں سُنے تھے۔ اسلئے میں نے سمجھا کہ غالباً یہ اُسی دس ہزار درہم کا سبب ہے۔ ورنہ میں ندیم اور مغنی خلیفہ ہارون الرشید کا ہوں! اس تحکم سے کوئی شخص مجھسے فرمائش نہیں کر سکتا ہے لیکن تاہم مصلحت وقت سمجھکر میں نے کچھ گانا شروع کیا۔ مگر بے دلی کے ساتھ۔ چونکہ اُس وقت کی راگنی سے مجھے خود مسرت نہ تھی اور دل اُچاٹ ہو رہا تھا۔ اس لئے عبداللہ کا بھی جی نہ لگا اور دو تین بار اپنے مصاحبوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اسحق تو کچھ برامکہ ہی کی مجلس میں خوب گلے بازیاں کرتا ہے۔ ہمارے یہاں کیوں جی لگا کر گانے لگا؟ اور یہ برامکہ حقیقت میں نسل مجوسیوں سے ہیں اور معمولی آدمی ہیں۔ امیر المومنین منصور نے خالد کو عروج پر پہنچا دیا تھا۔ اور ہم نسل عرب سے ہیں۔ اہل نسب ہم کو خوب جانتے ہیں۔ پھر برمکی ہم سے کیونکر افضل! اور فیاضی میں کیسے ہمارے برابر ہو سکتے ہیں"! عبداللہ کی یہ باتیں سُنکر مجھسے ضبط نہ ہو سکا اور نہایت ہی صدمہ ہوا۔ چونکہ میں پہلے سے بھرا بیٹھا تھا۔ اس لئے یہ چھیڑ چھاڑ اور بھی غضب ہو گئی اور اُسی مجلس میں بول اُٹھا کہ "جناب کو ایسی گفتگو مناسب نہیں ہے۔ جو فیاضیاں کہ برامکہ نے کی ہیں وہ دوسرے سے ہو ہی نہیں سکتی ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ بھی انسان ہیں لیکن مروت و سخاوت میں کوئی شخص عرب و عجم میں اُن کا مقابل نہیں ہے اگر ارشاد ہو تو صرف ایک اپنا واقعہ بطور مثال کے

عرض کروں۔ میرے یہ الفاظ عبداللہ کو بہت ہی تلخ گزرے۔ اور سب نشہ کافور ہو گیا۔ سنبھل بیٹھا۔ اور کہا کہ "ہاں جو کہنا ہے کہو" میں نے کہا کہ ایک دن یحییٰ برمکی نے علی الصباح مجکو بلایا۔ اُس زمانے میں میرا مکان ایک محدود رقبہ میں تھا۔ یہاں تک کہ گھوڑا دہلیز کے اندر باندھا جاتا تھا۔ دن رات یہی پریشانی تھی۔ اور میں بہت چاہتا تھا کہ اگر کوئی ہمسایہ اپنا مکان فروخت کرے تو لے کر مکان کو وسیع کروں۔ اتفاقاً اُسی وقت ایک شخص آیا اور مجھسے کہا کہ مجھے ایک ضرورت درپیش ہے اپنا مکان بیچتا ہوں اگر خریداری منظور ہے تو بسم اللہ نقد دام دلوائیے۔ اور دربار وزیر کا جانا آج ملتوی کر دیجئے۔ یحییٰ کے انعامات اور صلے کی طمع سے تو یہی جی چاہتا تھا کہ فوراً چلا جاؤں لیکن مجبوری اور جدید عمارت کے شوق سے بھی اُس وقت نہ جاسکا۔ لین دین کے جھگڑوں میں ایک پہر دن چڑھ گیا تھا۔ مگر میں اُسی وقت دربار میں پہنچا۔ یحییٰ نہایت بشاش اور خوش و خورم بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر ہنسا۔ اور کہا کہ "واہ صاحب! جلسہ صبوحی کی تو خوب قدر کی اور اچھے وقت پر آئے" میں قدموں پر گر پڑا۔ اور معذرت کے ساتھ دیر تک وجہ توقف۔ اور خریداری مکان کا راگ گاتا رہا۔ میرا حال سنکر یحییٰ کو پسینا آگیا اور کہا کہ "افسوس! تمہارے حال سے میں اس قدر بے خبر ہوں۔ یہ سراسر میرا قصور ہے۔ میں نے معذرت کی اور مجلس کے حسب حال گانا شروع کیا۔ راگنی وقت کے مناسب تھی خوب ہی سماں بندھا یحییٰ کو وجد کی حالت طاری تھی۔ بعد فراغ جلسہ نہایت قیمتی خلعت۔ ایک راس اسپ مطوق۔ اور ایک لاکھ درہم انعام دیا تھوڑی دیر بعد ایک وکیل کو بلایا اور حکم دیا کہ اسحاق کے مکان میں جا کر بالاخانے سے دیکھو۔

جس قدر مکانات گرد و پیش نظر آئیں۔ اُن کو خرید کر لو قیمت کی کچھ پروا نہیں ہے۔ دو چند سہ چند یا جس قیمت پر اُن کے مالک راضی ہوں تمام مکانات خرید کرکے سلسلہ تعمیر جاری کرو تاکہ شاہی طرز کی عمارت بہت جلد بنکر تیار ہو جائے جدید مکان میں اسحاق ہماری دعوت کرے گا۔"
وزیر السلطنت کا یہ حکم سُن کر میں جامے میں پھولا نہ سماتا تھا۔ دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے خواجہ حامد وکیل میرے مکان پر پہنچ گیا۔ اور محل کی چھت پر بیٹھ کر مجھے حکم دیا کہ "روپے کی تھیلیاں میرے ساتھ ہیں اپنے ہمسائے کے لوگوں کو بلاؤ۔ تاکہ منتخب شدہ مکانات کا معاوضہ دے دیا جاوے۔" میں نے تیرہ قطعہ مکانات منتخب کئے۔ مالکان نے یحییٰ برمکی کی خریداری سمجھکر اصلی لاگت سے سہ چند قیمت مانگنا شروع کی اور آخر کو مُنہ کے مانگے ہوئے دام لیکر دعائیں دیتے ہوئے چل دئے۔ اُسی روز سے عمارت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور کاریگروں کو سخت تاکید کی گئی کہ بہت جلد عمارت تیار ہو جائے۔ تیسرے دن میں نے چاہا کہ اور مکانات خرید کروں تو معلوم ہوا کہ ابو نصر احمد اصفہانی اُن مکانات کو جو خواجہ حامد طے کر چکا تھا دو چند قیمت پر خرید کر رہا ہے اور جو صناع اب تک اس عمارت میں کام کرتے تھے اُن کو بھی زیادہ اُجرت دے کر ہم سے چھین لیا۔ اور اپنی عمارت کی تیاری شروع کر دی باعتبار نقش و نگار اور مطلا کاموں کے بغداد میں یہ عمارت بہت ہی اعلیٰ درجے کی سمجھی جاتی تھی جو دیکھتا تھا حیران رہ جاتا تھا کہ سبحان اللہ کیا ہی عجیب و غریب عمارت ہے۔ یہ کرشمے میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا مگر چپ تھا کہ جب خواجہ حامد کی نگرانی میں میرے مکان تیار ہو گئے اور ابو نصر احمد کے مکانات بھی بن گئے تو ہمارے وکیل نے یحییٰ برمکی سے اطلاع کی حکم صادر ہوا کہ "شاہانہ

طریقے سے مکانات آراستہ کئے جائیں۔ ہر قسم کے ظروف نقرئی۔ شیشہ آلات اور زربفت کے پردے اور اس قدر لونڈی غلام جو خدمت مہمانان کے واسطے کافی ہوں بھیج دئے جائیں خوب صورت۔ صاحب جمال۔ مغنیہ کنیزیں بھی بھیجی جائیں۔ غرضکہ ہر قسم کے ساز و سامان سے میرے مکانات نمونہ فردوس بن گئے اور علاوہ سامان و آرائش کے ایک لاکھ درہم ضروری اخراجات دعوت کے واسطے بھیج دیا۔ جب تمام سامان مرتب ہو گیا تب یحییٰ نے کہا کہ اب وہ وقت قریب ہے کہ اسحاق ہماری دعوت کریگا۔" میں نے نہایت ادب سے سر جھکا کر عرض کیا کہ" بسم اللہ تشریف لے چلئے۔ جو کچھ ہے وہ بندگان وزیر کا عطیہ ہے۔" چنانچہ وقت مقررہ پر اپنی مہربانی اور بندہ نوازی سے یحییٰ مع صاحبزادوں فضل و جعفر اور تمام ندیموں کے میرے مکان پر آگیا۔ اور مجلس عیش و طرب کی گرم ہوئی۔ اس وقت کی خوشی کوئی میرے دل سے پوچھے! بار بار یہی جی چاہتا تھا کہ یحییٰ اور اس کے فرزندوں پر قربان ہو جاؤں تھوڑی دیر تک یحییٰ نیچے کے درجے میں مشغول عیش و نشاط رہا۔ پھر بالاخانے کا قصد کیا۔ وہاں بھی عمدہ مجلس مرتب تھی۔ کچھ دیر تک وہاں بھی اسی قسم کی صحبت رہی۔ سامنے سے ابو نصر احمد کے عالیشان محل نظر آرہے تھے ان کو دیکھ کر مجھ سے پوچھا کہ اسحاق! تمہارے پڑوس میں یہ خوشنما عمارت کس کی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ابو نصر احمد کی! اور ساتھ ہی وہ تمام زیادتیاں جو اب تک پیش آئی تھیں کہہ گذرا۔ لیکن میری امید کے خلاف یحییٰ نے ابو نصر کو کچھ بھی نہ کہا۔ بلکہ میری باتوں پر خوب قہقہے لگائے تب تو مجھے بہت ہی ندامت ہوئی کہ میں نے ناحق اس قدر کہا سنا۔ تھوڑی دیر بعد حکم دیا کہ ابو نصر کے مکان کی ایک دیوار جو میرے مکان سے

متصل تھی اور میان سے شق کر دیجائے۔ چنانچہ فوراً اس کی تعمیل ہوگئی۔ اور یحییٰ مع رفقا کے میرے مکان سے اٹھکر جدید دروازے سے وہاں چلا گیا میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؛ یہ تو وزیر کا صریحی ظلم ہے کہ ابو نصر کے مکان میں بلا حصول اجازت چلا گیا ہے۔ اور تنہا بھی نہیں بلکہ مع مصاحبین کے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ساز و نغمہ بھی چھیڑ دیا ہے۔ ان خیالات کا سلسلہ میرے دل میں بڑھتا جاتا تھا۔ لیکن کسی سے اب تک میں نے اس کا اظہار نہیں کیا تھا سب کے ہمراہ میں بھی ابو نصر کے مکان میں داخل ہوا — یحییٰ نے اپنے پاس بٹھالیا اور کہا کہ اوّل وقت ہم تمہارے مہمان تھے۔ دوسرے وقت ایسے معزز شخص کے مہمان ہیں جس نے شاہانہ طرز پر دعوت کا سامان کیا ہے مکان آراستہ ہے۔ عطر کی خوشبوئیں آرہی ہیں۔ غلام۔ کنیز۔ طعام۔ شراب۔ اور سب سامان ہمارے لائق مہیا ہے۔ پھر دسترخوان چناگیا چاندی سونے کے خوب صورت ظروف سے تمام محل جگمگا رہا تھا پر تکلف زربفت کے دسترخوان سب کے سامنے بچھے ہوے تھے۔ بعد از فراغ طعام یحییٰ نے مجھے بلا کر کہا کہ اسحاق! ابو نصر کی شکایتیں اور سختیاں تمہاری زبانی سنکر مجھے ہنسی آگئی۔ اس پر تم کو تعجب ہوا ہوگا۔ پھر مکان کی دیوار توڑ کر اس مکان میں آنا اور بھی بڑی اور استعجاب کا باعث تھا؟ میں نے عرض کیا کہ "بیشک!" یحییٰ نے جواب دیا "حقیقت یہ ہے کہ ابو نصر بھی میرا ہی وکیل ہے یہ کل محل اور عمارات مع اسباب کے سب تمہارے واسطے ہیں۔ میں نے جو کچھ کیا اس میں یہ حکمت تھی کہ تم کو شادی مرگ نہ ہو جائے اور قصداً ابو نصر کے ذریعے سے تکلیف دی گئی۔" میں نے وزیر کا شکریہ ادا کیا۔ پھر جعفر اور فضل سے مخاطب ہو کر کہا کہ اسحاق کے واسطے کیا ہدیہ لائے۔

ہوا صاحبزادوں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو۔ تعمیل کیجائے۔ یحییٰ نے کہا کہ اچھا تم دونوں مل کر بیس ہزار دینار دو تاکہ یہ دونوں اسحاق امیرانہ بسر کرے اور کسی کا محتاج نہو"۔ برامکہ کی یہ فیاضی دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی تھی کہ یا الٰہی! یہ فرشتے ہیں جو آسمان سے اترے ہیں یا آدمی زاد ہیں کہ اس قدر غیر متعارف فیاضی میرے ساتھ کر گزرے ہیں۔ پھر وہ جلسہ ختم ہوگیا۔ اور تمام مکانات مع ساز و سامان کے میرے سپرد کر دئے گئے۔ علاوہ اس خاص مہربانی کے روزمرّہ انعامات اور صلے اس قدر ملے ہیں کہ آج تک عیش میں گزرتی ہے۔ کیا اس کے مقابلے میں آپ کوئی فیاضی کی مثال پیش کر سکتے ہیں؟ جب میں کہہ چکا تو عبداللہ نے کہا کہ میرے سامنے پھر کبھی برامکہ کی فیاضیاں نہ بیان کرنا کیونکہ میں ان کا ذکر سننا نہیں چاہتا ہوں۔ چنانچہ اسحاق روایت کرتا ہے کہ عبداللہ کا اور میرا اکثر جگہ سامنا ہوگیا لیکن وہ میری شکل سے ہمیشہ بیزار ہی رہا۔

(۴) مخارق[1] (مشہور مغنی ہے) راوی ہے کہ ایک دن میں علی الصباح اپنے استاذ ابراہیم موصلی[2] کے مکان پر گیا۔ دربان سے میں نے پوچھا کہ آج استاد کس شغل میں ہیں؟ تو اس نے کچھ جواب نہ دیا اور کہا کہ "اندر تشریف لیجائیے"۔ جب میں مکان میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ابراہیم تنہا بیٹھا ہوا ہے اور جام و صراحی سامنے دھری ہوئی ہے لیکن اگلی سی چہل پہل نہیں ہے۔ بلکہ چاروں طرف سناٹا ہو رہا ہے۔ میں نے اس کا سبب پوچھا تو کہا "آج صبح سے متفکر ہوں۔ کیونکہ مکان کے

حاشیہ [1] ماخوذ از زنات جلد اول صفحہ ۱۳ مطبوعہ بیروت [2] ابراہیم الموصلی۔ فن موسیقی کا مشہور استاد تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں اپنی خدمت پر دس ہزار درہم (دو ہزار پانسو روپے) ماہوار کا نوکر تھا۔ ابن جامع سہمی۔ زلزل۔ عمرو بن بانہ۔ غزال۔ علویہ۔ اس کے ہمعصر تھے۔ لیکن جو لطف اس کے گانے میں تھا وہ دوسروں میں نہ تھا۔ ہارون الرشید نے ایک مرتبہ جیومات سوال کیا کہ ابراہیم کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ امیرالمومنین" وہ ایک ایسا باغ ہے جس میں ہر قسم کے پھول اور پھل ہیں" ابراہیم بہت سی راگنیوں کا موجد ہے اور اسحاق موصلی اسی ابراہیم کا بیٹا ہے۔ از عقد الفرید حالات مغنیں۔

قریب ایک زمین فروخت ہونے والی ہے۔ جس کی مجھے ایک عرصے سے خواہش ہے لیکن قیمت اُس کی ایک لاکھ درہم ہے۔" میں نے کہا ایک لاکھ قیمت ہونا تردد کا سبب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خداوند کریم نے اپنی مہربانی سے زمین کی قیمت سے بہت زیادہ آپ کو دولت و ثروت دے رکھی ہے۔" کہا ہاں یہ تو سچ ہے لیکن میرا دل اس کو گوارا نہیں کرتا ہے کہ اتنی بڑی رقم خزانے سے نکالکر باہر ڈال دوں میں نے کہا پھر کیا تدبیر خریداری کی آپ نے سوچی ہے؟ کیونکہ امیر المومنین ہارون الرشید سے بھی یہ امید نہیں ہے کہ اتنی بڑی رقم دیدیں۔ اوروں کا تو کیا ذکر ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ تم اس کی فکر نہ کرو میں نے ایک تدبیر کامیابی کی نکالی ہے اور وہ یہ ہے کہ "تم کو ایک راگنی سکھاتا ہوں۔ یہ چند شعر یحییٰ برمکی کی مدح میں ہیں اس کو یاد کرلو اور میرے سامنے میں جا کر سناؤ۔" چنانچہ جب میں وہ اشعار یاد کر چکا تو کہا کہ "اِس وقت یحییٰ برمکی کے درِ دولت پر حاضر ہونے والے برابر آ رہے ہونگے۔ اور ہنوز دربارِ عام شروع نہ ہُوا ہوگا۔ لہذا سب سے پہلے پہنچکر اپنی اطلاع کرانا اور جب یحییٰ کا سامنا ہو اور تمہارے آنے کا سبب پوچھے تو عرض کرنا کہ فقط سلام کی غرض سے حاضر ہُوا ہوں۔ پھر باتوں ہی باتوں میں میرا حال بیان کر جانا۔ اِسکے بعد یہ کہنا کہ آج میرے استاذ ابراہیم موصلی نے مجکو ایک نیا راگ سکھلایا ہے اور وہ اس قابل ہے کہ حضور کی فلاں کنیز کو سکھلایا جائے۔ چونکہ یحییٰ نئی راگنیوں کا از حد شائق ہے وہ فوراً کنیز کو بلائیگا اور تجھے حکم دیگا کہ اسی وقت یہ راگنی کنیز کو سکھا دے۔" چنانچہ مطابق ہدایت کے میں یحییٰ کے درِ دولت پر حاضر ہُوا اور وہ تمام واقعات پیش آئے جیسا کہ ابراہیم نے کہا تھا۔ جب

حاشیہ ۱؎ اشعار بے موقع کے چھوڑ دیے گئے ہیں۔

میں کنیز کو تعلیم کر چکا تو مجھ سے یحییٰ نے پوچھا کہ مخارق! تم آج گھر جانا چاہتے ہو یا میرے پاس
رہنا پسند کرتے ہو؟ میں نے دعا دیکر عرض کیا کہ ضرورتاً جانا چاہتا ہوں۔ تب ایک غلام کو حکم
دیا کہ دس ہزار درہم مخارق کو دیدو اور ایک لاکھ درہم ابراہیم کے مکان پر بھیج دو کہ وہ زمین خرید
کرے۔ میں تو انعام لے کر مکان کو چلا گیا۔ اور اپنے دوستوں میں خوشیاں منانے لگا۔ اور
صبح کو ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرا خیال تھا کہ وزیر کے انعام سے خوش و خرم ہو گا۔
لیکن دیکھا تو اگلی حالت پر پایا۔ میں نے بہت سی تدبیریں کیں کہ ہنسے بولے مگر وہ خوش
نہ ہوا۔ پھر میں نے پوچھا کہ عطیہ وزیر پہنچا ہے کہا: "ہاں" لیکن میرا مطلب اس وقت تک
نہیں ہوا ہے۔ کیونکہ وہ روپیہ بھی داخل خزانہ ہو چکا ہے۔ اور میں جیسا بخیل پہلے تھا ویسا ہی
اب بھی ہوں۔ ابراہیم کی گفتگو سے مجھے بہت تعجب ہوا اور پوچھا کہ اُستاد اب کیا ہو گا؟ تب
مجھ سے کہا کہ آج تمھیں دوسری راگنی سکھاتا ہوں۔ یہ کل والی راگنی سے بڑھ کر ہے۔ میں نے
سُنا تو حقیقت میں اُس کا طرز بالکل جدید تھا۔ جب میں یاد کر چکا تو کہا کہ آج فضل بن یحییٰ کے
یہاں جاؤ۔ بیٹے کی ولادت کی خوشی میں فضل ایک مجلس عیش مرتب کرنے والا ہے۔ لیکن یہ
جلسہ خاص ہو گا۔ جب فضل سے ملاقات ہو تو میرا قصہ اور یحییٰ برمکی کی فیاضی کا حال کہدینا۔
پھر اس راگنی کا ذکر کرنا جو تم کو آج سکھائی ہے۔" چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ فضل نے
ابراہیم کا حال سُنا تو اُس کی کنجوسی پر لعنت ملامت کرتا رہا۔ لیکن چونکہ ابراہیم کی جدید راگنیوں
پر یہ بھی شیدا تھا۔ اپنی ایک کنیز کو بلا کر میرے سپرد کیا۔ میں نے تعلیم شروع کر دی۔ ہنوز پورے
طور پر کنیز کو بتا بھی نہیں چکا تھا کہ فضل جوش مسرت سے کہنے لگا کہ "خدا کی قسم تو اور تیرا اُستاد

دونوں کامل ہیں۔" اور خوش ہو کر حکم دیا کہ بیس ہزار درہم مخارق کو اور دو لاکھ درہم ابراہیم کو دئے جائیں۔" میں تو اپنے حصّے کا انعام لے کر چل دیا اور سارا دن عیش و طرب میں گزارا۔ اور صبح کو استاد کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن یہاں آج بھی وہی رنگ ڈھنگ تھا تانت باجی راگ بوجھا۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ فضل کا عطیہ بھی "ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد" کا مصداق ہو چکا ہے۔ اس لئے میں نے کہا کہ جس شخص کو ایسی دولت بے دریغ ملے اور پھر بھی وہ اپنے نفس پر جبر کرے اس سے زیادہ بدنصیب اور کون ہو سکتا ہے؟ لیکن ابراہیم نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ اور مجھے آج ایک اور راگنی سکھائی۔ جو گزشتہ دنوں سے بھی زیادہ دل کش تھی۔ اور بعد یاد کرنے اشعار کے حکم دیا کہ آج جعفر برمکی کے یہاں جاؤ۔ اور پچھلے حالات بیان کرو۔" چنانچہ جعفر نے بھی مثل اپنے بزرگوں کے کنیز کو وہ اشعار یاد کرائے اور ابراہیم کے انداز میں سنکر خوش ہوا۔ اور وقت رخصت کے تیس ہزار درہم مجکو اور تین لاکھ درہم ابراہیم کو دئے۔ میں شاداں و فرحاں اپنے گھر گیا۔ اور جب صبح کو میں ابراہیم سے ملا۔ وہ نہایت خوش تھا۔ میں نے حال پوچھا تو تکئے کے نیچے سے ایک دستاویز نکال کر مجھے دی۔ بائع اس کا بغداد کا رہنے والا تھا۔ اور مشتری یحییٰ برمکی تھا۔ اور قبالہ کے ساتھ ایک رقعہ بھی تھا۔ جس کا یہ مضمون تھا کہ "مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اگر تمام دنیا کی دولت ابراہیم کو مل جائے تو بھی وہ زمین نہیں خرید کرے گا۔ اس لئے میں اپنے داموں سے خرید کر کے قبالہ بھیجتا ہوں۔" جب میں کاغذات پڑھ چکا تو ابراہیم نے کہا کہ "مخارق دنیا میں ایسے ہی لوگوں کے ساتھ معاشرت کرنا چاہئے۔ کیونکہ ساٹھ ہزار

درہم تجھے ملے۔ اور چھ لاکھ نقد اور ایک لاکھ کی جائداد مجھے ملی۔ حالانکہ میں نے گھر سے باہر ایک قدم بھی نہیں نکالا۔ پھر ان کی عدیم المثال فیاضی کا خیال کرکے رونے لگا۔ کہ جب یہ نہ ہونگے تو ہماری ایسی قدر کون کرے گا۔ اور کون ایسے بڑے صلے دیگا؟

اہل علم کی قدردانی (۵)

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں علامہ ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ علامہ مذکور مدینے میں گندم کی تجارت کیا کرتے تھے۔ لیکن تجارت میں جو روپیہ لگا ہوا تھا وہ اور لوگوں کا تھا۔ اتفاق سے راس المال کے ایک لاکھ درہم تلف ہو گئے۔ تب یحییٰ برمکی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خدام اور حاجب نے جس وقت دسترخوان بچھایا گیا لے جا کر پیش کیا کیونکہ یہ صلائے عام کا وقت تھا۔ سب کے ساتھ کھانے پر بیٹھ گئے۔ ابو عبداللہ کا بیان ہے کہ فراغ طعام کے بعد یحییٰ نے میرا حال پوچھا میں نے سارا قصہ بیان کیا۔ اور رخصت ہو کر میں بھی چلا گیا۔ میرے مکان پر ایک خادم پہنچا اور ایک تھیلی ہزار دینار کی پیش کی۔ اور پیام دیا کہ یحییٰ نے سلام کہا ہے اس کو قبول فرمائیے۔ اور کل پھر تشریف لائیے گا۔ میں نے وہ نذرانہ قبول کیا۔ چنانچہ متواتر چار روز تک یہی ہوتا رہا۔ تب میں نے جانا بند کر دیا۔ رخصت کے وقت دو لاکھ درہم اور ایک مکان مع تمام سامان کے مرحمت فرمایا اور درخواست کی کہ میرے پاس سکونت اختیار کیجئے۔ میں نے دعا دی اور وعدہ کیا کہ بعد واپسی مدینہ منورہ کے حاضر ہونگا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور تمام عمر بغداد میں بسر کر دی۔

حاشیہ (۵) ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۴۹ مطبوعہ مصر۔

سادہ مزاجی[۱]

حسن بن سہل کی روایت ہے کہ کاتب یحییٰ نے اپنے بیٹے کا ختنہ کیا تمام امرائے دربار نے تحفے بھیجے۔ منجملہ احباب کے ایک دوست نے بھی جو اُس وقت پریشان حال تھا نمک اور اُشنان کی دو تھیلیاں نذر بھیجیں اور ایک رقعہ بھی اُس کے ساتھ لکھا۔ جس میں بعد از معذرت یہ لکھا تھا "مجھے خوف ہے کہ اہل کرم کی فہرست بند ہو جائے اور اُس میں میرا نام نہ ہو۔ نمک اور اُشنان کی دو تھیلیاں تحفے میں بھیجتا ہوں۔ نمک کی برکت اور اُشنان کی لطافت میرے دعوے کے لئے کافی ہے اور رقعہ کے خاتمے پر قرآن مجید کی یہ آیت لکھی لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ" دعوت ولیمہ میں جب یحییٰ شریک ہوا۔ تو کاتب نے تمام ہدایا اور تحائف پیش کئے۔ اور وہ دونوں تھیلیاں بھی پیش کیں یحییٰ نے رقعہ کا مضمون پڑھا تو حکم دیا۔ "دونوں تھیلیاں واپس کردی جاویں۔" چنانچہ چار ہزار دینار دونوں میں بھر کر تھیلیاں واپس کردی گئیں۔

اطبا کی قدردانی[۲]

ابو القاسم محمد طائفی بروایت فرخ مولائی جعفر برمکی روایت کرتا ہے کہ یحییٰ کو درد شکم کا عارضہ تھا اکثر طبیبوں نے علاج کیا مگر کسی سے کامل نفع نہیں ہوا۔ فضل و جعفر کو سخت صدمہ تھا۔ ہر وقت علاج کی فکر میں رہتے تھے۔ ایک دن بر سبیل تذکرہ معلوم ہوا کہ ملک فارس میں ایک مجوسی طبیب اپنے فن میں کامل دستگاہ رکھتا ہے۔

حاشیہ [۱] ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۲۲۳ علامہ سیوطی نے اپنی تاریخ میں بعینہٖ اسی قسم کا واقعہ حالات مامون میں لکھا ہے۔ کہ ایک مفلس آدمی نے بعد شادی بوران کے دو تھیلیاں پیش کی تھیں دیکھو سیوطی صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ مصر [۲] تاریخ ضیاء برنی صفحہ ۱۴ مطبوعہ بمبئی [ع] پارہ دہم (واعلموا) سورہ توبہ رکوع ۱۲۔ آیت ۹۱۔

چنانچہ اُسی وقت والئے فارس کو پروانہ لکھا گیا کہ "طبیب کو بلا توقف درگاہ خلافت میں روانہ کرو" حاکم فارس نے ایک ہزار دینار سفر خرچ دے کر طبیب کو بغداد روانہ کیا۔ یحییٰ نے طبیب کی بڑی خاطر کی اور عزت و تعظیم کے ساتھ اُس کو اپنا مہمان کیا۔ اور طبیب کے دربار عام میں پیشی کے واسطے ایک تاریخ مقرر کر کے اپنے خاص ندیموں کو حکم دیا کہ ہر ایک اپنا اپنا قارورہ ملاحظہ کے واسطے پیش کرے دربار کا ایک ظریف جو ہمیشہ یحییٰ کے سامنے عیش و طرب کے جلسوں اور مردانہ کوششوں کا ذکر کیا کرتا تھا اُسکو بھی حکم دیا۔ جب سب درباری جمع ہو گئے تو طبیب فارس طلب کیا گیا۔ لیکن طبیب کے آنے سے قبل امتحان کی غرض سے یہ کارروائی کی گئی کہ ہر ایک قارورے کی شیشی باہم تبدیل کر دی گئیں۔ اول یحییٰ نے قارورہ دکھایا۔ طبیب نے مزاج کے موافق نسخہ لکھا اور جو غذا مناسب تھی وہ تجویز کی۔ پھر ندیموں کی طرف متوجہ ہوا۔ شیشیاں غور سے دیکھ کر یحییٰ سے اجازت چاہی کہ "آپ مصاحبوں کو حکم دیجئے کہ اپنا اپنا قارورہ ملاحظہ کرائیں کیونکہ شیشیاں تبدیل ہو گئی ہیں اس صورت میں علاج ممکن نہیں ہے" حاضرین مجلس کو طبیب کی حذاقت و مہارت پر تعجب ہوا۔ سب سے اخیر میں ظریف کی باری آئی۔ طبیب نے کہا کہ یہ شخص رجولیت سے محروم ہے۔ اس پر یحییٰ کو بہت تعجب ہوا۔ اور سر دربار پردہ فاش ہونے پر ظریف بہت ہی نادم ہوا۔ اور دو ہفتے کے علاج میں یحییٰ کو کامل صحت ہو گئی۔ غسل صحت کے دن ظروف نقرہ۔ جامہائے قیمتی۔ اسپان مطلوق۔ زر و جواہر و نقدی ملا کر تیس ہزار دینار صلے میں یحییٰ نے طبیب[1] کو مرحمت کئے علاوہ اسکے دو ہزار درہم اور خلعت فضل نے اور ایک لاکھ درہم مع تحائف کے جعفر نے طبیب کو انعام دیا۔ اور برامکہ کی ایک فیاضی سے تمام عمر

حاشیہ [1] اس طبیب کا نام منویل تھا۔ دیکھو حالات جعفر برمکی صفحہ ۲۰ ضیاء برنی۔

کے واسطے طبیب فارس دولتمند ہوگیا۔ سچ یہ ہے کہ خاندان برامکہ اہل کمال کا شائق تھا۔ ہر فن کے
کامل آدمی دربار میں جمع تھے علامہ[1] ابن ابی اصیبعہ نے عیون الانبا میں جبریل بن بختیشوع
حکیم کی سالانہ آمدنی کا ایک نقشہ دیا ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سالانہ وظیفہ
جبریل کو جو صرف برامکہ سے ملتا تھا وہ حسب ذیل ہے یحییٰ بن خالد برمکی چھ لاکھ درہم۔ جعفر
بن یحییٰ بارہ لاکھ درہم۔ فضل بن یحییٰ چھ لاکھ درہم۔ یہ رقم تو خاص تھی اور مختلف موقعوں پر
غسل صحت کے وقت جو دیا جاتا تھا۔ وہ رقومات خارج از حساب ہیں۔

حسن مکافات[2]

علیٰ بن حسین بن داؤد نے یحییٰ بن خاقان بن حسن بن سہل وزیر مامون الرشید
سے روایت کی ہے۔ کہ ایک دن ہارون الرشید نے یحییٰ کو ایک ضروری
کام کے واسطے بلا بھیجا۔ دروازے پر حاجتمندوں کا ایک گروہ موجود تھا حاجب نے اطلاع
کی کہ امیدوار حاضر ہیں تو یحییٰ نے کہا کہ "مجھے آج فرصت نہیں ہے سب سے میرا سلام کہو کہ کل
صبح تشریف لائیں" چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔ سب سے اخیر میں ایک گروہ سائلین کا اور آیا
اُن میں اخیر درجے پر احمد بن خالد احول بھی کھڑا ہوا تھا یحییٰ نے احمد کو دیکھا تو فضل کی
طرف متوجہ ہو کر کہا کہ "اے جان پدر! میرے ساتھ اس جوان کے باپ کا ایک واقعہ ہے۔
جب میں اس کام سے فارغ ہوجاؤں تو یاد دلانا" یحییٰ واپس آیا تو فضل نے کہا کہ ابن خالد
احول کا قصہ بیان فرمایئے یحییٰ نے کہا کہ "مہدی عباسی کے زمانے میں جب میں عراق سے

حاشیہ[1] طبقات الاطبا ابن ابی اصیبعہ جلد اول صفحہ ۱۳۰۔ مطبوعہ مصر[2] کتاب المستطرف فی کل فن مستظرف جلد اول
صفحہ ۱۵۱۔ مطبوعہ مصر علاوہ اس کے دیگر مؤرخین نے بھی اس واقعہ کو لکھا ہے۔

آیا۔ تو میری حالت نہایت ابتر تھی۔ بالکل محتاج تھا کوئی چیز پاس نہ تھی۔ یہاں تک کہ تین دن کا فاقہ ہو چکا تھا۔ میں اِس سوچ اور فکر میں بہت رویا۔ اور حیران تھا کہ کیا کروں چنانچہ یاد آگیا کہ گھر میں ایک مندیل موجود ہے۔ مکان میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اب تک باقی ہے۔ چنانچہ اُس کو ایک شخص کے ذریعے سے فروخت کر ڈالا کُل سترہ درہم اُس کی قیمت آئی۔ میں نے گھر میں لا کر دے دئے۔ اور کہا کہ جب تک خدا کسی اور جگہ سے ہمارا رزق نہ بھیجے اُس وقت تک تو اس کو صرف کرو پھر علے الصباح میں خالد احول کے دروازے پر حاضر ہوا کیونکہ اس وقت مہدی عباسی کا وزیر اعظم تھا (بعض کا قول ہے کہ ابو عبداللہ بن عباس ہاشمی وزیر تھا) دروازے پر لوگوں کا مجمع تھا۔ اور وزیر کے برآمد ہونے کا سب کو انتظار تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں آمد شروع ہوئی مجمع عام میں مجھے خالد نے دیکھ کر سلام کیا اور مزاج پوچھا۔ میں نے کہا کہ "اے خالد اُس کا حال کیا پوچھتے ہو؟ جس نے اپنے گھر سے سترہ درہم کو مندیل فروخت کی ہو" یہ کلمۂ تاسف سُن کر مجھے بغور دیکھا اور کچھ جواب نہ دیا۔ میں گھر کو لوٹ آیا۔ اور جو واقعہ خالد سے گزرا تھا وہ کہہ سُنایا۔ سب نے کہا کہ "بُرا کیا خدا کی قسم خالد کوئی بڑی خدمت سپرد کرتا۔ لیکن اپنے حال سے تم نے مطلع کر دیا خالد نے کوئی چھوٹے درجے کا شخص سمجھا ہوگا۔ کیونکہ تمھاری عزت بڑے شخص کے برابر تھی اب وہ ہمیشہ اسی نظر سے دیکھیگا" گھر والوں کی باتیں سُن کر میں نے کہا خیر جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اس کے بعد پھر صبح کو میں خلیفہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔

جس وقت وہاں پہنچا ایک شخص نے بڑھ کر مجھسے کہا کہ "ابھی اس جگہ پر تمھارا ذکر ہو رہا تھا میں نے اُس کی بات پر کچھ التفات نہیں کیا۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص ملا اُس نے بھی یہی کہا۔ پھر حاجب (خالد) سے ملاقات ہوئی اُس نے پوچھا کہ آپ کہاں تھے وزیر نے حکم دیا ہے کہ "دربار سے واپسی تک میرا انتظار کرو" چنانچہ خالد کے آنے تک میں بیٹھا رہا۔ مجھے دیکھ کر بلایا۔ اور سواری کا حکم دیا میں بھی سوار ہو کر خالد کے مکان تک ساتھ گیا۔ جب مکان پر پہنچا تو حکم دیا کہ "حمید اور زاہر کو جو گندم کی تجارت کرتے ہیں میرے پاس حاضر کرو" جب وہ آئے تو ان سے پوچھا کہ میں نے تمھارے ہاتھ دیہات کا غلہ ایک لاکھ اسّی ہزار دینار کو فروخت کیا ہے؟ اُنھوں نے اقرار کیا تو پھر سوال کیا کہ میں نے یہ شرط بھی کی تھی کہ اُس میں ایک اور شخص بھی شریک ہے۔ اور جس کے واسطے کہا تھا وہ یہی ہے۔ اور مجھسے کہا کہ ان کے ہمراہ جاؤ۔ چنانچہ میں اُن سوداگروں کے ساتھ ہو لیا۔ وہاں سے چلا تو اُنھوں نے کہا کہ "تھوڑی دیر کے واسطے اس مسجد میں تشریف لے چلئے کچھ گفتگو کرنا ہے اور آپ کے حق میں مفید ہے" میں انکے ساتھ چلا گیا۔ تب اُنھوں نے کہا کہ "اس تجارت میں دلّال۔ ٹونڈی وار۔ وغیرہ کی آپکو ضرورت ہوگی اور ناپنے تولنے کے بھی جھگڑے ہیں۔ تب کہیں منافع ہوگا۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ اپنا حصہ ہمارے ہاتھ نقد داموں پر بیچ ڈالیں۔ اس صورت میں بہت سی تکلیف اور جھگڑوں سے آپ کو نجات مل جائیگی" میں نے پوچھا کہ اچھا کتنے پر سودا کرتے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ ایک لاکھ درہم۔ میں نے یہ نامنظور کیا۔ لیکن آخر

میں تین لاکھ پر توڑ ہو گیا۔ تب میں نے خالد سے مشورہ کر کے اپنا حصہ بیچ ڈالا۔ اور نقدی کو اپنے قبضے میں کیا۔ اس کے بعد میرے سب کام درست ہو گئے۔ اس بیان کے بعد فضل سے مخاطب ہو کر کہا بتاؤ ! تم اُس شخص کے بیٹے سے جس نے تمہارے باپ کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا کیا احسان کر سکتے ہو ؟ فضل نے کہا کہ "خدا کی قسم کوئی بدلہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہے کہ میں اپنی جگہ پر احمد بن خالد کو درجہ وزارت پر مقرر کراؤں۔ چنانچہ فضل نے احمد کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ بھائی وزارت کی تمام تنخواہ اور جاگیرات کے آج سے تم مالک ہو جو وزارت کی خدمتیں دربار میں میرے متعلق ہیں میں اُن کو انجام دیا کرونگا۔ لیکن اُس کے تمام منافع کے مالک تم ہی ہو گے۔ باوجود اس کے بھی میں اُس حق سے جو میرے والد بزرگوار پر ہیں سبکدوش نہیں ہو سکتا ہوں۔" فضل کی تقریر سنکر احمد سے سوائے اس کے اور کچھ نہ ہو سکا کہ یحییٰ کے پاؤں پر گر پڑا اور کہا کہ "حقیقت یہ ہے کہ جو حق میرے باپ کا آپ نے ادا کیا ہے ویسا نہ کسی نے کیا ہے نہ ہو سکتا ہے" اور محمد بن عبدوس نے کتاب الوزرا میں بروایت یحییٰ بن خاقان یوں لکھا ہے کہ "جب یہ واقعہ میں سُن چکا تو میں نے یحییٰ بن خاقان سے پوچھا کہ یحییٰ برمکی نے احمد سے کیا سلوک کیا تو یحییٰ نے کہا کہ احمد برامکہ کے عہد دولت میں بڑے ممتاز درجے پر تھا۔ بلکہ دولت و عزت میں برامکہ کے برابر تھا۔ چنانچہ احمد کی روایت ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید برامکہ سے ناراض ہوئے اُس وقت میں اردن (ملک شام) میں تھا کیونکہ یحییٰ نے مجھکو ایک عہدے پر مقرر کر کے بھیجا تھا۔ اور جب وہاں سے واپس آیا

ہوں اُس وقت یحییٰ برمکی جیل کی مصیبتیں جھیل رہا تھا۔ چنانچہ میں یحییٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اور چھ ہزار دینار نذر کئے۔ لیکن بڑے اصرار سے صرف تین ہزار قبول کئے۔

امین و مامون کی مخالفت پر یحییٰ کی پیشین گوئی۔

اور مجھ سے کہا کہ "اے فرزند! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہارون الرشید عنقریب اس دنیا سے کوچ کرنے والا ہے۔ اور خاندانِ خلافت میں سخت نزاع ہو کر مامون الرشید تخت نشین ہوگا۔ میں ایک رقعہ تم کو دیتا ہوں اس کو اپنے پاس رکھو۔ جب انقلاب حکومت ہو اُس وقت تم اس رقعے کو فضل بن سہل کے پاس لے جانا کیا عجب ہے کہ تمہارے حق میں مفید نتیجہ پیدا ہو" چنانچہ رقعے کے دو ٹکڑے کر کے ایک مجھے دے دیا اور دوسرا مصلے کے نیچے رکھ لیا۔ چنانچہ میں وہ رقعہ لے کر رخصت ہوا۔ تھوڑے زمانے کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے انتقال کیا۔ اور امین الرشید ولیعہد سلطنت اور مامون الرشید میں لڑائی شروع ہو گئی آخر کار امین قتل ہوا اور سپہ سالار طاہر نے بغداد فتح کر لیا۔ اور مامون الرشید مستقل خلیفہ قرار پایا۔ اُس وقت میں بیکار۔ خانہ نشین۔ اور محض مفلس تھا۔ ایک دن رات کے وقت کسی نے دروازے پر آ کر دستک دی۔ افلاس نے لونڈی غلاموں کو اوّل ہی آزاد کر دیا تھا کوئی جواب دینے والا نہیں تھا۔ میں نے بی بی سے کہا دیکھو کون آیا ہے؟ لیکن بغیر میری اطلاع کے دروازہ نہ کھولنا۔ بی بی نے واپس آ کر کہا کہ چند سپاہی نظر آتے ہیں۔ مجھے بہت سے شبہے ہوئے لیکن گھر سے باہر نکلا تو معلوم ہوا کہ طاہر نے بلایا ہے۔ سواری دروازے پر موجود تھی۔

سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ طاہر نے میری بڑی خاطر کی اور عزت سے بٹھایا اور فضل بن سہل کا لکھا ہوا ایک پروانہ دکھایا جس کا یہ مضمون تھا کہ "امیر المومنین مامون کا حکم ہے کہ احمد بن خالد کو جہاں کہیں وہ ملے اوّل اپنے پاس بلاؤ اور پچاس ہزار درہم اور بیس گھوڑے اس کو دے کر نہایت اعزاز سے ہمارے پاس خراسان بھیجدو" پروانے کا مضمون پڑھتے ہی مجھ میں جان آگئی اور سامان سفر کے واسطے دو روز کی مہلت طلب کی۔ چنانچہ طاہر نے منظور کیا پھر صلہ دے کر رخصت کیا اور حکم دیا کہ فوراً خراسان روانہ ہو۔ میں نے وہ نصف رقعہ جو یحییٰ نے دیا تھا اور اب تک مثل تعویذ کے میرے پاس تھا۔ لے کر بغداد سے کوچ کر دیا۔ ہر ہر منزل پر بموجب حکم شاہی میرا خیر مقدم ہوتا تھا چنانچہ میں نے مرو پہنچکر فضل بن سہل کو اپنی حاضری کی اطلاع دی۔ وزیر نے فوراً مجکو بلایا اور پوچھا کہ "احمد بن خالد آپ ہی ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ ہاں یہی خادم ہے۔ اس سے زیادہ مجھ سے کچھ نہیں پوچھا اور کہا کہ "تکان سفر نے خستہ کر دیا ہوگا اب آرام کرو" چنانچہ تین دن تک میں نے آرام کیا۔ چوتھے دن صبح کو سیاہ لباس پہنکر ذوالریاستین (فضل) کے دربار میں حاضر ہوا۔ فضل امیر المومنین کے حضور میں جا رہا تھا میں نے سلام کیا۔ اور پیادہ پا ہمرکاب ہولیا۔ دربار میں پہنچ کر فضل اور مامون الرشید دونوں ایک تخت پر بیٹھے۔ تھوڑی دیر میں میری طلبی ہوئی۔ سامنے پہنچکر میں نے شاہی قاعدے سے سلام کیا۔ اور فضل نے مامون الرشید سے مخاطب ہو کر کہا کہ "امیر المومنین یہی احمد بن خالد ہے۔ محمد امین کے زمانے میں اسی کی تحریر مدینۃ السلام

(بغداد) سے میرے پاس آیا کرتی تھی۔ اور جو نئے واقعات ہوتے تھے اُس کی اطلاع کیا کرتا تھا۔ یہ شخص خدام والا کے خاص ہواخواہوں میں ہے۔ اپنا مال و عزت دونوں حضور والا پر نثار کرنا چاہتا ہے" مامون الرشید نے کہا کہ "خدا اُس کے مال میں برکت دے۔ اور اُس کے خزانے کو دوچند کرے" جب وزیر نے خلیفے کو خوش پایا تو عرض کیا کہ "اگر حکم ہو تو کوئی عمدہ خدمت احمد کے سپرد کیجائے تاکہ لوگوں کو امیر المومنین کے قرب و اختصاص کا اندازہ معلوم ہو" چنانچہ مامون الرشید نے منظور کیا اور خدمت کتابت[1] سپرد ہوگئی۔ چند روز بعد ایک دن شبلی کی مجلس میں فضل نے مجھکو بلایا۔ میں وہ نصف رقعہ یحییٰ برمکی کا اپنے ساتھ لیتا گیا تھا۔ مجلس میں وزیر کا بھائی حسن بن سہل بھی موجود تھا۔ چنانچہ اثنائے گفتگو میں حسن نے مجھسے پوچھا کہ "ابو العباس! میرے اُستاذ اور مخدوم ابو علی یحییٰ بن خالد برمکی سے بھی تمھاری کچھ جان پہچان ہے" میں نے عرض کیا کہ "ہاں!" اور جو سلوک میرے باپ نے یحییٰ برمکی سے کئے تھے اور جو خدمت میں نے جیل میں کی تھی مع واقعہ تحریر رقعہ کے بیان کیا" حسن نے پوچھا کہ وہ رقعہ کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ میرے پاس موجود ہے۔ بلکہ جیب سے نکال کر سامنے رکھ دیا۔ چنانچہ حسن

حاشیہ [1] احمد بن ابی خالد احول۔ حسن بن سہل وزیر کی درخواست پر اُسکا قائم مقام مقرر ہوا تھا۔ مامون نے جب اُسکو مستقل کرنا چاہا تو اُس نے انکار کیا۔ اور کہا جو خدمت مجھسے لیجائے میں حاضر ہوں۔ لیکن وزارت کے لقب سے معاف رکھا جاؤں۔ مامون نے چونکہ اُسکی لیاقت کا صحیح اندازہ کرلیا تھا یہ درخواست قبول نہ کی۔ اور خلعت وزارت عطا کیا۔ احمد نے نہایت عظمت و شان کے ساتھ وزارت کی۔ مامون بھی اُسکی نہایت عزت کرتا تھا یکبار کسی نے عرضی دی کہ "وزیر ابو جعفر احمد کھانے کا نہایت شائق ہے اور جس کے عوض کھا لیتا ہے۔ مقدمات میں خلاف انصاف اُسکی طرفداری کرتا ہے" مامون نے اس شکایت پر اگر کچھ لحاظ کیا تو یہ کیا کہ تنخواہ کے علاوہ ہزار درہم روزانہ احمد کے دسترخوان کے لیے مقرر کر دیئے۔ المامون حصہ دوم صفحہ ۲۰ مطبوعہ مفید عام آگرہ طبع ثانی۔

نے بھی دوسرا ٹکڑا نکالا۔ اور دونوں کو جوڑ کر پڑھا اور رونے لگا پھر اپنے بھائی فضل کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ بیشک یہ تحریر خاص یحییٰ کے قلم کی ہے اور مجھے کہا کہ جانتے ہو اس میں کیا لکھا ہے؛ میں نے عرض کیا نہیں۔ چنانچہ وہ رقعہ مجھے دیدیا۔ میں نے پڑھا تو یہ مضمون تھا" برخوردار من! تم کو معلوم ہے کہ احمد بن خالد کے کس قدر مجھپر حقوق ہیں لیکن اب مجھے اس قدر توفیق نہیں ہے کہ اُس کا کوئی حق ادا کروں۔ کیونکہ میرا اقبال پہاڑ کی چوٹی کا ڈھلتا سورج ہے اور تمہاری بلند اقبالی کا آفتاب نصف النہار پر ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اُس حق کو جو مجھپر ہے ادا کروگے۔ اور احمد کا خیال رکھوگے!" چنانچہ یحییٰ کی تحریر کا یہ اثر تھا کہ میں درجۂ کتابت سے مامون الرشید کی وزارت تک پہنچ گیا۔[۱]

مثال (۹) ایثار

یعقوبؒ بن اسحاق بن ابراہیم بن صالح بن منصور جو مقربین دربار ہارون الرشید میں سے تھا روایت کرتا ہے کہ استیصال برامکہ کے زمانے میں سلطنت عباسیہ کی ابتر حالت تھی۔ ملک میں ہر طرف جھگڑے فسا دکھڑے ہوگئے تھے۔ کوئی معاملہ حسب دلخواہ نہ ہوتا تھا۔ اسی زمانے میں ایک دن مجھ کو بلایا حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہارون نہایت غضب ناک ہورہا ہے۔ چہرے پر حزن وملال کے آثار ہیں۔ مجھے دیکھ کر حکم دیا کہ" اسی وقت رخصت ہو اور منصور بن زیاد سے

حاشیہ [۱] جامع الحکایات صفحہ ۹۹ و تاریخ نگارستان [۲] التبر المسبوک فی نصائح الملوک۔ امام ابوحامد غزالی صفحہ ۱۱۶ لغایت ۱۱۹ مطبوعہ خیریہ پریس مصر تاریخ ضیا برنی صفحہ ۴۳

گیارہ لاکھ کی رقم جو اُس کے ذمے واجب الاوا ہے وصول کرکے مغرب تک داخل کرو اگر حصول زر میں تامُل ہو تو سر پیش کرو۔ میرے حکم کے خلاف کیا تو روح مہدی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تیرا سر نہ ہوگا۔" میں سمجھ گیا کہ منصور کے خون کا پیاسا ہے۔ مجھے تشویش تھی کہ حکم کی تعمیل کیونکر ہوگی کیونکہ منصور مشاہیر بغداد سے ہے اور خاندان بھی بڑا رکھتا ہے۔ مگر میں نے مجبوراً منصور کا ہاتھ پکڑا اور حکم سنا دیا۔ منصور حکم شاہی سنکر رونے لگا اور کہا "حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ میرے قتل کی فکر میں ہے۔ ورنہ میرے پاس اس قدر رقم کہاں۔ خدا کی قسم میری جائداد کی قیمت ایک لاکھ درہم سے زیادہ نہ ہوگی۔ اور کُل تعداد کا پورا ہونا تو محال ہے۔ معلوم ہوا کہ میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اب صرف ایک آرزو باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس اخیر وقت میں اہل وعیال سے رخصت ہولوں اور چند وصیتیں کرتا چلوں۔" میں نے یہ درخواست منظور کر لی اور منصور کو اُس کے گھر لے گیا۔ حکم شاہی سنکر تمام مکان میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ عزیزوں کے نالہ وفریاد سے قیامت برپا ہوگئی۔ میں بھی کانپ اُٹھا اور منصور کو میں نے یہ مشورہ دیا کہ اس مصیبت میں بجز برامکہ کے اور کوئی ایسا نہیں ہے جو اس مصیبت سے نجات دلا سکے۔ غرضکہ میں منصور کو لے کر رخصت ہوگیا۔ یحییٰ برمکی کا مکان راستے میں پڑتا تھا۔ وہاں حاضر ہوا۔ منصور نے اپنا غمناک افسانہ سُنایا۔ سنکر تھوڑی دیر تک سرنگوں رہا۔ پھر خزانچی کو بلایا۔ اور پوچھا کہ اس وقت خزانے میں کس قدر درہم موجود ہیں؟ خزانچی نے کہا پانچ لاکھ۔ چونکہ مطالبہ میں ہنوز بہت کمی تھی اس لئے فضل کو رقعہ لکھا کہ اس وقت مجھے ایک اراضی کی

خریداری کی ضرورت ہے اُس میں روپے کی حاجت ہے جس قدر ہوسکے بھیجدو چنانچہ
فضل نے دولاکھ درہم بھیج دئے اور ایک دوسرا آدمی جعفر کے پاس بھیجا وہاں سے
بھی دولاکھ درہم آگئے۔ چنانچہ اس طرح پر نو لاکھ درہم جمع ہوگئے۔ اور منصور کے حوالے
کردیئے۔ منصور نے کہا کہ آپ کی فیاضی سے اس قدر تو ہوگیا ہے لیکن بقیہ رقم کی
بھی فکر کردیجئے تب تو یحییٰ رونے لگا۔ اور ایک غلام کو بلایا کہ اس وقت دنانیر کے
پاس جاؤ۔ اور وہ قیمتی مرصع ہار جو امیرالمومنین نے اُس کو انعام میں دیا ہے لے آؤ۔
کیونکہ میں نے اُس کو امیرالمومنین کے واسطے دولاکھ کو خرید کیا تھا وہ ملاکر کل تعداد
تاوان کی پوری ہوجائے گی لیکن اندیشہ ہے کہ وہ عطیہ ہارون کا ہے اُس کو وہ ضرور
پہچان لیگا۔ چنانچہ منصور کو مع مطالبہ کے لے کر میں ہارون کے پاس روانہ ہوگیا۔
راستے میں منصور یہ شعر پڑھتا جاتا تھا۔

وما اتبعتنی طوعا ولکن	وابنك خفت من ضرب النبال
تو نے خوشی سے میری اطاعت نہیں کی	بلکہ میرا خیال ہے کہ تو تیروں کی زد سے ڈرگیا

یہ سنکر مجھے بہت ہی تعجب ہوا اور منصور کی دنائت طبع اور خباثت کا یقین ہوگیا۔
جس وقت دربار میں روبکاری ہوئی خلیفہ نے مجھسے سارا قصہ سُنا۔ ہار واپس کردیا۔
اور باقی روپیہ خزانے میں بھیج دیا۔ اور منصور کو چھوڑ دیا۔ لیکن یحییٰ پر بہت غضب ناک
ہوا۔ اور حاضری دربار کا حکم دیا۔ جب وقت یحییٰ آیا ہارون بہت غصے ہو رہا تھا لیکن

حاشیہ سلہ یہ خالد برمکی کی کنیز کا نام ہے جو عود رباب خوب بجاتی تھی۔

اپنی خوش بیانی سے تھوڑی دیر میں یحییٰ نے راضی کر لیا اور عرض کیا کہ "جو خطا منصور کی ہے اُس سے اطلاع بخشی جائے۔" خلیفہ نے کہا ہمارے خاندان سے اُس کو عداوت ہے یہی باعث گرفتاری تھا لیکن آپ کی فیاضی نے آج منصور کو ہلاکت سے بچا لیا یحییٰ نے کہا کہ "میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا ہے اصلی فیاضی تو امیر المومنین کی ہے۔ کیونکہ اگر حکم ہوتا کہ یحییٰ کا مال عطیہ مابہ دولت ہے تو میں کیا کر سکتا تھا۔ یہ سُنکر ہارون نے کہا کہ مال کا لینا مناسب نہیں تھا کیونکہ وہ تو عطیہ تھا۔ یحییٰ نے کہا کہ "جب حاجت حد سے بڑھ جاتی ہے تو عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔" صالح کہتا ہے کہ جب تمام معاملات طے ہو گئے تو میں نے منصور کا مذکورہ بالا شعر یحییٰ کو سُنایا۔ سُن کر بجز اس کے اور کچھ نہ کہا کہ "جب انسان رنج و غم میں مبتلا ہوتا ہے تو مجبور ہوتا ہے جو جی میں آتا ہے کہہ گزرتا ہے۔ منصور نے دل سے کچھ نہ کہا ہو گا"

(۱۰)
خالد عبد اللہ بن مالک الخزاعی اور یحییٰ کی عالی ہمتی و مروت

ابو علی قاسم بن محمد روایت کرتا ہے کہ خالد عبد اللہ دربار ہارون الرشید میں نہایت معزز امرا میں شمار کیا جاتا تھا۔ اور خلیفہ کو اُس پر بہت اعتبار تھا۔ تقرب شاہی اور دنیاوی جاہ و حشم میں عبد اللہ یحییٰ برمکی کا رقیب تھا اور دربار سے عبد اللہ کو بڑے بڑے کام سپرد ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یحییٰ اور جعفر کہا کرتے تھے کہ "عبد اللہ نے ہارون پر جادو کر دیا ہے۔" اس عداوت کا

حاشیہ سلہ التبر المسبوک فی نصائح الملوک امام غزالی صفحہ ۱۱۹ مطبوعہ جدید پریس مصر۔ ضیا برنی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۵۰۔

ہارون کو بھی علم تھا۔ یہ رنجش آخر کو اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ اگر ایک جلسے میں دونوں
جمع ہوتے تو ضرور سخت کلامی اور مباحثہ ہو جاتا تھا۔ لیکن اپنی اپنی حکمت عملی سے کوئی
چوکتا نہ تھا۔ اتفاق سے آرمینہ اور آذربیجان میں بغاوت ہوگئی تو ہارون نے رفع
نزاع کے واسطے یہ عمدہ موقع سمجھا کہ عبداللہ کو اس طرف روانہ کرے۔ چنانچہ خلعت فاخرہ
دے کر رخصت کیا۔ وقت کم اور کام ضروری تھا اس لئے عبداللہ کو کوئی موقع عذر و حجت
کا بھی نہیں ملا۔ مجبوراً روانہ ہوا۔ اور جس مہم پر روانہ ہوا تھا اس کو عمدہ طور سے انجام کر دیا۔
لیکن مصلحت ملکی سے ہارون نے حکومت آرمینہ کی عبداللہ کو سپرد کر دی اور بدستور
وہاں قیام کا حکم دیدیا۔ معاذ بن یحییٰ شاعر کو عبداللہ اور یحییٰ کی مخالفت کا کچھ علم نہ تھا۔
یحییٰ کی طرف سے جعلی خط سفارش کا بنا کر آرمینہ پہنچا۔ مضمون پڑھ کر عبداللہ کو نہایت
ہی تعجب ہوا۔ کہ آخر یحییٰ نے مجکو خط کیوں لکھا ہے ظاہرا کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے
ضرور یہ خط جعلی ہے؛ اور تحقیقات کی غرض سے معاذ کو مہمان رکھا۔ لیکن وقت صحبت
کے یہ کہدیا کہ "آپ نے اس قدر دور و دراز سفر کی زحمت ناحق اٹھائی۔ کیونکہ یہ خط جعلی
ہے تاہم آپ اطمینان رکھیں میرے یہاں سے نامراد نہ جائینگے" معاذ نے کہا کہ خدا امیر کی عمر
دراز کرے، اگر میرا آنا آپ کو ناگوار ہے تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے میں رخصت
ہوتا ہوں کیونکہ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ وَالرَّازِقُ حَیٌّ مُّبِیْنٌ"۔ جو خط میں نے پیش کیا
ہے وہ تو خاص یحییٰ کا دستخطی ہے جعلی کیونکر ہو سکتا ہے؛ عبداللہ نے سنا تو کہا کہ "اچھا میں
آپ کے قول پر اعتماد رکھتا ہوں آپ دو باتوں میں سے کسی ایک کو قبول کیجئے اور وہ یہ

ہیں کہ میں اس خط کو اپنے سفیر کے پاس جو بغداد میں مقیم ہے بھیجتا ہوں وہ یحییٰ سے دریافت کرے گا اگر معاملہ سچا ہوا تو کسی شہر کی حکومت عطا کرونگا اور اگر صرف انعام لینا منظور ہو تو ایک لاکھ درہم مع گھوڑے اور خلعت کے دونگا۔ اور اگر جھوٹ ہوا تو قتل کرونگا تاکہ جعلسازوں کو عبرت ہو" معاذ نے دونوں شرطیں قبول کرلیں اور کہا کہ " اگر امیر کو خط کی صحت میں شک ہے تو آپ تصدیق فرمالیں۔ اگر یحییٰ قبول نہ کرے تو اس سزا کا مستحق ہوں جو میرے لئے تجویز کی گئی ہے۔ لیکن بزرگوں اور ارباب سخا کا یہ طریقہ ہے کہ تحقیقات سے قبل سزا کا حکم نہیں سُناتے ہیں" عبداللہ نے یہ عاقلانہ طنز آمیز جواب سُنا تو شرمندہ ہوا۔ اور اپنا قاصد بذریعہ ایک خط کے سفیر بغداد کے پاس روانہ کیا عبداللہ کے سفیر نے جو دربار خلافت میں رہتا تھا یحییٰ سے واقعہ بیان کیا اور وہ خط جو آیا تھا پیش کردیا۔ یحییٰ اپنے ندیموں کے ہمراہ اس وقت بیٹھا ہوا تھا مضمون خط کا پڑھکر سفیر کو تو رخصت کردیا اور کہا کہ آپ کو کل جواب ملیگا۔ اور حاضرین سے پوچھا کہ اس شخص کی کیا سزا ہے۔ جس نے جعلی خط بناکر میرے دشمن کے سامنے پیش کیا ہے؟ سب نے مختلف جواب دیئے کسی نے قتل کسی نے قطع ید۔ کسی نے سزائے تازیانہ تجویز کیا۔ یحییٰ نے اپنے مشیروں کی تجویز سُنکر افسوس کیا اور کہا کہ حیف ہے تم میں سے ایک بھی صاحب مروت نہیں۔ معاذ نے جو کچھ کیا ہے میرے کرم اور میری فیاضی کے بھروسے پر کیا ہے۔ مجھے یہ ہرگز منظور نہیں ہے کہ معاذ عبداللہ کے روبرو شرمندہ ہو۔ کیونکہ عبداللہ کا قرب اور اعزاز جو امیرالمومنین کے نزدیک ہے اور میری عداوت کا حال تم لوگوں کو جو عرصہ بیس سال سے ہے خوب معلوم ہے اس

شخص کے ذریعے سے صفائی ہوجائیگی اور گویا منجانب اللہ یہ سامان ہوگیا ہے" اور قلم اٹھاکر اپنے ہاتھ سے اس مضمون کا خط عبداللہ کو لکھا کہ "آپ کا خط میرے پاس پہنچا صحت و عافیت کا مژدہ سنکر کمال مسرت ہوئی۔ معاذ نے جو خط پیش کیا ہے وہ تو خاص میرا قلمی ہے۔ آپ کو اس میں شک کیونکر ہوا۔ معاذ میرا دوست ہے اور قابل عزت ہے جو کچھ آپ اس پر احسان کرینگے وہ مجھپر احسان ہوگا" اور خط کو بند کرکے سفیر کے سپرد کیا کہ روانہ کردو عبداللہ نے جواب پڑھا تو بہت خوش ہوا۔ اور معاذ سے کہا۔ کہ مدت سے ہم دونوں میں رنج تھا آپ کے ذریعے سے صلح ہوگئی۔ اب دونوں شرطوں میں سے جو منظور ہو ارشاد فرمائیے۔ معاذ نے بمقابلہ حکومت انعام قبول کیا۔ عبداللہ نے دو لاکھ درہم۔ دس عربی گھوڑے مع زین مرصع۔ اور بیس تھان قیمتی کپڑوں کے۔ دس غلام مع ساز و سامان۔ وظروف طلا و نقرہ۔ مرحمت فرمایا اور نہایت اعزاز سے بغداد کو روانہ کردیا۔ جب معاذ بغداد آیا تو سیدھا یحییٰ کے گھر پہنچا۔ اطلاع ہونے پر اندر بلایا گیا۔ یحییٰ نے کہا کہ میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ معاذ خوف کے مارے یحییٰ کے پاؤں پر گر پڑا اور عرض کیا کہ "میں وہ ہوں جس کو زمانے کے جور و ستم نے مردہ کردیا تھا لیکن آپ کے ہاتھوں سے دوبارہ زندہ ہوا ہوں۔ آپ کی طرف سے جس نے جعلی خط بناکر عبداللہ بن مالک کے سامنے پیش کیا تھا وہ ملزم میں ہی ہوں" یہ سنکر یحییٰ نے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ فرمائیے عبداللہ نے کیا سلوک کیا معاذ نے تفصیل سنائی اور کہا تمام مال و اسباب در دولت پر حاضر ہے۔ اب حکم آپ کے ہاتھ ہے۔ یحییٰ نے سُنا تو

بہت خوش ہوا اور کہا کہ آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ میرے اور عبداللہ کے درمیان جو عداوت قلبی تھی وہ دور ہو گئی اور خوش ہو کر حکم دیا کہ جس قدر عبداللہ نے دیا ہے۔ آنا ہی ہماری طرف سے معاذ کو دیا جائے چنانچہ اسی قدر دے دیا گیا۔ اور اپنے مصاحبوں میں معاذ کو داخل کر لیا۔ بقیہ عمر معاذ نے یحییٰ کی مع سرائی میں گزار دی۔

رقت طبع (۱۱)

ایک دن یحییٰ دربار شاہی سے واپس آ رہا تھا۔ دروازے پر ایک شخص کو دیکھا۔ جب قریب آیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور سلام کیا اور یہ شعر پڑھا۔

شفیعی الیک اللہ لاشی غیرہ		ولیس الی رد الشفیع سبیل
میرا سفارشی تیری خدمت میں صرف خدا ہے اور کوئی نہیں		اور یہ سفارشی ۔ ہٹایا نہیں جا سکتا۔

یحییٰ نے سنا تو بہت متاثر ہوا اور اس شخص کی بڑی خاطر کی اور ایک علیحدہ مکان رہنے کو دیا اور ہر روز ایک ہزار درہم اس شخص کو دیے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ اور جو کھانا یحییٰ خود کھاتا تھا اس میں سے مہمان کے پاس بھیجتا تھا۔ جب ایک مہینے میں تیس ہزار درہم ہو گئے تو وہ شخص بلا رخصت کے چل دیا۔ یحییٰ کو اطلاع ہوئی تو بہت افسوس کیا اور کہا کہ "خدا کی قسم اگر یہ شخص میرے پاس رہتا تو تمام عمر اس کا روزانہ وظیفہ بند نہ ہوتا[ب]"

آداب شاہی (۱۲)

یحییٰ[ؒ] میں فیاضی کا قدرتی مادہ تھا۔ کیونکہ کسی موقع پر اس کا ہاتھ فیاضی سے نہ رکتا تھا۔ جس طرح سے فضل و جعفر کو ہمیشہ فیاضی کی نصیحت

حاشیہ [لہ] ابن خلکان صفحہ ۳۲۵۔ جلد ۱۔ مطبوعہ مصر و التبر المسلوک صفحہ ۱۱۰۔ [ب] مستطرف جلد اول صفحہ ۱۱۴ و التبر المسلوک صفحہ ۱۱۳

کیا کرتا تھا۔ اس طرح پر ہارون کو بھی ہر موقع پر ٹوک دیتا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ہارون الرشید گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ یحییٰ بھی ہمراہ تھا۔ فوج کے ایک سپاہی نے آکر عرض کیا میرا گھوڑا مر گیا ہے۔ حکم دیا کہ پانسو درہم دیدئے جائیں۔ یہ حکم سنکر یحییٰ نے ہارون الرشید کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ جب گھر پر آیا تو یحییٰ سے پوچھا کہ اے پدر بزرگوار! اس وقت آپ نے کیا اشارہ فرمایا تھا میری سمجھ میں نہیں آیا کیا مجھسے کچھ غلطی ہوگئی تھی؟ یحییٰ نے کہا کہ ہاں ایسی قلیل رقم بادشاہوں کی زبان پر نہ آنا چاہیئے۔ پندرہ ہزار یا دس ہزار تو ہوں اور ہزار سے کم تو کسی حال میں نہ ہونا چاہیئے۔ ہارون الرشید نے پوچھا کہ جب اس قسم کا سوال ہو تو کیا جواب دوں؟ یحییٰ نے کہا کہ ایسے موقع پر صرف عطاے سواری کا حکم دینا چاہیئے تھا۔

(۱۳) خیرات کا عمدہ طریقہ

مورخین نے جس قدر حالات یحییٰ کی فیاضی کے لکھے ہیں اُن میں سے بعض حالات ہم نقل کر چکے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ فی نفسہٖ یحییٰ میں کس درجہ فطرتی طور پر فیاضی کا مادہ تھا۔ جو فیاضی علے رؤس الاشہاد کی گئی ہے اُس کی رقومات کی تعداد تو کروڑوں تک پہنچتی ہے۔ لیکن علاوہ اس ظاہری فیاضی کے خفیہ طور پر بھی علما اور صلحا کی خدمت کیا کرتا تھا۔ علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ کسی نے یحییٰ کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا۔ اور

حاشیہ [۱] ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۲۲۵۔

پوچھا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا ؟ تو کہا خدا نے مجھے سفیانؒ کی دعا کی بدولت بخش دیا کیونکہ میں ایک ہزار درہم ماہوار سفیان کو دیا کرتا تھا اور وہ میرے حق میں دعا فرماتے تھے " اللھم ان یحییٰ کفانی امر دنیائے فاکفہ امر اخرتہ

لطیفہ (۱۴) ایک دن کا ذکر ہے کہ یحییٰ نے معاذ بن مسلم سے مصافحہ کرنا چاہا۔ انھوں نے اپنا ہاتھ فوراً ہی ہٹا لیا یحییٰ نے پوچھا آپ نے ہاتھ کیوں سمیٹ لیا؟ معاذ نے کہا معاف فرمائیے گا میں ڈرتا ہوں کہ اس مصافحہ سے کہیں میرا ہاتھ بھی آپ کی فیاضی کی صفت نہ سیکھ جائے اور جو تھوڑا بہت سرمایہ میرے پاس ہے وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہے۔ اس واقعہ کو اگر لطیفہ سمجھئے تو حقیقت میں ایک مذاق ہے لیکن تاریخی حیثیت سے دیکھئے تو اس بات کی تحقیق ہوتی ہے کہ یحییٰ کی فیاضی ضرب المثل ہو گئی تھی۔

فہم و فراست (۱۵) ابو عثمان بن عمر خطاط راوی ہے کہ یحییٰ برمکی رفتار قلم کو دیکھ کر تحریر کے مطالب پر پہنچ جاتا تھا اور کاغذ کے دیکھنے سے پہلے تمام حالات بیان کر دیتا تھا۔ اور اس حصے میں وہ اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔

حاشیہ سلہ ابو عبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق بن حبیب رابع الثوری الکوفی ۹۹ھ ہجری میں سلیمان بن عبدالملک اموی کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار اقطاب اسلام اور ارکان دین میں ہے اور علم حدیث کے امام ہیں۔ معمر اوزاعی۔ ابن جریج۔ مالک۔ شعبہ۔ ابن عیینہ۔ فضیل بن عیاض نے آپ سے روایت کی ہے خلیفہ مہدی عباسی آپ کی نہایت عزت کرتا تھا۔ ۱۶۱ھ میں بمقام بصرہ انتقال فرمایا۔ ثوری طرف ثور بن عبد مناۃ کے منسوب ہے۔ منتخب از روض المطور فی تراجم علماء شرح الصدور صفحہ ۱۱۱۔ مطبوعہ مفید عام آگرہ۔

سلہ حدیقۃ الاقالیم صفحہ ۱۳۱۴۔ اقلیم سوم مطبوعہ نولکشور پریس۔

حسن اخلاق (۱۶)

باوجود شاہانہ شان وشوکت۔ اور درجۂ وزارت کے یحیےٰ کے مزاج میں انتہا درجے کا عجز وانکسار تھا۔ اس کا عام طرز معاشرت تکلف اور بناوٹ سے بری تھا امرا کی دعوتوں میں شریک ہوتا۔ درویشوں۔ عالموں سے آنکے مکان پر جاکر ملاقات کرتا۔ کسی کی بیماری کا حال سنتا تو جاکر عیادت کرتا۔ بڑی خوبی یہ تھی کہ اگر کسی معاملے میں غلطی ہو جاتی اور کوئی متنبہ کرتا تو اس کو قبول کر لیتا تھا۔

ایک دربار کا شاعر[1] بیمار ہو گیا۔ اور بسبب علالت مدت تک غیر حاضر رہا۔ اس مابین میں یحیےٰ کو بھی کچھ خیال نہ آیا۔ صحت کے بعد اس نے شکایت آمیز خط لکھا یحیےٰ نے اسکے جواب میں جو کچھ لکھا ہے اس کے پڑھنے سے یحیےٰ کی اعلےٰ درجے کی نیکی اور انصاف پسندی ظاہر ہوتی تھی۔

اشعار شکایت آمیز

أيّها ذا الأمير اكرمك الله	اے سردار۔ خدا تجھ کو معزز رکھے
وابقاك لى بقاء طويلاً	اور میرے فائدے کے لیئے بڑی عمر دے
اجميلاً تراه اصلحك الله	کیا اس کو آپ نے پسندیدہ خیال کیا
لكيما اراه ايضا جميلاً	تو میں بھی اس کو پسندیدہ سمجھوں۔
انّنى قد اقمت عنك قليلاً	میں چند روز آپ کی خدمت میں نہ پہنچ سکا۔
لا ترى منفذا اليك رسولاً	اور کوئی قاصد بھی نہ بھیج سکا۔

حاشیہ [1] عقد الفرید جلد اول صفحہ ۱۴۲

الذنب فما علمت سوی الشکر	مجھسے اور تو کوئی گناہ نہیں ہوا۔
لما قد اولیتنه جزیلا	بجز اسکے کہ آپنے جو انعام مجھ پر کیے ہیں ان کا شکر گذار ہوں
قد اتی الله بالصلاح فیما	خدانے بارے اچھا کیا۔
انکرت مما عهدت الا قلیلا	آپ کو میرے ساتھ جو تعلقات تھے اسکی نسبت مجھے شکایت مگر بہت نہیں

یحییٰ کا جواب

دفع الله عنك نائبة الدهر	خدا تم سے زمانے کے مصائب دفع کرے۔
وحاشاك ان تکون علیلا	اور خدا نہ کرے کہ تم بیمار ہو۔
اشهد الله ما علمت فما ذا	خدا گواہ ہے کہ مجھکو خبر نہ تھی۔
من العذر جائزا مقبولا	اور یہ عذر قابل قبول بھی نہیں
ولعلی لو قد علمت لعاودتك	مجھکو اگر تمہاری بیماری کا حال معلوم ہوتا تو مہینوں
شهرا وکان ذاك قلیلا	میں تمہاری عیادت کرتا۔ اور یہ بھی کافی نہ ہوتا۔
فاجعلن لی الی التعلق بالعذر	تم میرے لئے معذرت کا رستہ نکالو۔
سبیلا ان لم اجد فی سبیلا	مجھکو تو معذرت کی راہ نہیں ملتی۔
فقدیما جاء ذو الفضل بالفضل	ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ بڑے لوگ مہربانی سے پیش آتے ہیں
وما سامح الخلیل خلیلا۔	اور دوست دوست سے درگزر کرتا ہے۔

ادبی حیثیت سے یہ خط بتا رہا ہے کہ شاعری میں یحییٰ برمکی کا کیا درجہ ہے۔ اور اخلاقی نظر سے دیکھو تو کس قدر نکتے حل ہوتے ہیں۔

ہارون وہادی کی حریفانہ کوششیں۔ ہادی کی موت

ہارون کی خلافت۔ یحییٰ برمکی کی مستقل وزارت ۱۷۰ھ

ہارون الرشید کا پہلا وزیر اعظم یحییٰ برمکی ہے۔ لیکن یہ وزارت کیونکر ہوئی؟ اور ہارون کی خلافت کا اجمالی سلسلہ کیونکر ہے۔ یہ بھی یحییٰ برمکی کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے اسلئے مختصر حالات ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

خلیفہ مہدی[1] کے دو نامور فرزند تھے۔ بڑے بیٹے کا نام **الہادی ابو محمد موسیٰ** تھا اور چھوٹے کا نام **الرشید ہرون ابو جعفر** جن کے واسطے ۱۶۶ھ میں مہدی نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ کہ

مہدی کی وصیت

اوّل ہادی۔ اس کے بعد ہارون تخت نشین ہوگا۔ چنانچہ بائیسویں تاریخ ماہ محرم ۱۶۹ھ ۱۸ جولائی ۷۸۵ء میں بمقام ماسبذان

حاشیہ [1] ۱۵۸ھ میں یہ خلیفہ تخت نشین ہوا تھا۔ زنادقہ کی تردید میں سب سے پہلے اسی نے کتابیں لکھوائیں اسی کے عہد میں اربل ودیول یا ۱۶۰ھ واقع ہندوستان فتح ہوا شاہانہ شان وشوکت اس کے عہد میں بہت بڑھ گئی تھی۔ ابتدائے سلطنت میں پردے میں رہتا تھا۔ پھر دربار عام کرنے لگا۔ کعبہ پر جو مختلف گراں بہا پوششیں پڑتی تھیں مجاوروں کی شکایت پر اس کو بند کر دیا کیونکہ احتمال تھا کہ بدو کعبہ کو لوٹ لیں اور تمام قیمتی مال لے جاویں اور صرف ایک پوشش باقی رہ گئی جو خود خلیفہ کی طرف سے بھیجی جاتی تھی۔ محمد بن سلیمان نے سب سے پہلے اسی خلیفے کے واسطے مکہ معظمہ میں برف بھیجی۔ بغداد اور مکہ کی راہ میں جا بجا عمارتیں اور تالاب بنوائے۔ مساجد سے مقصورے موقوف کیے۔ اور طلائی منبروں کو گھٹا کر مطابق عہد رسالت کے کر دیا۔ مسجد الحرام کے گرد وپیش کے مکانات ملا کر اسے وسیع کر دیا۔ مدینہ۔ یمن۔ مکہ اور بغداد کے راستوں میں ڈاک بٹھائی یہ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۰ وسیوطی صفحہ ۱۰۷۔ وابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۰۱۔

جب مہدی نے انتقال کیا اُس وقت ہادی جرجان میں تھا۔ اور ہارون کے باپ کے پاس موجود تھا۔ اُس نے جنازے کی نماز پڑھائی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوا۔ تو تخت نشینی کا خیال آیا۔ لیکن باپ کی وصیت کے بموجب بمشورۂ یحییٰ برمکی بھائی کو جرجان سے بلایا اور کہا کہ بھائی جان تخت حاضر ہے! چنانچہ صفر کی چاندرات کو ۱۶۹ھ ۷۸۵ء

ہادی کی خلافت

میں ہادی نے تخت پر بیٹھ کر سب سے بیعت لی۔ یہ خلیفہ اگرچہ رعب داب والا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ خلافت کی شان و شوکت کو نہ سنبھال سکا۔ دن رات لہو و لعب میں رہا کرتا تھا۔ اس لئے تمام معاملات سلطنت کی نگرانی خیزران (مادر ہادی و ہارون) نے اپنے ہاتھ میں رکھی تھی۔ صبح کے وقت خیزران کے محل پر تمام امرائے دربار۔ اور فوجی سرداروں کا مجمع ہوتا تھا۔ انکی درخواستوں کے مطابق احکام جاری کرتی تھی۔ اور خیزران کے آگے ہادی کی کچھ چلتی بھی نہ تھی۔ اس لئے ایک معاملے میں دونوں میں تکرار ہو گئی اور چونکہ وہ معاملہ خیزران کے موافق طے ہوا۔ اس وجہ سے ہادی کا رنج اور بھی بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ گفتگو میں ادب کا پہلو ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور ایک دن غصے میں آن کر ماں سے کہنے

ہادی و خیزران کی مخالفت

لگا کہ "اب اگر دروازے پر میں نے کسی امیر کو دیکھا تو یقیناً اس کی گردن اُڑا دونگا۔ اور آپ کا صرف یہ کام ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کیجئے۔ یا تسبیح پڑھئے۔" بیٹے کی بات سُن کر

حاشیہ ۱؎ سیوطی صفحہ ۹۰

خیزران جھلاکر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور پھر دونوں میں سخت عداوت ہوگئی۔ ہادی نے ماں سے تو اس طرز پر گفتگو کی اور دربار عام میں آکر امرائے سلطنت۔ اور افسران فوج سے پوچھا کہ "تمہاری مائیں افضل ہیں یا میری ماں"؟

سب نے تسلیم کیا کہ "امیر المومنین کی ماں افضل ہیں" فرمایا اچھا بتاؤ! تم میں سے کون اس بات کو جائز رکھتا ہے کہ امیر المومنین کی ماں سے اُس کی مجلس میں جاکر اودھر اُدھر کی باتیں کرے"! ارکان سلطنت ہادی کا مطلب سمجھ کر چپ ہو رہے۔ اور سب نے خیزران کی درباداری بند کردی۔ ہادی کے طرز عمل اور انداز حکومت سے ہارون بھی ناراض تھا۔ لیکن کسی معاملے میں دست اندازی نہیں کرتا تھا۔ مگر ہادی اپنی چالوں سے نہیں چوکتا تھا۔ اور باپ کی وصیت کے خلاف یہ چاہتا تھا کہ "سلطنت سے بھائی کو محروم کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولیعہد مقرر کرے"[1] اور اپنا یہ خیال ارکان سلطنت اور خود ہارون سے بھی ظاہر کر دیا تھا۔ جیسا کہ ہادی کے حسب ذیل اشعار سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

نصحت لهرون فرد نصیحتی[2]	میں نے ہارون کو نصیحت کی مگر اس نے نہ مانا۔
وکل امری لا یقبل نصح نادم	اور جو شخص نصیحت نہیں قبول کرتا ہے نادم ہوتا ہے
وادعوه للامر المولف بیننا	میں اسکو اس کام کیطرف بلاتا ہوں۔ جو آپس کے اتحاد کا سبب ہے،
فیبعد عنه وهو فی ذلك ظالم	لیکن وہ پاس نہیں آتا۔ اور یہ اسکی ناانصافی ہے۔

حاشیہ [1] روضۃ الصفا مطبوعہ بمبئی ۱۷۹ جلد ۳ [2] کامل ابن اثیر صفحہ ۳۲ جلد ۶ [3] سیوطی ۱۱۰-

ولولا انتظاری منه یوما الی غد	مجکو اگر کل تک کا انتظار نہوتا۔
لعاد الی ماقلته وهو راغم	تو ہارون کو میری بات چارناچار ماننا ہی پڑتی

لیکن ہارون نے جعفر کی بیعت سے انکار کیا۔ اور اس رائے سے یحیی برمکی نے بھی جو ہارون کا اتالیق وپیر منشی تھا۔ اتفاق کیا۔ کیونکہ ہارون کی خلافت سے قلمدانِ وزارت کے ملنے کی یحیی کو امید تھی۔ جس کا وہ ایک عرصے سے امیدوار تھا۔ بلکہ اسی آرزو میں وہ ہادی کے خلاف ہارون کی بیعت کے واسطے کوشش کر رہا تھا اور ہادی کے اظہار خیالات کے بعد تو پوری کوشش اس میں کرنے لگا۔ کہ ہادی اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہو۔ باوجودیکہ ہادی کی طرف سے بھی بڑا زور یحیی پر ڈالا جاتا تھا کہ وہ جعفر کی بیعت کے واسطے کوشش کرے۔ چنانچہ جامع الحکایات کا مصنف لکھتا ہے کہ اسی زمانے میں ایک دن یحیی کو ہادی نے بلایا۔ جب لوٹ کر آیا تو سخت متوحش تھا۔ کیونکہ ہادی نے حکم دیا تھا کہ وہ ہارون کو اس بات پر آمادہ کرے کہ اپنے بھتیجے کی بیعت منظور کرے۔ اور یحیی قسم کھاتا تھا کہ میں امیرالمومنین کے حکم کے بموجب کوشش کر رہا ہوں لیکن ہارون میرا کہنا نہیں مانتا ہے۔ مگر یحیی کی باتوں پر ہادی کو یقین نہ آتا تھا اور وہ اس گفتگو کو بناوٹ سمجھتا تھا۔ چنانچہ یحیی اسی سوچ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک غلام پر نارا‌ض ہو گیا اور اس کو اس زور سے طمانچہ مارا کہ انگشتری کا حلقہ ٹوٹ گیا۔ اور نگینہ زمین پر گر کر چور ہو گیا۔ نگینے کے ٹوٹنے سے یحیی کا دل دو شکستہ ہو گیا۔ چنانچہ یحیی کے حزن و ملال کی جب ایک شاعر کو اطلاع ہوئی تو اس نے حاضر ہو کر چند

حاشیہ سلہ حکایت ۳۳۰ و ۲۳۴ صفحہ ۰،۰

اشعار پڑھے جس کا لفظی ترجمہ فارسی میں یہ ہے۔

انگشتری از شکست و افتاد نگیں ‏ ‏ ‏ زنہار بدیں سبب نباشی غمگیں

آں حلقہ کشادہ گشت و آں بند شکست ‏ ‏ ‏ فالیست نکو نیک بیندیش دریں

یحییٰ چونکہ نجوم و شگون کا بہت معتقد تھا۔ یہ اشعار سنکر خوش ہوگیا۔ اور فال نیک سمجھا۔" لیکن ہمارا مطلب اس حکایت کے لکھنے سے صرف واقعہ تاریخی کی تائید ہے اور فال و شگون سے کوئی بحث نہیں ہے۔ لیکن یحییٰ برمکی نے ہادی کو باتوں ہی باتوں میں رکھا اور خلیفہ کے انعام و صلے کی کچھ پرواہ نہ کی۔ تب مجبور ہوکر ہادی نے یحییٰ کو جیل میں بھیج دیا۔ مگر وہ اپنی سرگرم کوششوں سے یہاں بھی خالی نہ تھا۔

ہادی و یحییٰ کی گفتگو خلافت پر

محمد بن یحییٰ برمکی راوی ہے کہ قید میں جاتے ہوئے یحییٰ نے ہادی کو ایک رقعہ لکھا۔ اور حاضری کی اجازت چاہی۔ چنانچہ ہادی نے خلوت میں یحییٰ کو بلالیا۔ اور حال پوچھا۔ یحییٰ نے کہا کہ "امیر المومنین! اگر آپ باپ کی وصیت پر قائم نہ رہینگے تو رعایا پر خراب اثر پڑے گا۔ اور آئندہ ملکی پیچیدگیاں بڑھ جائینگی۔ کیونکہ جب بادشاہ وقت خود معاہدے کا پابند نہ رہے گا تو رعایا بھی اپنے قول و قسم پر قائم نہ رہے گی۔ علاوہ اس کے جعفر ہنوز نابالغ ہے۔ خدانخواستہ اگر ایسا وقت آجائے کہ امیر المومنین کا سایہ ہم پر نہ رہے۔ اُس وقت بلحاظ معاملات سلطنت۔ سیاست۔ اور شریعت کے کون ایسا ہے۔ جس کو ہم امام بنا سکتے ہیں؟ ہادی نے کہا کہ "ہاں! مجھے بھی اس میں تردد ہے۔" تب یحییٰ نے کہا کہ "اس وقت ضرور ہے کہ

فلاں فلاں اشخاص دعویدار خلافت ہو کر اٹھ کھڑے ہونگے۔ اور خلافت اولاد مہدی سے نکل جائیگی" یحییٰ کی آزاد اور عاقلانہ رائے سنکر ہادی بھی متفکر ہوا۔ اور کہا بیشک آپ کا کہنا صحیح ہے۔ اب تک میں غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ جب یحییٰ نے ہادی کو راہ راست پر دیکھا تو مکرر عرض کیا کہ" مصلحت وقت یہی ہے کہ ہارون کو خلع بیعت پر تکلیف نہ دیجائے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ جب جعفر جوان ہوگا تو ہارون کو اس پر آمادہ کرلونگا کہ وہ جعفر کی بیعت قبول کرے"۔ اس قدر گفتگو کے بعد ہادی نے یحییٰ کو رخصت کر دیا۔ لیکن محبت پدری نے اس کو گوارا نہیں کیا کہ بجائے بیٹے کے بھائی تخت نشین ہو۔ اس لئے یحییٰ کو قید کے مصائب جھیلنا ہی پڑے۔ اور ہارون پر پہلے سے زیادہ سختیاں ہونے لگیں۔

ہرثمہ بن اعین[1] سے منقول ہے کہ ایک دن ٹھیک دوپہر کے وقت ہادی نے مجکو خلوت میں بلایا۔ چونکہ ہادی کے مزاج سے میں واقف تھا۔ مارے خوف کے کانپنے لگا۔ اور جب حرم سرا کے اندر داخل ہوا۔ تو سب مصاحبوں کو رخصت کر کے تخلیہ کیا اور مجھے حکم دیا کہ" دروازے کو بند کر کے واپس آ"۔ اس حکم نے میرے رہے سہے ہوش وحواس گم کر دیئے۔ جب میں لوٹ کر آیا تو مجھسے مخاطب ہو کر کہا کہ" اے ہرثمہ! مجھے دن رات اس سگ ملحد (یحییٰ بن خالد) سے سخت تکلیف پہنچ رہی ہے اس کمبخت کو سوائے اس کے اور کوئی کام ہی نہیں ہے کہ میرے سرداران فوج اور اعیان سلطنت کو بھڑکایا کرتا ہے اور اپنے آقا (ہارون الرشید) کی دعوت اور بیعت کا درپردہ اعلان کر کے اس بات پر لوگوں کو آمادہ

حاشیہ [1] یہ نامور فوج کا سپہ سالار تھا اور نسباً ہاشمی تھا۔ جامع الحکایات صفحہ ۳۲۵۔

کر رہا ہے کہ میں قتل کر دیا جاؤں۔ اور ہارون مسند خلافت پر بٹھایا جائے۔ لہذا اسی وقت

ہادی کے احکام

ہارون کی عمر کا خاتمہ کر دے۔ اگر محل میں ایسا موقع نہ لگے۔ تو میری طرف سے پیام دینا کہ بھائی جان یاد کر رہے ہیں۔

تشریف لے چلئے پھر اثنائے راہ سے اپنے گھر لے جا کر کام تمام کر دینا"۔ میں یہ حکم سنکر

حیران رہ گیا۔ اور عرض کیا کہ "اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں"۔ کہا ہاں اجازت ہے

تب میں نے عرض کیا کہ "ہارون الرشید آپ کا حقیقی بھائی ہے اور بعد آپ کے

ولیعہد خلافت ہے۔ اگر آپ کے حکم کی تعمیل کر دی جائے تو خدا کے سامنے آپ کیا جواب

دینگے اور زمانہ کیا کہے گا"۔ میری گفتگو سنکر ہادی نے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ اگر

تعمیل حکم میں توقف ہوا تو تمھارا سر نہ ہو گا۔ پھر وقت رخصت کے کہا کہ "جب میرے اس

حکم کی تعمیل ہو جائے تب جیل میں جانا اور وہاں آل ابوطالب میں سے جس قدر قید ہوں۔

اُن میں سے بعض کو قتل اور بعض کو دجلے میں غرق کر دینا۔ اور جب یہ سب امور طے ہو جائیں

تو ایک لشکر جرار لے کر کوفے کو روانہ ہونا۔ عباسیوں میں سے جو لوگ ہمارے ہوں اُن کو

چھوڑ کر شہر میں آگ لگا دینا کہ کُل شہر جل کر خاک ہو جائے اور جو عمارت جلنے سے بچے

وہ مسمار کر دینا"۔ میں نے عرض کیا کہ "امیر المومنین! یہ تو اہم امور ہیں میں کیونکر ان پر پیشقدمی

کر سکتا ہوں"۔ جواب ملا کہ "یہ لوگ ہمارے دشمن ہیں اور آل ابوطالب کے مددگار ہیں۔ ملک

میں جو فساد ہونگے اُن کے باعث یہی کوفی ہونگے"۔ جب سب ہدایتیں کر چکا تو کہا کہ جب

نصف شب گذر جائے۔ تب یہاں سے باہر جانا اور سب سے پہلے ہارون کو قتل کرنا۔ پھر

ترتیب وار دیگر کاموں پر متوجہ ہونا" یہ کہکر آپ حرم سرا میں چلا گیا۔ میں سمجھا کہ ناخوش ہو کر چلا گیا ہے۔ اب کوئی دوسرا امیر اس خدمت پر مقرر ہوگا اور میں قتل کیا جاؤنگا۔ کیونکہ میں نے کئی بار مخالفت کی ہے اور میرے روکنے سے یہ مطلب ہے کہ افشائے راز نہ ہو۔ چونکہ مجھے یقین تھا کہ میں قتل کر ڈالا جاؤنگا اس لئے میرا دل یہ چاہتا تھا۔ کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بغداد سے نکل کر ایسے ملک کی راہ لوں جہاں کوئی میرا شناسا نہو۔ غرضکہ ان خیالات میں ایسا ڈوبا کہ مجکو نیند آگئی۔ اور اس قدر سویا کہ آدھی رات گذر گئی۔ میں سو رہا تھا کہ ایک خادم نے آکر جگایا کہ "اٹھو امیر المومنین یاد فرماتے ہیں" میں کلمہ شہادت پڑھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور بہت سے حجاب کے پردے طے کرکے وہاں تک پہنچ گیا۔ کہ جہاں سے عورتوں کی باتوں کی آواز میرے کان میں آنے لگی۔ تب میں نے خیال کیا کہ ہادی کا یہ مطلب ہے کہ مجھے کوئی الزام لگا کر قتل کرے۔ اگر میں حرم سرا میں داخل ہو جاؤں۔ تو مجھسے پوچھے گا کہ بلا اجازت کیوں آیا۔ اُس وقت میں کوئی جواب نہ دے سکونگا، اور یہی حیلہ میرے قتل کو کافی ہے چنانچہ اسی خیال کے موافق سب سے اخیر درجے میں جاکر میں ٹھیر گیا۔ خادم نے آگے بڑھنے پر ہر چند اصرار کیا مگر میں نے ایک قدم نہ بڑھایا۔ اور کہا" نعوذ باللہ! میں کیونکر حرم شاہی کے اندر داخل ہو سکتا ہوں۔ اور مجھپر کیا منحصر ہے کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ حرم سلطانی میں داخل ہو" جب خادم نے بہت ضد کی تب میں نے کہا کہ" جب تک امیر المومنین خود نہ بلا دیں گے خدا کی قسم میں آگے قدم نہیں بڑھا سکتا ہوں" چونکہ یہ فقرہ میں نے زور سے کہا تھا۔ اس لئے اندر سے ایک عورت نے

ویلك یا هاشمہ۔ میں خیزران ہوں اندر آ۔ اس وقت میں نے تجکو ایک بہت بڑے کام کے واسطے بلایا ہے" چنانچہ میں اندر چلا گیا۔ خیزران نے ایک دوسرے پردے کی آڑ سے مجھ سے کہا کہ "اے ہرثمہ! موسی (ہادی) نے دنیا سے کوچ کیا اور قضائے الٰہی نے اس کے جور و ظلم سے تجکو اور سب مسلمانوں کو بچا لیا۔ دیکھ اتخت پر ہادی مردہ پڑا ہوا ہے" میں نے پردہ اُٹھا کر دیکھا تو ایک چادر اوڑھے ہوئے ہادی تخت پر لیٹا ہے اور نبض پر ہاتھ رکھا تو بالکل ٹھنڈا پایا۔ تب میں نے خدا کا شکر کیا اور خیزران سے پوچھا کہ یہ واقعہ کیونکر ہوا؟ خیزران نے کہا کہ "میرے بیٹے ہارون اور آل ابوطالب اور اہل کوفہ کے واسطے جو حکم ہادی نے دیا تھا۔ میں اُس کوشش رہی تھی۔ چنانچہ جب ہادی اندر آیا تو میں نے ہارون کے خون کی معافی چاہی اور اُس کو میں نے قسم دی کہ وہ اپنے ارادے سے باز آئے۔ لیکن اُس نے میری بات نہ سُنی اور نہایت سختی سے جھڑک دیا۔ تب میں نے اور بھی نرمی کی اور خدا اور رسول کا واسطہ دیا۔ اور اُس کے سامنے زمین پر سر رکھ دیا لیکن ہادی پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اور تلوار نکال کر مجھسے کہا کہ اگر چُپ نہ ہو جاؤ گی تو ابھی گردن اُڑا دونگا۔ تب میں ناامید ہو کر خاموش ہو رہی۔ اور خدا سے اُس کے حق میں بد دعائیں کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں یہ فتنہ سو رہا۔ جب جاگا تو شدت سے کھانسی آئی اور گلے میں پھندا پڑ گیا۔ میں نے ایک پیالہ پانی کا دیا۔ لیکن پھندا ٹوٹنا تو درکنار۔ وہی پانی پھانسی کا پھندا ہو گیا۔ اور وہ ظالم فنا ہو گیا۔۔ اب تو اسی وقت یحییٰ برمکی کو جیل میں جا کر

ہادی کی موت

حاشیہ۔ ١ مورخین نے ہادی کے اسباب موت میں اختلاف کیا ہے بعض کا قول ہے۔

خبر دے تاکہ ہارون کی بیعت کو تمام کرے۔" چنانچہ جیل سے نکل کر یحییٰ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ ہارون کو جو خواب راحت میں سو رہا تھا جگا کر مژدۂ خلافت سنایا۔ ہارون نے نہایت یاس سے کہا "دیکھو[۱] تم ہنسی کرتے ہو۔ بھائی صاحب سن لینگے تو یہی ہنسی بلائے جان ہو جائیگی۔" یحییٰ نے عرض کیا کہ "قضائے الٰہی نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا۔ آپ اطمینان سے سریر خلافت کو زینت دیں" اسی گفتگو میں خواص مژدہ لائی کہ مشکوئے معلےٰ میں وارث تاج و تخت پیدا ہوا۔ یہی وہ مبارک فال لڑکا تھا جس کی قسمت میں مامون الرشید

ہارون کی تخت نشینی

اعظم ہونا لکھا تھا۔ چنانچہ شنبہ کی رات ربیع الاول ۱۷۰ھ ۔ ۱۴ ستمبر ۷۸۶ء کی مطوبق تاریخ کو بڑی دھوم دھام سے بمقام عیسے آباد ہارون الرشید تخت نشین ہوا۔[۲] مورخ صولی کا قول ہے کہ یہ رات بھی عجیب تھی جس میں ایک خلیفہ (موسےٰ ہادی) نے وفات پائی۔ دوسرا (ہارون الرشید) تخت خلافت پر بیٹھا۔ تیسرا (مامون الرشید) عالم وجود میں آیا۔[۳] جب صبح ہوئی تو رشید کی بیعت عام طور پر ہو چکی تھی اور یحییٰ نے رات ہی رات کل انتظام کر کے ہارون الرشید کو تخت پر بٹھا دیا تھا۔ بہرحال خلاصہ اس تمام تحریر کا

بقیہ حاشیہ۔ کہ اس کے گلے میں ایک زخم تھا۔ جس کے صدمے سے فوت ہوا۔ بعض کا خیال ہے کہ جب ہادی نے خیزران کو زہر دینا تجویز کیا اور اس کا راز کھل گیا تو خیزران نے بسبب فرط محبت ہارون کے ہادی کو زہر دیا اور خیزران کی کنیزوں نے سوتے میں گلا دبا دیا ہادی نے کل سوا برس خلافت کی۔ خلافت کے سنبھالنے کی اگرچہ طاقت نہ تھی لیکن تاہم رعب دالا۔ اور فصیح و ادیب تھا۔ ہادی پہلا خلیفہ ہے جس کی اردلی میں سپاہی ننگی تلواریں لے کر چلتے تھے۔ اس کے عہد میں زندیق بکثرت قتل ہوئے۔ ماخوذ از سیوطی وغیرہ [۱] المامون صفحہ ۱۱۔ [۲] تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۱۱۱ و عقد الفرید جلد ۳ صفحہ ۴۲۴ [۳] عربوں نے اس رات کا نام لیلۃ الہاشمیہ رکھا ہے۔

یہ ہے کہ یحییٰ برمکی نے ہارون الرشید کے حصول خلافت میں انتہا درجے کی کوشش کی
تھی۔ اور چونکہ ہارون الرشید ہمیشہ خانہ جنگیوں اور سیاسی جوڑ توڑ سے پرہیز کیا کرتا تھا۔
اس لئے ممکن تھا کہ ہادی اپنے ارادے میں کامیاب ہوجاتا لیکن یحییٰ کے حسن تدبیر و
دیانت نے ہادی کو مرتے دم تک کامیاب نہ ہونے دیا۔ لیکن ہارون الرشید نے بھی یحییٰ
کی کوششوں کا جو بچپن سے عالم شباب تک کی گئیں تھیں عمدہ صلہ دیا۔ اور تخت پر بیٹھ کر

یحییٰ کی وزارت

سب سے پہلے جو حکم لکھا۔ وہ یہ تھا کہ یحییٰ[1] برمکی مستقل وزیر اعظم
کیا گیا۔ اس لئے ہارون کی خلافت اور یحییٰ کی وزارت کی ایک
ہی تاریخ سمجھنا چاہیئے۔

یحییٰ کی وزارت اور اس کا اقتدار۔ فرائض منصبی۔ علوم کی اشاعت۔ فنون فلسفہ کے ترجمے۔ ذوق علمی۔ بیت الحکمۃ۔ مجالس مناظرہ۔ حکیمانہ اقوال۔ خاتمہ

خلافت عباسیہ میں ہارون الرشید اگرچہ پانچواں تاجدار تھا۔ لیکن شان و شوکت
اور عظمت و جلال میں خلیفہ منصور و مہدی سے بڑھ کر تھا۔ چنانچہ مدبری ہوشیاری وغیرہ

حاشیہ [1] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ شوال ۱۷۰ھ مطابق ۱۰ مارچ ۷۸۶ء یوم دوشنبہ کو یحییٰ وزیر مقرر کیا گیا ہے۔
اور یہی تاریخ ولادت امین الرشید کی ہے۔

کے لحاظ سے مؤرخین نے اس کو واسطۃ الخلفا کا خطاب دیا ہے جو اس کے واسطے بہت موزون تھا۔ جیسا خود قابل اور جامع صفات تھا۔ ویسا ہی عاقل اور بیدار مغز وزیر بھی خدا نے اس کو دیا۔ مؤرخ صولی نے کتاب الاوراق میں لکھا ہے کہ جب ہارون تخت نشین ہوا۔ اور وزارت اعظم کے درجے پر یحییٰ برمکی ممتاز کیا گیا۔ تو ابراہیم موصلی نے تہنیت میں یہ اشعار پڑھے

اشعار تہنیت ابراہیم الموصلی

الم تران الشمس کانت مریضۃ	تم نے نہیں دیکھا آفتاب بیمار تھا۔
فلما أتی هرون اشرق نورها	جب ہارون آیا تو اس کی روشنی چمک اٹھی۔
فلبست الدنیا جمالا بملکه	دنیا نے اس کی سلطنت سے خوبصورتی کا لباس پہن لیا۔
فهرون والیها ویحیی وزیرها	کیونکہ اب ہارون بادشاہ ہے۔ اور یحییٰ اس کا وزیر۔

جس کے صلے میں ہارون نے ایک لاکھ اور یحییٰ نے پچاس ہزار درہم مرحمت کئے۔

اعلام الناس میں لکھا ہے کہ جب ہارون الرشید کی تخت نشینی کی شہرت اطراف سلطنت میں پھیلی تو ایک بدو (اعرابی) دربار میں آیا اور کہا میں نے خواب دیکھا ہے۔ جیسے کوئی شخص مجھ سے کہتا ہے کہ اب ہارون الرشید تخت نشین ہوا ہے تو اس کے حضور میں یہ اشعار پہنچا دے۔" ہارون نے بدو کا مطلب سمجھ لیا اور حکم دیا " اچھا پڑھو" اجازت پانے پر اس نے یہ چار شعر پڑھے۔

حاشیہ سلہ سیوطی صفحہ ۱۱

سلہ اعلام الناس صفحہ ۱۰۰۔ خلافت ہارون۔

اشعار اعرابی

تَوارثت خلافۃ من قریش	تو نے خلافت قریش سے ورثہ میں پائی ہے۔
تزف الیکما ابداً عروساً	وہ خلافت ہمیشہ تم دونوں کے پاس دولھن بنکر آئیگی۔
الی ھارون تھدی بعد موسیٰ	موسےٰ کے بعد ہارون کے پاس ناز کرتی ہوئی جائیگی۔
تمیس وما لھا ان لا تمیسا	اور جب یہ موقع حاصل ہو۔ تو وہ کیوں نہ ناز کرے۔

جب اعرابی پڑھ چکا تو بہت کچھ انعام دے کر رخصت کر دیا۔

ابتداے خلافت[1] میں مثل زمانہ ہادی کے تمام امور سلطنت خیزران کے مشورے کے مطابق ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہارون و یحییٰ میں مادہ حکمرانی کا نہ تھا یا اُن کو حکومت میں پورا دسترس نہ تھا۔ بلکہ اُن کو خیزران کی خاطرداری منظور تھی۔ اور اُن صدمات کی تلافی بھی جو ہادی کی موت سے خیزران کو پہنچے تھے لیکن [2]۱۷۳ھ سے بعد انتقال خیزران کے تمام سپید و سیاہ کا مالک یحییٰ برمکی تھا۔ اور چونکہ بچپن سے یحییٰ کی گود میں ہارون نے پرورش پائی تھی۔ اس لئے یحییٰ کے کاموں میں دخل نہ دیتا تھا یحییٰ جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ اور اوسکا[3] یہ حال تھا کہ کبھی یحییٰ کا نام

یحییٰ کا اعزاز

نہیں لیا جب خطاب کرتا تو پیارے باپ یا دوسرے معزز الفاظ سے یاد کرتا۔ بعد تخت نشینی کے ہارون نے یحییٰ کا بڑے قیمتی الفاظ میں اس طرح پر شکریہ ادا کیا کہ اے باپ! آج میں دربار عام میں بیٹھا ہوا ہوں۔ اس مجلس

حاشیہ [1] ابن خلدون صفحہ ۲۱۶ و ۲۲۳ جلد ۳ [2] ابو الفدا صفحہ ۱۳ جلد ۲۔ [3] ابن خلکان صفحہ ۲۲۲ جلد ۲۔

میں مجکو صرف آپ کی برکت اور حسن تدبیر سے جگہ ملی ہے"۔ اور تخت پر بیٹھتے ہی انگوٹھی جسکو تمغہ وزارت کہنا چاہئے یحییٰ کے سپرد کردی اور یہ کہا[1] کہ

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

یحییٰ کی وزارت پر موٴرخین کی رائے

موٴرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یحییٰ ایک خود مختار وزیر اعظم تھا۔ تمام معاملات میں اُس کا جو جی چاہتا تھا کرتا تھا ابن خلکان نے لکھا ہے کہ "وزیر یحییٰ نہایت عاقل۔ کریم۔ اور فصیح و بلیغ تھا۔ معاملات سلطنت میں اس کی نظر نہایت غائر تھی اور یہی وجہ تھی۔ کہ ہارون اِس کی بات رد نہیں کرتا تھا" تجارت[2] میں آسانی کی غرض سے جب ہارون نے بحر روم اور بحر قلزم میں آمد و رفت کھولنی چاہی تو یحییٰ نے کہا" روم والے حجاز میں گھس آئیں گے اور مسجد الحرام سے نمازیوں تک کو اٹھالے جائینگے" اس لئے یہ ارادہ موقوف رہا۔ اور ابتدا اے خلافت میں جو عالمگیر شہرت ہارون الرشید کو ہوئی اس کا باعث یحییٰ برمکی تھا۔ کیونکہ فضل و جعفر کے عہد وزارت میں سلطنت بہت کچھ مستحکم ہو چکی تھی۔

دربار کے اہل کمال

جاحظ کا قول ہے کہ جیسے ارباب کمال ہارون کو میسر ہوئے وہ دوسرے خلیفہ کو میسر نہیں ہوئے۔ کیونکہ وزارت میں برامکہ

حاشیہ[1] ہارون رشید کے اصل الفاظ یہ ہیں قد قلدتک إمر الرعیۃ فاحکم فیھا بما تری و اعزل من رأیت و استعمل من رأیت ودفع الیہ خاتمہ" کامل ابن اثیر صفحہ ۶۲ جلد ۶۔

[2] تاریخ الخلفا سیوطی صفحہ ۱۱۲

عہدۂ قضا پر امام ابو یوسف شاعروں میں مروان[1] بن ابی حفصہ ندیموں میں عباس

حاشیہ[1] باستثنائے مروان بن ابی حفصہ باقی اہل کمال کے مختصر حالات آگے چل کر لیں گے۔ لہٰذا اس موقع پر مختصر حال اس شاعر کا لکھا جاتا ہے "ابو السمط مروان بن ابی حفصہ بن سلیمان بن یحییٰ نسباً و مذہباً یہودی تھا۔ اس کا باپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا مروان بن الحکم کے پاس آکر مسلمان ہوا تھا۔ مدینے والے اس کو سموئیل بن عادیا یہودی کا جس کی وفاداری عرب میں مشہور ہے غلام سمجھتے تھے۔ اور ایک روایت ہے کہ اصطخر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس قیدیوں میں اس کا باپ آیا تھا۔ اور حضرت نے مروان کو دے دیا تھا۔ مروان کے قصائد خلیفہ مہدی اور ہارون کی مدح میں مشہور ہیں علویوں کی ہجو گوئی سے دربار ہارون میں اس کی عزت بڑھ گئی تھی۔ معن بن زائدہ شیبانی کی مدح میں اس کا قصیدہ لامیہ بہت مشہور ہے۔ اور اسی قصیدے کی وجہ سے تمام شعرا پر تذکرہ نویسوں نے اس کو فضیلت دی ہے۔ اس قصیدے کا صلہ مروان کو اس قدر ملا تھا کہ وہ اس کے اٹھانے سے عاجز تھا۔ اور مہدی عباسی اسی قصیدے سے ناراض ہو گیا تھا چنانچہ جامع الحکایات میں لکھا ہے کہ بعد انتقال معن کے جب مروان مہدی کے سامنے آیا۔ تو مہدی نے اس قصیدے کے دو شعر پڑھے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

بشہر خویش پس از معن اگر شوم ساکن   روا بود کہ در ایام ہیچ معنے نیست

بکار روم زکہ خواہم عطا کہ در عالم   چو معن ہیچ کریمے بہ بذل و معنے نیست

پھر مروان سے کہا کہ جب دنیا سے سخاوت اٹھ گئی اور معن مر گیا تو پھر اب ہم سے تو کیا چاہتا ہے کیونکہ سوائے معن کے دنیا میں اب کون ایسا ہے کہ جو تیرے ساتھ فیاضی کر سکتا ہے" اور دربار سے مروان کو نکال دیا۔ لیکن دوسرے سال پھر دیگر شعرا کے ہمراہ مروان خلیفہ کے سامنے آگیا۔ اور اپنا قصیدہ پڑھنا شروع کیا جس کا مطلع یہ تھا ؎

بر من آمدہ ناگہ زروے دوست خیال + حیا دو عنج درم ہیجۂ بہ حسن و جمال + جب تشبیب کے اشعار ختم ہو گئے اور مدح کے اشعار آئے تو مہدی کو وجد کی حالت طاری ہو گئی اور اسی جوش میں تخت سے اتر کر فرش پر آگیا۔ اور بعد ختم قصیدہ کے ایک لاکھ درہم دیئے۔ اور یہ سب سے پہلی رقم تھی کہ ایک شاعر کو دولت عباسیہ سے ملی تھی۔ ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے ؎

از آسمان نتوانند کرد اگر خواہند   کہ بستر ندہ بپوشند از نجوم و ہلال

چگونہ منکر گردند این مقالت را   کہ کردہ اند بر لفظ جبرئیل نزال

خلافت ارث و بیست دریں حدیث مرا   گواہ باز پسین آیت ست در انفال

جب پہلی مرتبہ ہارون الرشید کے سامنے مروان آیا ہے تو اس نے بھی اسی طرح پر گفتگو کی تھی لیکن پھر قصیدہ سنکر فی بیت کے حساب سے ستر ہزار درہم دیئے اور جبتک مروان زندہ رہا ہارون الرشید نے اس کے قصائد کا صلہ فی بیت کے حساب سے ہزار درہم دیا۔ اور مہدی کی فیاضی کی یاد گار قائم رکھی۔ ادبی صنفات

بن محمد عباسی حاجبوں میں فضل بن الربیع مغنیوں میں ابراہیم الموصلی اور ہارون کی ذات خاص سے جس چیز کا تعلق تھا وہ اُس کی پیاری بیگم زبیدہ خاتون تھی۔

عہد ہارون میں سب سے زیادہ جس چیز نے یحییٰ برمکی کی وزارت کو فیاضی اور شاہانہ شان و شوکت کے علاوہ تمام دنیا میں مشہور کر دیا وہ اُس کے علمی کارنامے ہیں۔ اور علوم فلسفہ و حکمت کی عام قدر دانی کا یہ نتیجہ ہے کہ صفحاتِ تواریخ پر آج تک یحییٰ کا نام نامی ثبت ہے۔ اسلئے مختصر حالات محکمہ ترجمہ کے جو بیت الحکمۃ کے نام سے مشہور ہے لکھے جاتے ہیں۔ اس بیت الحکمۃ کا بانی اگرچہ ہارون الرشید کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اصلی انجینیر جس نے اس عمارت کا نقشہ بنایا پھر علوم و فنون کے مرقعوں سے اس کے در و دیوار کو سجا دیا وہ یحییٰ برمکی ہے کیونکہ اسی عالم وزیر کے مشورے سے ہارون الرشید نے یہ محکمہ قائم کیا تھا۔ اب قبل اس کے کہ ہم ناظرین کو بیت الحکمۃ کی سیر کرائیں۔ مختصر طور پر پہلے ابتدائی تاریخ ترجمہ علوم یونانی کے لکھتے ہیں۔ کیونکہ اس بیت الحکمۃ کا پہلا دروازہ یہی ہے۔ جس میں قدم رکھتے ہی برامکہ کے ذوق علمی کا ناظرین کو اندازہ ہو جائے گا اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ گزشتہ عہد حکومت میں کس قدر علمی ترقی ہوئی تھی اور عہد عباسیہ میں اُس پر کیا اضافہ ہوا۔

ترجمہ علوم یونانی کی ابتدائی تاریخ

اگرچہ عام مؤرخین نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے ترجموں کی بنیاد ڈالی وہ خلافت عباسیہ کا دوسرا تاجدار ابو جعفر منصور ہے لیکن مستند شہادتوں سے پایا جاتا ہے کہ خلفاء بنی اُمیّہ کے

کے عہد سے ترجمہ علوم یونانی کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اول میں جو ترجمے ہوئے
تھے وہ صرف علم طب کے متعلق تھے۔ جب کسی قدر علمی مذاق کی ترقی ہوئی تو پھر فلسفہ اور
علم حکمت وغیرہ کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ لیکن خلفاے بنی امیہ کی قدردانی کے ساتھ ہی علماے
یہود اور عیسائیوں کا بھی ممنون ہونا چاہئے جن کی توجہ سے یہ نایاب ذخیرہ علوم و فنون کا عربی
میں آگیا۔ کیونکہ بیت المقدس کی بربادی کے بعد جو طیطوس رومی کے ہاتھ سے ۷۰ء میں
ہوئی تھی۔ تمام ممالک شام اور عراق عرب میں یہودی پھیل گئے تھے۔ اور جہاں جاتے
تھے علمی مذاق ساتھ لے جاتے تھے۔ ایک دو صدی کے گزرنے پر خوش قسمتی سے عیسائی بھی
یہودیوں کے شامل ہو گئے اور دونوں قوم کے اطبا نے مل کر جندی سابور میں طبی مدرسہ
(مڈیکل کالج) قائم کیا۔ اور طب کے متعلق جس قدر سرمایہ تلف ہونے سے باقی رہ گیا تھا۔
اس کو جمع کیا چونکہ نیت کے اچھے اور ارادے کے مستقل تھے۔ اس لئے روزبروز ترقی ہوتی
گئی۔ جب خلفاے بنی امیہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے بھی مجبوری سے یا علم کی قدردانی سے
اُن علما کی سرپرستی کی کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ بیمارستان (ہسپتال) اور شاہی
محلات کے طبیب (ڈاکٹر) مشہور کالجوں کے اعلےٰ مدرس (پروفیسر) سررشتہ تعلیم کے مہتمم
(ڈائرکٹر) خلیفہ کے مصاحب۔ اور سلطنت کے اعلےٰ رکن یہی یہودی یا نسطوری عیسائی ہوتے
تھے۔ چونکہ صحبت کا اثر سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسلئے خلفاے بنی امیہ میں انھیں معزز علما
کی وساطت سے علوم فلسفہ اور حکمیہ کا ترجمہ ہونا شروع ہوا۔ ابن آثال عیسائی جو دمشق

حاشیہ سلہ علم فلسفہ کی ابتدا ملک یونان سے ہوئی ہے۔ ابتداءً فلسفے میں وجود اور وحدانیت ذات باری اور تکون

کے اطبا میں ممتاز درجہ رکھتا تھا امیر معاویہ متوفی یوم شنبہ رجب ۶۰ھ مطابق اپریل ۶۸۰ء کا طبیب تھا۔ جس نے یونانی زبان سے امیر کے واسطے بعض کتب طبیہ کا ترجمہ بھی کیا تھا۔ اور اس کے بعد اپنی علمی قابلیت سے حمص کا افسر خزانہ مقرر ہو گیا تھا۔ مؤرخین کے نزدیک عرب کی زبان میں جو سب سے پہلا اضافہ ہوا۔ وہ یہی تھا۔ لیکن یہ ذوق شوق امیر کی قدردانی سے

بقیہ حاشیہ - عالم اور مبدء اول کے مضامین تھے۔ اس دور اول میں سات فلاسفہ مشہور ہیں - جن کے یہ نام ہیں -

تالیس الملیطی - انکساغورس - الکیمائن - انباذقلس - فیثاغورس - سقراط - افلاطون - دوسرے دور میں بقراط - دیمقراطیس - وغیرہ مشہور ہوے لیکن ان کے مسائل کا پتہ بمشکل لگتا ہے - کیونکہ فلاسفہ اسلام نے انکے حالات بہت کم لکھے ہیں - پانچویں اور چوتھی صدی قبل سنہ عیسوی کے اہل یونان اس کے قائل تھے کہ تمام عالم آپ سے آپ پیدا ہو گیا ہے اور متغیر ہے - اور اطالین عالم کو غیر متغیر اور قائم بالذات جانتے تھے لیکن جب سقراط - افلاطون - ارسطو کا زمانہ شروع ہوا تو فلسفے کا رنگ بدل گیا - کیونکہ سقراط نے الہیات - اور طبعیات کے بجاے اخلاق کا درس دینا شروع کر دیا تھا - اور حکیم افلاطون نے عقل اور نفس کلی کے مسئلے ایجاد کر دئے تھے - چنانچہ درسگاہوں میں یہ مضامین پڑھائے جاتے تھے - لیکن ایک صدی کے بعد ارسطو نے منطق کو مدون کیا - اور طبعیات کو دلائل سے ثابت کیا - اسی زمانے میں مشائین اور رواقین گروہ کی بنیاد قائم ہوئی - اب تک جس قدر علمی ترقی ہو چکی تھی - اس پر تیسری صدی قبل عیسوی میں بہت کچھ اضافہ ہوا - کیونکہ اسکندریہ سے فیض پھیلنا شروع ہوا اور علم ریاضی اور حساب ہیئت وغیرہ میں بہت کچھ ترقی ہوئی - لیکن بطلیموس کے زمانے کے بعد قبل دوسری صدی فلسفے کا رواج عیسائیت نے گھٹا دیا - اور عام خیالات علوم اوائل کیطرف رجوع ہو گئے - اور فلسفے میں کشف - کرامات و اشراق - داخل ہو گیا اور کئی صدی تک یہی فلسفہ جاری رہا - آخرکو شاہان روم کے حکم سے فلسفے کی تعلیم بند کر دی گئی - اور فلاسفہ ملک سے نکال دیے گئے - اسکے بعد فلسفے میں جو ترقی ہوئی - وہ جسقدر انقلاب ہوے - وہ عہد اسلام سے متعلق ہیں - جسکی تشریح کے واسطے ایک طولانی مضمون کی ضرورت ہے -

روز بروز بڑھتا گیا چنانچہ ماسرجویہ جو یہودی تھا جو دربار امیر معاویہ میں ایک معزز درجہ رکھتا تھا علامہ ابن ابی اصیبعہ لکھتے ہیں کہ۔

ماسرجویہ متطب البصرۃ وھو الذی نقل کتاب اھرن من السریانی الی العربی وکان یھودی المذھب سریانیا وقال سلیمان بن حسان المعروف بابن جلجل ان ماسرجویہ کان فی الایام بنی امیۃ وانہ تولی فی الدولۃ المروانیۃ تفسیر کتاب اھرن بن اعین الی العربیۃ	ماسرجویہ طبیب بصرہ نے کتاب اہرن قس سریانی سے عربی میں ترجمہ کی۔ یہ طبیب یہودی تھا۔ اور ملک شام میں رہتا تھا سلیمان بن حسان المعروف بابن جلجل کی روایت ہے کہ ماسرویہ بنی امیّہ کے عہد سلطنت میں تھا۔ اسی زمانے میں اس نے کتاب اہرن کا ترجمہ سریانی سے عربی میں کیا۔

حاشیہ ۱؎ چونکہ مسلمانوں میں یہودی اور نسطوری اطبا کے سبب سے علوم یونانیہ کا رواج ہوا تھا۔ اسلئے عہد اسلام میں ان علما اور حکما کی کمال عزت کی جاتی تھی۔ اور کوئی بڑے سے بڑا عہدہ اور منصب ایسا نہیں تھا کہ جو ان لوگوں کو نہ دیا گیا ہو اور صرف اسی پر اکتفا کیا جاتا تھا بلکہ تمام امور معاشرت میں مسلمانوں اور غیر قوم کے حقوق مساوی تھے۔ مذہبی عہدوں کے سوا وقار اور کتابت تک ان لوگوں کے قبضے میں تھے۔ چنانچہ ابن سرجون عیسائی عبدالملک بن مروان کا کاتب تھا اور تیاذوق حجاج بن یوسف کا مصاحب خاص تھا۔ بختشوع اور جبرئیل عیسائی خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں وزرائے زیادہ اقتدار رکھتے تھے۔ بڑے بڑے فوجی اور ملکی عہدہ داروں کی رپورٹیں انھیں کے ذریعے سے خلیفے تک پہنچتی تھیں۔ بغداد اور جندی سابور کے میڈیکل کالج کے پروفیسر اکثر یہودی طبیب تھے۔ علے ہٰذا القیاس معتصم باللہ کے زمانے میں سلمویہ بن بنان عیسائی کو یہ عزت حاصل تھی کہ خلیفہ کے تمام فرامین سلمویہ کے دستخط سے جاری ہوتے تھے۔ بلکہ معتصم سلمویہ کو قاضی القضاۃ سے بڑھ کر مانتا تھا۔ ناظرین اگر مسلمانوں کی انصاف پسندی علمی قدردانی اور بلا تعصبی کے مفصل حالات دیکھنا چاہیں تو عیون الانبا ملاحظہ فرمائیں جس میں ان حکما کی مفصل سوانح عمری ہے۔

وجدہ عمر بن عبد العزیز فی خزائن الکتب فامر باخرجه ووضعه فی مصلاہ واستخار الله فی اخراجه الی المسلمین للانتفاع به۔ فلما تم له فی ذلک اربعون صباحا اخرجه الی الناس وبثه فی ایدیهم	حضرت عمر بن عبد العزیز نے جب کتب خانہ سے یہ کتاب پائی تو اسے نکالنے اور اپنی جائے نماز میں رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور مسلمانوں کے نفع کی غرض سے استخارہ کیا۔ جب چالیس دن استخارے کو ہو چکے تو پھر کتاب کو شائع کر دیا اور لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا۔

خالد بن یزید کا علمی زمانہ امیر معاویہ کے بعد خالد بن یزید بن معاویہ (المتوفی ۸۵ھ ہجری) کے زمانے میں پچھلی کوششوں پر خاص توجہ کی گئی اور ترجمے کی بنیاد ڈالی گئی۔ چنانچہ شمس العلما مولانا شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں کہ "جس[1] اولیت کا تمغہ مورخوں نے منصور عباسی کے لئے تجویز کیا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس کا مستحق خالد تھا۔ کیونکہ خلفائے اسلام میں سب سے پہلے جو خلیفہ حکیم کے معزز لقب سے پکارا گیا وہ خالد ہے" علامہ ابن الندیم تحریر فرماتے ہیں کہ خالد خود فاضل تھا اور بلند ہمتی کے ساتھ علوم سے خاص محبت رکھتا تھا۔ جب اس کو صنعت کا خیال آیا تو یونانی فلاسفروں کو جمع کیا جو مصر میں رہا کرتے تھے۔ اور فصیح عربی بولتے تھے۔ ان لوگوں کو اس نے حکم دیا کہ علم صنعت میں جو کتابیں یونانی اور قبطی زبانوں میں ہیں ان کے ترجمے عربی زبان میں کریں۔[2] چنانچہ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حاشیہ [1] گزشتہ تعلیم مسلمانان صفحہ ۹ [2] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۱۱

ابوھاشم خالد بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان الاموی رمتوفی ۸۵ھ	خالد امیر معاویہ کا پوتا متوفی ۸۵ھ قوم قریش میں سب سے زیادہ ماہر علم و فن تھا۔
کان من اعلم قریش بفنون العلم وله کلام فی صنعة الکیمیا والطب	کیمیا اور طب میں اس کی تصنیف ہے۔ ہر دو علم میں اعلیٰ درجے کا کمال رکھتا تھا۔ اور یہ تصنیفات اسکی
وکان بصیراً بھذا العلمین متقنا لھما وله رسائل دالة علی معرفة وبراعة	لیاقت اور فضیلت علمی پر دلالت کرتے ہیں ۔
واخذ الصنعة عن رجل من الرھبان یقال له مریانس الرومی	اس نے ایک رومی راہب سے جس کا نام مریانس (مریانوس) تھا علم صنعت حاصل کیا تھا اور طب بھی اسی حکیم سے پڑھی تھی۔

خالد کی تصنیفات ابن الندیم کے زمانے تک موجود تھیں اور خود مؤرخ مذکور نے جن کی سیر کی ہے وہ کتاب الحرارت ۔ کتاب الصحیفة الکبیر ۔ کتاب الصحیفة الصغیر ۔ ہیں ۔ اس عہد کا مشہور مترجم اصطفن[۱] تھا ۔ جس نے دیگر مترجمین کی اعانت سے صنعت وغیرہ کی کتابیں یونانی سے عربی میں ترجمہ کیں تھیں ۔ مستند شہادتوں[۲] سے پایا جاتا ہے کہ علاوہ

حاشیہ[۱] اسماء النقلة اصطفن القدیم نقل لخالد بن یزید کتب الصنعة وغیرہ کشف الظنون جلد ۲

عه وکان خالد بن یزید بن معاویہ یسمی حکیم آل مروان فاضلا فی نفسه له ھمته ومحبة العلوم خطر بباله الصنعة فاحضر جماعة من الفلاسفة فامرھم بنقل الکتب فی الصنعة من الیونانی الی العربی وھذا اول ما نقل فی الاسلام ۔ یعنی خالد کو حکیم آل مروان کہتے تھے یہ خود بھی عالم اور علم دوست تھا ۔ جب دل میں صنعت کا خیال آیا ۔ تو اس نے جماعت فلاسفہ کو جو اس کے پاس موجود تھی حکم دیا کہ یونانی سے عربی میں صنعت کی کتابیں ترجمہ کریں ۔ چنانچہ اسلام میں جو پہلے پہل ترجمہ ہوا وہ یہی تھا ۔

ابجد العلوم جلد ۲ ۔ صفحہ ۱۶۶

اصطفن کے اور بھی ایک جماعت فلاسفہ کی خالد کے پاس موجود تھی لیکن افسوس ہے کہ ان کے ناموں کے متعلق ہماری واقفیت محدود ہے۔ بعد خالد کے پھر چنداں توجہ فلسفہ پر نہیں ہوئی یہاں تک کہ ۱۳۲ھ میں بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ لیکن علمائیں جو سلسلہ تالیف اور تصنیف کا جاری ہوچکا تھا وہ بدستور ترقی کرتا رہا۔ اور اشعار عرب۔ لغت۔ انساب۔ ایام العرب۔ غزوات۔ سیر۔ تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ اور کلام وغیرہ کے متعلق کافی سرمایہ پیدا ہوگیا (دیکھو حالات عہد منصور) لیکن جو علمی ترقی عہد منصور سے اب تک ہوئی تھی وہ حقیقت میں آئندہ کامیابی کا ایک مختصر دیباچہ تھی۔ اس لئے یحییٰ برمکی نے ہارون الرشید کا ذوق وشوق دیکھ کر فنون فلسفہ کے تراجم اور مفید علوم کی اشاعت پر خاص توجہ کی اور ایک عالیشان محکمہ ترجمہ کا قائم کیا جس کا نام "بیت الحکمۃ" تھا

بیت الحکمۃ

اس محکمے میں یہودی۔ عیسائی۔ پارسی۔ اور ہندو عالم ترجمہ پر مقرر تھے۔ جو ہمیشہ ژند۔ یونانی۔ شامی۔ اور سنسکرت کی کتابوں سے فنون حکمت اور قدیم یونانی طب وغیرہ کے ترجمے کیا کرتے تھے۔ اور یہی ترجمے ملک میں شائع ہوا کرتے تھے۔ یحییٰ برمکی نے فارسی تصنیفات پر بسبب فارسی الاصل ہونے کے اگرچہ زیادہ توجہ کی لیکن دیگر زبانوں کی طرف بھی کچھ کم متوجہ نہیں ہوا۔

ہندوستانی علمی خزانے مہیا کرنا

چنانچہ یحییٰ پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان میں قاصد بھیجے اور بڑے بڑے نامی پنڈت اور حکیموں کو دربار میں بلایا ان میں سے

منکہ ۔ اور صالح رسالی (بن بہلہ) مشہور پنڈت ہیں ۔ جو ترجمے پر مقرر تھے ۔ ان پنڈتوں کے ذریعے سے ہندوستان کا بہت بڑا علمی سرمایہ بیت الحکمۃ میں پہنچا ۔ اور غالباً جب ان حکیموں کی اسلامی سلطنت میں اس قدر عزت افزائی ہوئی تو اور بھی نامی پنڈت ہندوستان سے بغداد پہنچے جن میں سے کنکہ ۔ صنجہل ۔ شاناق ۔ جودر ۔ بہت مشہور ہیں ۔ ان حکیموں نے ہندوستان کے نامی اطبا اور حکما کی تصنیفات کو فارسی اور عربی میں ترجمہ کیا ۔

نہایت افسوس ہے کہ بیت الحکمۃ کے حالات میں کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی جس سے

منکہ نوٹ لہ یہ فیلسوف علم طب اور حسن معالجہ میں مشہور تھا ۔ علاوہ علم لغت اور علوم ہندیہ کے فارسی و عربی خوب جانتا تھا ۔ کتاب " اخبار الخلفا والبرامکہ " میں لکھا ہے کہ ہارون ایک مرتبہ کسی سخت عارضے میں مبتلا ہو گیا ۔ اور کسی طبیب کے علاج سے فائدہ نہ ہوا ۔ تب ابو عمر الاعجمی نے کہا کہ ہندوستان میں منکہ نامی ایک مشہور طبیب ہے اگر امیر المومنین اس کو طلب کریں تو اس کے علاج سے ضرور شفا ہو جائے گی ۔ چنانچہ ہندوستان سے یہ نامی طبیب بلایا گیا ۔ اور اس کے علاج سے فائدہ ہو گیا ۔ سنسکرت سے فارسی میں اس حکیم نے بہت کتابیں ترجمہ کیں ہیں ۔

صالح بن بہلہ (الفنسٹن صاحب نے اس کا نام صالی لکھا ہے) ہندوستان کے عالموں میں ایک مشہور شخص تھا ۔ معالجات سے پورے طور پر واقف تھا ۔ یہ بھی اسی زمانے میں ہندوستان سے آیا تھا ۔ اس طبیب کا ایک معرکہ کا علاج جو متعلق ابراہیم عباسی شوہر شہزادی عباسہ کے ہے حالات جعفر برمکی میں تحریر ہو گا ۔

کنکہ لہ ہندوستان کے اگلے حکیموں میں یہ سب پر فائق تھا ۔ علم طب میں اس کو بڑا کمال تھا ۔ ادویہ کے خواص اور ان کی تاثیرات سے ماہر تھا ۔ علم نجوم اور ہیئت میں بھی اس کی شہرت تھی ۔ چنانچہ ابو معشر بلخی نے کتاب الالوف میں لکھا ہے کہ علمائے ہند میں کنکہ علم نجوم میں سب سے مقدم ہے ۔ اس کی تصنیفات سے نموذار فی الاعمار ۔ واسرار الموالید ۔ والقرانات الکبیرہ ۔ والقرانات الصغیرہ ۔ وکتاب فی التوہم ۔ وکتاب فی الاحداث عالم والدور فی القران ۔ اور قرابادین (جسکو عربی میں کناش کہتے ہیں) مشہور ہیں علاوہ طبابت کے ترجمے کا کام بھی اس کے سپرد تھا ۔ الفنسٹن صاحب نے تاریخ ہند میں اس کا نام منکہ لکھا ہے حالانکہ وہ دوسرا حکیم ہے ۔

صنجہل یہ بھی ہندی طبیب ہے ۔ علم نجوم خوب جانتا تھا ۔ اس کی تصنیفات میں سے کتاب المو الید الکبیر مشہور ہے ۔ بعد صنجہل کے اس وقت ہندوستان میں جو علم طب اور نجوم کے ماہر مشہور تھے وہ باکھر ۔ راجہ ۔ صکہ ۔ داہر ۔ انکر ۔ زنکل ۔ جبہر ۔ اندی ۔ جاری ۔ ہیں ۔ انہیں کی تصنیفات پر اس زمانے میں علم نجوم و طب کا انحصار تھا

تراجم کی تفصیل اور ہر مترجم کے حالات معلوم ہوتے۔ مگر تاہم تاریخوں میں تلاش کرنے سے چند کتابوں کا پتہ چلتا ہے جو خاص یحییٰ برمکی کے حکم سے ترجمہ ہوئیں یا دیگر مترجمین نے خود ترجمہ کر کے بطور نذر کے یحییٰ کے سامنے پیش کیں مختصر حالات ذیل کے نقشے سے معلوم ہونگے۔

نمبر شمار	نام کتاب جس کا ترجمہ ہوا یا تالیف و تصنیف ہوئی	نام مصنف یا مترجم	مختصر حالات
۱	کتاب المنثور	الخیاط	علم نجوم میں یہ مشہور کتاب ہے جسکو یحییٰ کے خاص منجم الخیاط نے یحییٰ کے واسطے تصنیف کیا تھا (کتاب الفہرست)
۲	کتاب سسرد	ششرت ہندی	فن طب میں طبیب ششرت ہندی کی یہ کتاب دس مقالوں میں ہے جن میں امراض اور ان کے علاج پر مفصل بحث کی ہے یحییٰ کے حکم سے منکہ ہندی نے جبکہ وہ بیمارستان شفاخانہ میں مقرر تھا اسکو ہندی سے عربی میں ترجمہ کیا

بقیہ حاشیہ (۱) اکثر تصنیفات انھیں ہندی طبیبوں کے ذریعے سے عربی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔
شاناق (۲) اس ہندی طبیب کے معالجات مشہور ہیں۔ علاوہ طب کے علوم حکمت سے واقف تھا۔ اور علم نجوم میں تو خاص کر کمال تھا۔ اس کے حکیمانہ اقوال تاریخوں میں منقول ہیں۔ اس کی تصنیفات میں سے کتاب البیطرہ۔ کتاب فی علم النجوم۔ کتاب منتحل الجوہر مشہور ہیں۔ اس پچھلی کتاب میں راجہ یا بادشاہ کے واسطے نہایت مفید نصائح ہیں (قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کا نام "سنگھ" ہے جو عربی میں شاناق ہو گیا ہے)

جودر ہندوستان کا مشہور فاضل اور طبیب ہے۔ اس کی علوم حکمت میں بھی تصنیفات ہیں۔ اور کتاب الموالید مشہور ہے جس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ماخوذ از طبقات الاطبا۔ (ب د و د) دہم متعلق اطبائے ہند صفحہ ۳۲-۳۵۔

۳	قرابادین	کنکہ ہندی	کناش (قرابادین) اصل میں اہرون القس حکیم کی تصنیفات سے ہے جو سریانی زبان میں تھی۔ اول مروان کے زمانے میں حکیم ماسرجویہ یہودی نے جو بصرے کا رہنے والا تھا عربی میں ترجمہ کیا پھر یحییٰ کیواسطے کنکہ نے اس کو مختصر کر کے بطرز جدید تیار کیا۔ (طبقات الاطبا و کتاب الفہرست)
۴	کتاب محمد بن اللیث	محمد بن اللیث	اس کتاب کا اصلی نام معلوم نہیں کہ کیا تھا لیکن محمد بن اللیث نے جو یحییٰ برمکی کا میر منشی تھا۔ اعضاے جوارح اور اس کے متعلق جو کھیل ہیں آنکے علاجات میں کتاب یہ خاص یحییٰ کے واسطے تصنیف کی تھی (کتاب الفہرست)
۵	کتاب العطر		اس کے مصنف کا نام معلوم نہیں لیکن عطریات کی تشریح اور اسکے اقسام میں جو کتاب اول لکھی گئی ہے وہ یہی تھی جو خاص یحییٰ کیواسطے تصنیف کیگئی چنانچہ عطر برمکی ایک مشہور عطر ہے (کتاب الفہرست)
۶	کتاب الجوامع	قاضی ابو یوسف	قاضی ابو یوسف نے یحییٰ کے واسطے یہ عجیب و غریب کتاب تصنیف کی تھی۔ بظاہر یہ ایک کتاب تھی لیکن چالیس کتابوں پر شامل تھی۔ جن میں لوگوں کے باہمی اختلاف اور انکے اختلاف رائے پر بحث کی ہے۔ (کتاب الفہرست)

نمبر	کتاب	مصنف	کیفیت
۷	مجسطی	بطلیموس	بطلیموس یونانی نے علم ہیئت میں یہ بینظیر کتاب تصنیف کی ہے۔ باعتبار عظمت اور کثرت فوائد کے یونانی زبان میں اس کا نام میجسٹی سن ٹیکس مشہور ہوا۔ لیکن عربی خراد پر چڑھ کر اس کا نام مجسطی ہو گیا۔ یونانی زبان سے اس کتاب کے بہت سے ترجمے ہوئے لیکن ان میں سے سب سے زیادہ مقبول تین ترجمے ہیں سب سے پہلے یحیی برمکی نے حکم دیا کہ اس پر عظمت کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا جائے چنانچہ ترجمہ ہو گیا۔ اور بعد میں متعلقات اور تفسیریں لکھی گئیں۔ یہ تفسیریں مخل تھیں اسلئے ابو حیان وسلم نے جو بیت الحکمۃ کے مہتم تھے اسکی عمدہ تشریح کی۔ اس کتاب کے جس قدر ترجمے ہوئے ہیں ان میں سے حجاج ابن مطر اسحاق و ثابت کے ترجمے مقبول اور مستند ہیں خلیفہ مامون الرشید کے زمانے میں پھر اس کتاب پر خاص توجہ کی گئی اور اسکے حکم سے حنین بن اسحاق نے بھی ترجمہ کیا۔ اور حجاج بن یوسف و ثابت بن قرہ نے زوائد سے پاک کر کے خلاصہ لکھا ابو ریحان بیرونی نے اس کا اختصار کیا (کتاب الفہرست)

نمبر	نام کتاب	مصنف / مترجم	کیفیت
۸	کتاب السموم	شاناق ہندی	یہ کتاب پانچ مقالوں میں ہے۔ منکہ ہندی نے باعانت ابو حاتم بلخی یحییٰ کے حکم سے ہندی سے فارسی میں ترجمہ کیا پھر خلیفہ مامون الرشید کے حکم سے عباس بن سعید الجوہری نے عربی میں نقل کیا۔ طبقات الاطبا ابن ابی اصیبعہ جلد ۲ صفحہ ۳۳
۹	کتاب سسرک	سسرک	یہ کتاب بھی اول ہندی سے فارسی میں ترجمہ ہوئی پھر عبداللہ بن علی نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا
۱۰	کلیلہ ودمنہ	عبداللہ بن المقفع	یہ کتاب جس کا نام حکایات بید پا و پیل پا وغیرہ ہے سب سے پہلے ہندی زبان سے پہلوی میں حکیم برزویہ نے نوشیروان کے لئے (جس کا عہد سلطنت ۵۳۱ء سے ۵۷۹ عیسوی تک تھا) ترجمہ کی تھی۔ پھر اسکا ترجمہ عربی میں عبداللہ بن المقفع نے کیا (یہ شخص ابوجعفر منصور کا کاتب تھا۔ اسکا باپ جس کا نام دادویہ تھا گبر تھا۔ اور ولایت فارس کا عامل تھا۔ تغلب کی علت میں اسکا ہاتھ شکنجے میں کسا گیا اور اس صدمے سے خشک ہو گیا جس کی وجہ سے اسکا نام المقفع پڑ گیا) دوسرا ترجمہ عربی میں یحییٰ برمکی کے حکم سے ۱۶۵ھ میں کیا گیا۔ عبداللہ ابن ہلال اہوازی نے پہلوی سے یہ ترجمہ کیا تھا۔ حاجی خلیفہ کشف الظنون

میں لکھتے ہیں کہ اس ترجمہ کو سہل بن نوبخت حکیم نے
یحیی کے لئے نظم کیا جس کا صلہ اس کو ایک ہزار دینار ملا۔
لیکن شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی بی۔اے۔بی۔
ایل نے اس لکچر میں جو کلیلہ دمنہ کی تاریخ پر انجمن تعلیم
مسلمانان محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ دسمبر ۱۸۹۱ء
بمقام علیگڈھ دیا ہے اس ترجمے سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے
کہ حاجی خلیفہ نے محض فرضی نام اس کا لکھدیا ہے نہایت
افسوس ہے کہ اصل نسخہ سنسکرت اور ترجمہ پہلوی دونوں مفقود
ہیں اور آج علمی دنیا میں جسقدر تراجم کلیلہ دمنہ کے موجود ہیں وہ
صرف اسی عربی ترجمے کے طفیل میں ہیں دوسری مرتبہ عربی سے
سریانی میں بھی ایک ترجمہ سنہ [illegible]ء میں ہوا ہے اور بقول مولانا سید علی
بلگرامی کے سریانی اور ترجمہ عربی دونوں بھائی ہیں یعنی دونوں
کی ماں پہلوی ہے لیکن اسقدر فرق ہے کہ سریانی بھائی بالکل لاولد
اور گمنام رہا برخلاف اسکے عربی بھائی کی کثرت سے اولاد ہوئی اور اسکے بیٹے
پوتے اور پرپوتے اسوقت تک نام آور رہے اور تمام یورپ کے بہت بڑے حصہ ایشیا اور ان کل
اقطاع عالم پر جہاں ان ملکوں کی زبانیں گئیں فائض ہیں ذیل کے شجرے سے جو پروفیسر
میکس ملر نے مرتب کیا ہے کلیلہ دمنہ کی سوانح عمری بہ العین معلوم ہو گی

شجرۂ کتاب کلیلہ و دمنہ مرتبہ پروفیسر مکس مولر

سنسکرت

- تبت کی زبان میں
- پہلوی (مفقود)
  - عربی ابن المقفع
  - ترجمہ سریانی قدیم سنہ ۵۷۰ء

۱ ترجمہ سریانی جدید گیارھویں صدی عیسوی

۲ یونانی ترجمہ تخمیناً سنہ ۱۰۸۰ء

- سلاوانک
- اٹالین سنہ ۱۵۸۳ء

۳ فارسی ابوالمعالی نصر اللہ تخمیناً سنہ ۱۱۱۸ء

- انوار سہیلی ملا حسین واعظ اواخر پندرھویں صدی ٭
  - عیار دانش سولھویں صدی عیسوی
  - ہمایوں نامہ ترجمہ ترکی اوائل صدی ۱۶ عیسوی
  - فرنچ ترجمہ

- ترجمہ عبرانی
  - ترجمہ لاٹینی قدیم تخمیناً سنہ ۱۲۷۰ء
    - ترجمہ انگریزی
    - ترجمہ اسپانش جدید سنہ ۱۴۹۳ء
    - ترجمہ جرمنی تخمیناً سنہ ۱۴۸۰ء
    - ایڈیشن سنہ ۱۶۱۱ء
    - ڈچ سنہ ۱۶۲۳ء

۴ ترجمہ ثانی عبرانی پندرھویں صدی عیسوی

۵ ترجمہ لاٹینی منظوم

۶ ترجمہ اسپانش قدیم

- ترجمہ لاٹینی جدید سنہ ۱۳۱۳ عیسوی

٭ اردو ترجمہ موسومہ بہ بستان حکمت اسی سے کیا گیا ہے

(منقول از لکچر سید علی بلگرامی مدظلہ العالی)

علاوہ کتب مذکورۂ بالا کے جو خاص یحیٰی کے حکم سے ترجمہ ہوئیں یا بطور نذر کے مترجمین نے پیش کیں قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب ذیل بھی ہندی حکیموں نے خاص یحیٰی کے اشارے سے ترجمہ کی ہونگی اور وہ یہ ہیں

نام کتاب	مختصر حالات
کتاب بدان	اس کتاب میں صرف چار سو امراض کی علامتیں اور شناخت لکھی ہیں
سندھشان	یہ کتاب بھی طب میں معلوم ہوتی ہے۔
کتاب تفسیر اسما العقار	یہ کتاب نباتات اور دواؤں کی بوٹیوں کے متعلق ہے۔
اسانکر الجامع	
کتاب علاجات الحبالی الہند	
کتاب مختصر فی العقاقیر	
کتاب نوفشل	ایک سو امراض کے علاج لکھے ہیں
کتاب وسی الہند فی علاجات النسا	
کتاب السکر للہند	
کتاب رائے الہند	سانپوں کے اقسام اور اسکے زہر کی تشریح ہے۔
کتاب التوہم فی الامراض والعلل	یہ کتاب ابی قبیل ہندی کی تصنیف ہے۔

ایک طولانی فہرست کتب ترجمہ کی لکھی جا سکتی ہے۔ لیکن ناظرین کو معلوم رہے کہ ہماری تاریخ برامکہ سے متعلق ہے لہذا جو کتابیں خاص یحیٰی سے تعلق رکھتی ہیں۔ وہ صرف کی گئی ہیں۔ ورنہ عہد مامون الرشید میں اس محکمہ میں بہت زیادہ ترقی ہوئی ہے۔

یحییٰ کا کتبخانہ

یحییٰ کے علمی ذوق شوق سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اُس کا کتب خانہ کس درجے کا ہوگا۔ اور اُس میں کیسے کیسے علمی ذخیرے ہونگے لیکن افسوس ہے کہ جس طرح بیت الحکمۃ کی مستقل تاریخ نہیں ہے ویسا ہی کتب خانے کا بھی حال ہے اور ہم کو اس کا اقرار کرنا چاہئے کہ ہمارے بزرگوں نے کوئی مستقل تاریخ کتب خانوں کی تاریخ پر نہیں لکھی ہے لیکن مختلف قرائن سے اس قدر[1] ثابت ہوتا ہے کہ دولت بنی امیہ تھے یعنے امیر معاویہ

حاشیہ [1] واقعات تاریخی کی بنا پر ہم نے یہ لکھا تھا۔ لیکن شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی عالمانہ تحقیقات نے یہ حل کر دیا ہے کہ خلافت امیہ میں سب سے پہلے خالد بن یزید نے کتب خانے کی بنیاد ڈالی تھی۔ کیونکہ شروع اسلام میں تحریری سرمایہ صرف اسی قدر تھا کہ قرآن مجید کی متفرق سورتیں۔ اور رسول اللہ صلعم کے نامہائے مبارک۔ اور شعرا کے قصائد تھے۔ اسکے بعد امیر معاویہ کے عہد میں کچھ اور اضافہ ہوا۔ اور خالد کے زمانے میں کتبخانے کی باضابطہ بنیاد قائم ہوئی۔ اور عہد ہارون و مامون میں یہ بنیادیں آسمان تک پہنچ گئیں اور پھر یہ شوق ملک میں عام ہو گیا۔ اور امرا و علما کے مکانات کتبخانوں سے سج گئے متوکل باللہ کے عہد میں فتح بن خاقان وزیر کا کتبخانہ بے نظیر خیال کیا جاتا تھا۔ جس کا مہتمم علی بن یحییٰ منجم تھا۔ اسپین کا کتبخانہ جسکو خلیفہ حکم ثانی (متوفی ۳۶۶ھ) نے قائم کیا تھا۔ اس میں چار لاکھ کتابیں تھیں اور تمام ملک کا خزانہ کتابوں کی فراہمی میں یہ خلیفہ صرف کرڈالتا تھا۔ اسلامی دنیا کا دور ا حصہ جو خلافت عباسیہ کے ضعف کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے حصوں پر تقسیم ہو گیا تھا۔ اور جن میں جدا جدا تاجدار حکمران تھے ان کے کتبخانے علیحدہ تھے۔ نوح بن منصور شاہ بخارا کا کتبخانہ بھی بے نظیر تھا۔ شیخ بو علی سینا نے بہت کچھ اس کتبخانے سے فائدہ اٹھایا تھا۔ عضد الدولہ نے شیراز میں کتبخانہ قائم کیا تھا۔ اور شروع اسلام سے اس وقت تک جو تصنیف ہو چکیں تھیں وہ اس میں مہیا تھیں۔ بلکہ اسی کا التزام تھا۔ سیف الدولہ کے کتبخانہ میں فن ادب کا بے مثل ذخیرہ تھا۔ لیکن ان سب کتبخانوں کا سرتاج فاطمین مصر کا کتبخانہ تھا۔ یہ تو والیان ملک کے کتب خانوں کا حال تھا۔ لیکن ابو نصر سہل بن مرزبان (امیر نیشاپور) و صاحب بن عباد و محمد بن الحسین بغدادی کے کتبخانے بھی تاریخ میں ضرب المثل ہیں۔ ایرانیوں نے علمی کتابیں اصفہان کے اضلاع میں بمقام قہندز جمع کی تھیں۔ قرطبہ میں ایک ایک جاہل کے گھر میں کتب خانہ تھا۔ لیکن اب تک کوئی عام کتبخانہ قائم نہیں ہوا تھا۔ ۳۸۳ھ (۹۹۳ء) میں سابور بن اردشیر نے بغداد میں ایک دار العلوم بنایا اور اس میں کتابیں وقف کیں۔ پھر ۳۹۵ھ (۱۰۰۴ء) میں حاکم بامر اللہ (خاندان فاطمیہ) نے ایک کتبخانہ تعمیر کیا۔ اور مدرسہ نظامیہ کے قائم ہونیکے بعد ہر مدرسہ و مسجد میں ایک ایک کتبخانہ تھا۔ جن کے نظائر مصر اور قسطنطنیہ میں اب تک موجود ہیں۔

منتخب از رسالہ کتبخانہ اسلامی نوشتۂ مولانا شبلی نعمانی مقالات العالی مطبوعہ رسالہ حسن حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۰۳ء

خالد بن یزید۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانے میں جا بجا کتبخانے قائم ہو گئے تھے جنکی خلافت عباسیہ میں مستقل طور پر تکمیل کی گئی۔

اور یحیٰی برمکی جو علوم یونانی اور ہندی کا وارث تھا اس کا کتب خانہ تو عظیم الشان تھا۔ ابو عثمان بن عمرو یحیٰی الخطاط کا قول ہے کہ "جس قدر کتابیں یحیٰی کے کتب خانے میں تھیں کسی بادشاہ کے پاس اس قدر نہ ہونگی۔ ہر کتاب کے تین تین نسخے موجود تھے۔ نامی خوشنویسوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں تھیں۔ اور اس وقت کی یہ مشہور بات ہے کہ اگر کوئی نایاب کتاب فروخت ہوتی تو اول یحیٰی کو دکھلائی جاتی تھی۔ کیونکہ بجائے ایک کے ہزار درہم دینے والا صرف یحیٰی برمکی تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے کتب خانے میں اکثر مشہور کتابیں جو باعث زیب و زینت تھیں۔ وہ یحیٰی کے کتبخانے کی تھیں۔" اس کتبخانے میں عربی۔ یونانی۔ قبطی۔ کالڈی۔ ہندی۔ کتابیں عموماً اور فارسی کتابیں خصوصاً مہیا تھیں۔

یحیٰی کا فضل و کمال

فضل و کمال کے لحاظ سے یحیٰی برمکی جس رتبے کا شخص تھا اُسکی نظیر بمشکل مل سکتی ہے۔ لیکن وزارت کے اعتبار سے مورخین نے یحیٰی کو علمی دربار میں خلفا و سلاطین کے بعد دوسرے درجے میں جگہ دی ہے ورنہ ایسا کون علم تھا کہ جس میں یحیٰی کو تبحر نہو۔

شاعری

شاعری جو علم ادب کا بڑا جوہر ہے اس میں یحیٰی کو ایسا کمال تھا کہ علامہ ابن الندیم نے زمرۂ شعرا میں یحیٰی برمکی کو جداگانہ شمار کیا ہے۔ اور شاعری کے

حاشیہ لہ تاریخ ضیائے برنی صفحہ ۱۴۱۔

علاوہ یحیی کے علم ادب کا کمال بھی ماہرین فن کو تسلیم ہے۔ علمی[1] مناظروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدما اور شعرائے جاہلیت کے اشعار اس کو بکثرت مستحضر تھے اور سند کے ہر ہر موقع پر برجستہ اشعار پڑھا کرتا تھا۔

یحیی کے شاعر اور کاتب

یحیی جیسا خود اعلیٰ درجے کا شاعر اور انشا پرداز تھا۔ ویسے ہی اس کے ارکان دولت باکمال تھے۔ العتابی[2] کلثوم بن عمر

حاشیہ [1] علمی مناظروں میں سے ایک بڑا مناظرہ شریسی شرح مقامات حریری میں تحریر ہے۔ ناظرین اس کو ملاحظہ فرماویں جس سے یحیی کی ذکاوت، نکتہ سنجی۔ اور معلومات کا خاص اندازہ ہو سکیگا۔ [2] اس شاعر کا ایک لطیفہ مروج الذہب مسعودی میں مرقوم ہے۔ جس کو ہم بجنسہ تاریخ المامون سے نقل کرتے ہیں۔ "کلثوم عتابی" جسکو اپنے علم و فضل پر بڑا ناز تھا اور بجا بھی تھا۔ مامون کی پایہ شناسی کا شہرہ سن کر بغداد پہنچا۔ اور دربار میں حاضر ہوا مامون نے مزاج پرسی کی اور حالات پوچھے۔ کلثوم نے اس فصاحت اور برجستگی سے گفتگو کی کہ مامون بھی حیرت میں رہ گیا۔ اور حکم دیا کہ ہزار دینار اس کے سامنے لاکر رکھ دیں۔ لیکن چونکہ حاضر جوابی اور نکتہ سنجی کا امتحان ہنوز باقی تھا۔ مامون نے اسحاق موصلی کی طرف اشارہ کیا۔ کہ کلثوم کو اس فن میں آزمائیے۔ اسحاق نے سامنے آکر مناظرانہ گفتگو شروع کی۔ اور اعتراضوں کا تار باندھ دیا۔ کلثوم بالکل حیرت زدہ ہو گیا۔ کہ اس بلا کا ذہین کون شخص ہو سکتا ہے۔ دربار کے قاعدے کے موافق پہلے اسنے مامون سے اجازت طلب کی۔ پھر اسحاق کی طرف متوجہ ہوا۔

کلثوم۔ آپ کا نام و نسب کیا ہے؟

اسحاق۔ نسباً آدمی ہوں اور میرا نام کل بصل ہے۔

کلثوم۔ نسب تو خیر ظاہر ہے۔ مگر نام نئے ڈھنگ کا ہے۔

اسحاق۔ کل بصل "کلثوم" سے زیادہ تعجب انگیز نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ لہسن سے پیاز بہرحال اچھی ہے۔ اس لطیفے پر کلثوم بھی پھڑک گیا اور مامون سے درخواست کی کہ ہزار دینار جو مجکو انعام میں عطا ہوئے ہیں۔ اسی کو دلائے جائیں۔ مگر مامون نے کلثوم کا انعام مضاعف کر دیا۔ اور حکم دیا کہ اسحاق کو بھی اسی قدر صلہ عطا کیا جائے (عربی میں لہسن کو ثوم اور پیاز کو بصل کہتے ہیں۔

جس کی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی مشہور ہے خاص یحییٰ کا شاعر تھا۔ حمید بن مہران اصفہانی۔ اور محمد بن لیث اس کے مشہور کاتب اور میر منشی تھے۔ خصوصاً محمد بن لیث بڑے رتبے کا شخص تھا علاوہ کمال علم ادب کے فقیہ بھی تھا۔ (فہرست ابن الندیم)

مناظرہ اور علمی مجلسیں خلیفہ مامون الرشید کے تذکرے میں جن بزرگوں نے دارالمناظرہ کے حالات پڑھے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ان مجلسوں کی کیا حالت تھی اور کیسے علمی تذکرے وہاں ہوتے تھے۔ مامون الرشید نے جس مجلس کو اپنی عہد خلافت میں ترقی دی تھی وہ یحییٰ برمکی کی قائم کی ہوئی تھی۔ اور یحییٰ کی اس کمیٹی کا منتظم (سکرٹری) ہشام بن الحکم تھا۔ چونکہ یہ مناظرے اور علمی مجلسیں بالکل ادبی ہیں اس لئے اردو میں اُن کا ترجمہ کرنا تکلف سے خالی نہیں ہے۔ اور اگر بطور نمونہ کسی مناظرے کا ترجمہ کیا بھی جاوے تو افسوس ہے کہ عام لوگ اس سے متمتع نہیں ہو سکینگے

سیبویہ[۱] اور کسائی[۲] کا مناظرہ ایک مرتبے کا ذکر ہے کہ سیبویہ یحییٰ سے ملنے آیا اتفاق

حاشیہ [۱] ابو بشر عمرو بن عثمان بن قنبرہ مولی بنی حارث لقب بہ سیبویہ علم نحو کا امام تھا۔ شہر بیضا (بلاد فارس) کا رہنے والا تھا۔ نحو میں اس نے ایک کتاب ایسی لکھی ہے کہ جس کی نظیر اس کے قبل یا بعد میں نہیں ملتی ہے۔ کسائی اور سیبویہ سے اکثر مناظرے ہوا کرتے تھے سیبویہ نے نحو خلیل بن احمد۔ یونس بن حبیب۔ و عیسے بن عمر سے پڑھی تھی۔ کچھ اوپر چالیس برس کی عمر میں بمقام شیراز ۱۸۰ھ میں فوت ہوا۔

[۲] ابو الحسن علی بن حمزہ بن عبداللہ بن عثمان بن فیروز اسدی کوفی المشہور بہ کسائی نحو اور لغت میں امام تھا شہزادہ امین الرشید کا استاذ تھا۔ علم قراءت بھی خوب جانتا تھا۔ اس کی تصنیفات بہت ہیں۔ لیکن کتاب معانی القرآن۔ کتاب مختصر فی النحو۔ کتاب القراءت۔ کتاب العدد۔ کتاب النوادر الاصغر۔ کتاب الہجا۔ مشہور ہیں۔ ۱۸۹ھ میں بمقام رے فوت ہوا۔ اور موضع رنبویہ میں دفن ہوا۔

سے کسائی اور اخفش[1] بھی وہاں موجود تھے سیبویہ کا ان دونوں سے مناظرہ شروع ہوگیا۔ لیکن باوجود طرفین کی رد و قدح کے مسئلہ متنازعہ فیہ طے نہیں ہوا۔ تب یحییٰ نے واسطے تصفیئے کے یہ معاملہ ابو فقعس۔ ابو دثار۔ ابو الجراح۔ و ابو ثروان کے روبرو جو فصحائے اعراب میں سے تھے پیش کیا۔ لیکن جب ان لوگوں نے اپنا فیصلہ سیبویہ کے خلاف سنایا۔ اور کسائی کو جتا دیا تب یحییٰ نے اس کے صلے میں کسائی کو دس ہزار درہم مرحمت فرمائے۔ اور اپنی علمی فیاضی سے کسائی کا حوصلہ بڑھا دیا۔ یحییٰ کے حالات میں اس قسم کے اور بھی نظائر مورخین نے لکھے ہیں۔ (فہرست ابن الندیم)

علم خط کی ترقی

فن خوشنویسی جو اہل علم کے واسطے ایک گرانمایہ جوہر ہے۔ اور تمام ممالک اور قوموں میں جس کی عزت کی جاتی ہے۔ اس فن کی بھی بڑی ترقی یحییٰ اور جعفر کے وقت میں ہوئی ہے۔ کیونکہ اب تک خوشنویسی کے اصول مرتب نہیں ہوئے تھے یحییٰ کی توجہ سے احول محرر نے علم خط کے قواعد مرتب کئے اور کئی قسم کے خط ایجاد کیئے۔ چنانچہ اقلام الثقال۔ اور قلم الطومار اسی کی ایجاد ہے پھر آگے چل کر مامون الرشید کے عہد میں علم خط پر خاص توجہ ہوئی اور پچھلے قواعد پر جدید اضافہ کیا گیا۔ یحییٰ کے عہد وزارت

حاشیہ[1] ابو الحسن سعید بن مسعدہ مشہور بہ اخفش۔ نحو کا مشہور امام ہے۔ یہ سیبویہ کا شاگرد تھا۔ عروض میں بحر خبب اسی کی ایجاد ہے۔ تصنیفات میں سے کتاب الاوسط (نحو) معانی القرآن۔ کتاب معانی الشعر۔ کتاب الاشتقاق۔ کتاب العروض کتاب الملوک۔ کتاب الاصوات وغیرہ مشہور ہیں۔ سنہ ۲۲۱ھ میں فوت ہوا۔ یہ اخفش اوسط کہلاتا تھا۔ کیونکہ عرب میں دو اخفش اور بھی گزرے ہیں۔ اخفش اکبر کا نام عبد الحمید بن عبد المجید اور اصغر کا نام علی بن سلیمان تھا۔ ماخوذ از تذکرہ نزہتہ الالبا فی طبقات الادبا و روضتہ الادب۔

تک دربار خلافت کی طرف سے جو ملوک اطراف میں مراسلت ہوتی تھی وہ احول کے قلم سے لکھی جاتی تھی

علم فلسفہ

خلافت عباسیہ میں علوم فلسفہ پر جس قدر توجہ ہوئی اس کی نظیر سے تاریخ اسلام خالی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسلمانوں میں بہت سے حکیم۔ اور فیلسوف۔ ماہرین علوم ریاضی۔ حکمت۔ طب۔ اور دیگر علوم مفیدہ کے جاننے والے موجود تھے۔ اور اس عہد کی خاص تصنیفات نے افلاطون اور ارسطو کے فلسفے کو بھی فراموش کر دیا تھا۔ خلافت اور وزارت کے انتساب کو الگ کر دیا جاوے تو فلاسفے کی فہرست میں مامون الرشید اور یحییٰ برمکی کا نام نہایت روشن حرفوں میں نظر آتا ہے اور غالباً اسی فلسفہ پسندی نے یحییٰ کو زندیق کہلوایا ہے۔ حقیقت میں یحییٰ کی ہمہ دانی نہایت حیرت انگیز ہے۔ علم طب۔ نجوم۔ ادب۔ شاعری۔ فقہ۔ اور ہیئت میں وہ مجتہدین فن کے درجے میں شمار ہوتا ہے اور اس کے علاوہ اور علوم بھی تھے جن کو کم و بیش جانتا تھا جس کی تصدیق کتاب الفہرست وغیرہ سے ہو سکتی ہے۔ یحییٰ برمکی اگرچہ جامع علوم تھا لیکن اس کو خاص دلچسپی ہیئت و نجوم سے

علم نجوم اور اس کا اثر

تھی۔ اور نجوم میں اس قدر کمال تھا کہ ماہرین فن میں شمار ہوتا تھا۔ جہاں علما۔ شعرا و اطبا کا گروہ دربار میں موجود رہتا تھا۔ ان میں منجم بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ الخیاط[1] یحییٰ برمکی کا مشہور منجم ہے۔ جس نے کتاب المنثور خاص یحییٰ کے واسطے تصنیف کی تھی۔ اور غالباً ہندی حکیموں کا اختلاط بھی بڑا سبب نجوم کے شوق کا تھا لیکن بڑی مشکل اس فن میں یہ ہے کہ جو اصلی موضوع علم نجوم کا ہے وہ ہاتھ سے جاتا رہتا

حاشیہ [1] کتاب الفہرست ابن الندیم۔

ہے اور مصطلح علم نجوم پر انسان کی طبیعت مائل ہو جاتی ہے۔ توہمات بڑھ جاتے ہیں اور ادنے ادنے سی بات پر زائچہ کئے جاتے ہیں۔ یہی حال یحییٰ کا ہو گیا تھا کہ نجموں کو اکثر اپنی تقویم دکھلایا کرتا تھا۔ اور بعض اوقات شگون لیتا تھا۔ قیمتی اسباب کی چوری پر نجومی زائچہ طیار کرتے اور فال کھولی جاتی تھی۔ حزن وہب۔ ابو ثمامہ شاعر سے روایت کرتا ہے کہ ایک دن یحییٰ نے علی الصباح بلایا۔ جب میں حاضر ہوا تو مجکو اپنے ہمراہ لے کر ایک تنگ راستے کی طرف چلا اور چند قدم چل کر ٹھیر گیا وہاں پر ایک مشہور بدکار عورت کا مکان تھا۔ اُسنے گھر سے نکل کر از راہ تمسخر یحییٰ کے گھوڑے کو دو تین کوڑے لگائے اور چل کھڑی ہوئی۔ مجھے نہایت تعجب ہوا کہ باوجود پارسائی کے یہ کیا لغو حرکت ہے۔ اور پھر یحییٰ کے ہمراہ وہاں سے روانہ ہوا۔ راستے میں یحییٰ نے کہا "ابو ثمامہ تم خیال کرتے ہوگے کہ میں دیوانہ ہو گیا ہوں۔ کیونکہ یہ کام تو میں نے دیوانوں ہی کا سا کیا ہے؟" میں نے عرض کیا۔ ہاں۔ وزیر کا یہ فعل میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا معاملہ ہے "آنچہ مے بینم بہ بیداریست یارب یا بہ خواب"

ہندوؤں کے شگون

میری یہ بات سنکر یحییٰ ہنس پڑا اور کہا کہ "میں نے ہند کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ اگر کوئی مہم درپیش ہو اور اس کے انصرام کی نیت سے گھر سے نکلے۔ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آوے جس سے طبیعت کو مسرت ہو تو سمجھنا چاہئے کہ مراد بر آویگی۔ اگر برعکس ہو تو صبر کرنا چاہئے۔ میں نے یہ شگون آج امتحانًا کیا ہے دیکھئے کیا نتیجہ ہو مگر اس معاملہ کو کسی سے نہ کہنا کیونکہ یہ بظاہر رسوائی کی بات ہے" میں خاموش ہو رہا۔ ایک ہفتہ بعد میں نے دریافت کیا تو وزیر نے کہا ہاں وہ کام تو ہو گیا مگر مجھے اب تک ندامت ہے۔

ابو یعقوب نابینا سے یحییٰ کا فال دکھلانا

یعقوب بن اسحاق۔ عیسےٰ ابن موسیٰ بن یحییٰ سے روایت کرتا ہے کہ ایک دن یحییٰ نہایت غصے میں محل سے باہر نکلا اور ایک غلام کو حکم دیا کہ ابو یعقوب کو حاضر کرو یہ ایک عجیب وغریب شخص تھا۔ تمام بغداد میں اس کی ذہانت مشہور تھی۔ بصارت سے محروم تھا، تھوڑی دیر میں ابو یعقوب حاضر ہوا اور یحییٰ نے حکم دے دیا کہ کوئی بات چیت نہ کرے اور سب خاموش رہیں۔ اور اس کو اپنے پاس بٹھالیا اور اس طرح پر گفتگو شروع کی۔

یحییٰ۔ کیوں یعقوب تم بتاسکتے ہو کہ میں نے تم کو کیوں بلایا ہے ؟

یعقوب نہ تھوڑی دیر سکوت کرکے ہاں خدا وزیر کا بھلا کرے! میں اس لئے طلب ہوا ہوں کہ مال مسروقہ برآمد کروں۔

یحییٰ۔ ہاں درست ہے یہی کام تھا۔ اچھا بتاؤ۔ وہ کیا چیز ہے۔

یعقوب۔ تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ ادھر اُدھر کان لگائے کہ کوئی بات کرے تو اس سے نتیجہ نکالے جب کچھ نہ سنا تو دونوں ہاتھوں سے فرش کو ٹٹولنا شروع کیا حسب اتفاق کچھ ہاتھ آگیا۔ تو عرض کیا کہ وہ قیمتی جواہر ہے جو ایک تھیلی میں رکھا ہوا تھا اور چوری ہوگیا ہے

یحییٰ۔ ہاں سچ ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور چور کا نام کیا ہے ؟

یحییٰ کے اس سوال پر تھوڑی دیر یعقوب نے سکوت کرکے عرض کیا کہ "وہ جواہر ایک کوپرے کے اندر رکھ کر آبادی کے قریب دفن کردیا گیا ہے اور وہاں پر پانی بھی رکھا جاتا ہے۔ البتہ چور کا نام نہیں عرض کرسکتا ہوں"

یحییٰ۔ بہت خوب ابھی دیکھتا ہوں۔ تلاش کرکے دیکھا گیا تو تھوڑے فاصلے پر وہ جگہ ملی اور کھودنے پر وہ جواہر بھی مل گیا۔ یحییٰ کو ابو یعقوب کی فراست پر کمال حیرت ہوئی اور حکم دیا کہ دس ہزار درہم یعقوب کو انعام دیئے جاویں پھر پوچھا کہ تمہارا مکان کس جگہ پر ہے۔ یعقوب نے کہا کہ میرے پاس کوئی مکان نہیں ہے۔ یہ سنکر یحییٰ نے حکم دیا کہ ہمارے قریب ایک مکان خرید کر دیا جاوے۔ جب مکان خرید ہو جاوے تو ضروری سامان کے واسطے پانچ ہزار درہم اور دیے جاویں۔

یعقوب۔ وزیر کی فیاضی کا شکر گزار ہوں۔ لیکن میری قسمت میں نہ مکان ہے نہ پانچ ہزار درہم البتہ دس ہزار درہم ضرور ملیں گے۔

یحییٰ۔ یعقوب تمہاری باتیں سنکر مجھے بہت تعجب ہوا اب سچ سچ بتاؤ جو تم نے کہا ہے۔ یہ باتیں تم کو کیسے معلوم ہوئیں اور وہاں تک تمہارا قیاس کیسے پہنچ گیا۔

یعقوب۔ آج جس وقت میں درِ دولت پر حاضر ہوا تو معمولاً جو شور و غل سنا کرتا تھا وہ بالکل نہ تھا۔ کوشش کی کہ کوئی بات سنائی دے لیکن میں نے کچھ بھی نہ سنا۔ تب میں نے سمجھا کہ گھر والے سب کے سب خوف ناک ہو رہے ہیں اور سب کو خوف نہیں ہوتا ہے جب تک کوئی قیمتی اور نفیس شے جو محفوظ ہو گم نہ ہو جاوے۔ اس لئے میں نے سمجھا کہ کوئی جواہر، جو کیسہ اور ابنان میں تھا وہ گم ہو گیا ہے۔

یحییٰ۔ اچھا میں تسلیم کرتا ہوں۔ اور کہو۔

یعقوب۔ جب میں نے کوئی بات نہ سنی کہ جس سے قیاس کرتا تب میں نے فرش کو ٹٹولنا

شروع کیا کہ دیکھوں کیا ملتا ہے۔ اتفاقاً ایک ٹکڑا چھوارے (خرما) کا مل گیا اور چھوارا عزیز اور نفیس میوہ ہے اس پر میں نے تفاولاً قیاس کر لیا کہ ضرور کوئی قیمتی چیز گم ہو گئی ہو گی اور چھوارے کی قدرتی ساخت پر میں نے خیال کیا کہ وہ سفید تھیلی میں تھا اور سرخ ابنان کے اندر رکھا ہوا تھا۔

یحییٰ تمھارا یہ قیاس صحیح ہے مگر یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آبادی کے قریب دفن ہے۔

یعقوب جب وزیر نے دریافت فرمایا کہ وہ جواہر کہاں ہے اس وقت میں نے سنا کہ سقا غلام سے پوچھ رہا ہے کہ یہ پانی کی مشک کہاں ڈال دوں۔ غلام نے کہا کہ اس آبادی میں

یحییٰ۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم کو مکان اور پانچہزار درہم کیوں نہ ملیں گے صرف دس ہزار کے ملنے کا کیا سبب ہے۔

یعقوب جب اول انعام کا حکم صادر ہوا ہے تو ایک غلام نے دوسرے سے کچھ مانگا تھا اس نے کہا لیلو۔ میں نے سمجھا وہ مل جاویگا۔ جب دوسرا حکم ہوا تو آواز آئی وہ یہاں نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضور کے قریب جس قدر مکانات ہیں وہ رئیسوں اور امیروں کے ہیں۔ کوئی قیمتاً نہیں مل سکتا ہے" یہ اندھا زوال برامکہ تک زندہ رہا۔ مگر دولت برامکہ کی فیاضیوں سے محروم رہا اور جیسا اس نے کہا تھا ویسا ہی پیش آیا کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہارون الرشید اور یحییٰ میں رنجش شروع ہو گئی تھی۔ اور زوال کا زمانہ قریب آ گیا تھا۔

عقائد نجوم سے توبہ فیض[1] بن صالح اور یعقوب بن اسحاق کا قول ہے کہ یحییٰ برمکی

حاشیہ [1] فیض بن صالح عباسی مشاہیر بغداد سے تھا۔ جعفر اور یحییٰ اس کی مروت و اخلاق کا اکثر بیان کیا کرتے تھے۔

تمام علوم میں کامل تھا۔ لیکن علم نجوم میں اپنے زمانے کے منجموں پر فوق رکھتا تھا۔ سال میں ایک مرتبہ تمام منجم یحییٰ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور علمی کارروائیاں کرتے تھے۔ اور اکثر بڑی بڑی بحثیں مسائل نجوم پر ہوا کرتی تھیں۔ ایک دن منجمین کا مجمع تھا۔ کسی مسئلے پر مباحثہ ہو رہا تھا کہ اتفاقیہ ایک درویش آنکلا۔ یحییٰ مسند سے اُٹھا اور جس طرح وہ فقراء سے ملا کرتا تھا اُسی طرح پر ملا اور مسند پر بٹھا کر موافق عادت کے اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اِس درویش کے ہمراہ ایک خادمہ (جس کا نام سفسان تھا) رہا کرتی تھی۔ گلاس اور پانی کی چھاگل اِس کے پاس رہتی تھی۔ یحییٰ نے اُس کنیز کا حال پوچھا تو درویش نے کہا کہ "یہ ہمیشہ میرے قول کے خلاف کہا کرتی ہے۔ اگر میں کہتا ہوں کہ کل یہ ہوگا تو یہ کہتی ہے کہ ہرگز نہ ہوگا۔ بہرحال یا تو اسی کا کہنا صحیح ہوتا ہے یا میری بات بالا رہتی ہے۔" یحییٰ نے درویش کا عاقلانہ کلام سُنا تو عبرت پذیر ہوا اور مصطلح نجوم کے عقائد سے توبہ کر لی۔

یحییٰ کے حکیمانہ اقوال

یحییٰ کے علمی حالات ہم لکھ چکے ہیں اب اُس کے بعض دلاویز اقوال نقل کرتے ہیں۔ جن سے اُسکے مختلف خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۱) [۱] یحییٰ اپنی اولاد سے کہا کرتا تھا۔ جو اچھی بات سنو لکھ لو۔ اور جو لکھو اُس کو حفظ کر لو جو حفظ ہیں اُس کو بیان کرو۔

(۲) [۲] جب بادشاہ کی صحبت میسر ہو تو اُسکے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جس طرح عاقل عورت اپنے

حاشیہ [۱] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ و عقد الفرید جلد اول صفحہ ۳۰۱ مستطرف جلد اول صفحہ ۲۰۰ کشکول و رالخلافہ بابا الدم ماہانیہ محمد... تو اقوالی

بے وقوف شوہر کو راضی رکھتی ہے۔

(۳) میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا ہے کہ گفتگو کرنے سے پہلے جس کی ہیبت مجھ پر چھا گئی ہو۔ البتہ اگر وہ شخص فصیح ہے تو میرے دل میں اُس کی عظمت ہوتی ہے ورنہ وہ میری نظر وں سے گر جاتا ہے۔

(۴)* اسحاق بن ابراہیم الموصلی نے کسی غلام کو پکارا اُس نے جواب نہیں دیا یحییٰ نے سُنا تو یہ کہا کہ "غلاموں کی بے ادبی اس کے مالک کے حلم پر دلیل ہے"

(۵) جو لوگ ہم سے پہلے تھے وہ ہمارے واسطے قابل اقتدا ہیں۔ اور جو ہمارے بعد ہونگے ہم اُنکے واسطے عبرت ہیں۔

(۶) ارباب عقول کی شناخت ہدیہ کتاب۔ رسول سے ہوتی ہے۔

(۷) جو لوگ دولت دنیا کے طالب ہیں اگر وہ زمانے کی سختیاں نہ اٹھا سکیں تو پھر اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی شکایت نہ کریں۔

(۸) جس شے کا دینا تجویز کر لیا گیا ہو پھر اس کے دینے میں توقف کرنا نہایت درجے کی بخیلی ہے۔[1]

حاشیہ [1] یحییٰ کے وعدہ و انجاد (ایفاے وعدہ) کے متعلق شعرا نے مدحیہ قصائد میں بہت کچھ تعریف لکھی ہے۔ چنانچہ ابو تابو نفرانی کا یہ شعر مشہور ہے۔ رایت یحییٰ ادام اللہ دولتہ یاتی من العرف ما لم یاتہ امل۔ ینسی الذی کان من معروفہ ابدا۔ الی الرجال و لا ینسی الذی یعد یعنے یحییٰ برمکی جو فیاضی لوگوں سے کر گزرتا ہے اسے تو ہمیشہ بھول جاتا ہے لیکن جو وعدہ کر لیتا ہے اسے نہیں بھولتا ہے۔ اسی مضمون کو ایک عجمی شاعر نے اسطرح پر ادا کیا ہے۔

وفائے بوعدہ۔ کہ در رہ چون دین است	خلاف وعدہ نمودن کرام را شین ست
وفا بہ وعدہ کرم را شدہ خلافش کوم	زلوم تا بہ کرم در نگر۔ چہ ما بین ست
چو وعدہ دادی زاں بر مگرد۔ دین وفا	بر اسپ وعدہ خود نہ۔ کہ آں بہ از زین ست

از شرح مقامات حریری۔ و جامع الحکایات۔ نثر النظم و حل العقد امام ثعلبی صفحہ ۱۰۱

[illegible] کامل ابن اثیر و زہر الآداب۔ [illegible] ابن خلکان جلد ۴ صفحہ ۲۲۲۔ [illegible] ضیاء برنی صفحہ ۱۴۸

(۹) جس راگنی سے طبیعت میں سرور یا رقت پیدا ہو یا رنج و غم کا اثر محسوس ہو وہ تو البتہ راگنی ہے باقی مصیبت اور درد سر ہے۔

(۱۰) ایک مرتبہ فضل برمکی یحییٰ کے پاس آیا لیکن فضل کی رفتار متکبرانہ تھی یحییٰ کو بہت ناگوار ہوا اور بیٹے سے کہا کہ "جس شخص میں فیاضی اور علم تکبر کے ساتھ ہو اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس میں بخل اور جہل تواضع کے ساتھ ہو۔"

یحییٰ کے دل آویز فقرے اور حکیمانہ مقولے جس قدر نقل کئے گئے ہیں اُن سے یحییٰ کے اعلےٰ خیالات کا اندازہ ہوتا ہے یحییٰ کی لائف کے متعلق جو ضروری واقعات تھے وہ تھی الوسع ہم نقل کر چکے ہیں اور بعض حالات ایسے ہیں جو یحییٰ کے متعلق ہیں مگر وہ جعفر برمکی کے حالات سے وابستہ ہیں اس لئے اب ہم یحییٰ کی لائف کو اُس کی موت پر ختم کرتے ہیں اور بقیہ انشاءاللہ جعفر کے حالات میں لکھیں گے۔

یحییٰ کی موت

یحییٰ برمکی[۱] نے جس وقت دنیا سے انتقال کیا ہے اُس وقت زندگی کے ستر مرحلے طے کر چکا تھا تیسری محرم سنہ ۱۹۰ ہجری میں بمقام رقہ ہارون الرشید کی قید میں فوت ہوا۔ فضل برمکی نے اُس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ اور نہر فرات کے کنارے ربض ہرثمہ میں دفن کیا گیا۔

---

[۱] مسعودی حاشیہ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۴۔ توفیقات میں تاریخ فوت یوم سہ شنبہ ۵ ماہ ربیع الثانی مطابق ۴۔ فروری سنہ ۸۰۶ء تحریر ہے۔

[۲] حیات الحیوان دمیری جلد ۲ صفحہ ۶۵۔ و ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۲۵۔ و روضۃ المناظر فی اخبار الاوائل والاواخر صفحہ ۱۶۴ مطبوعہ مصر۔

یحییٰ کی اولاد ذکور

شجرہ نسب برامکہ میں یحییٰ کی اولاد کے نام ہم لکھ چکے ہیں لیکن ان میں سے جن کو تاریخی شہرت ہے وہ صرف چار ہیں یعنی فضل۔ جعفر۔ محمد۔ موسیٰ۔ انھیں چاروں کی نسبت کسی شاعر[1] کا قول ہے۔

اولاد یحییٰ اربع + کاربع الطبائع	یحییٰ کے چار بیٹے ہیں۔ جیسے چار عنصر
فهم اذا اختبرتهم + طبائع الصنائع	ان کو جانچ کر دیکھو تو وہ حقیقت موجودات کے عنصر ہیں۔

اور انھیں کی نسبت قاضی یحییٰ بن اکثم[2] کا قول ہے کہ میں نے مامون الرشید سے سنا ہے کہ کوئی شخص یحییٰ بن خالد اور اس کی اولاد کی کتابت۔ بلاغت۔ سخاوت۔ شجاعت۔ میں برابری نہیں کرسکتا ہے۔ چنانچہ اس کی تصدیق فضل وغیرہ کے حالات سے ہوگی۔

حاشیہ [1] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۲۲۔
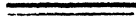
[2] مامون الرشید کے زمانے میں قاضی القضاۃ کے درجے پر ممتاز تھے۔ باوجود حکومت کی شان و شوکت کے پیشواے مذہبی تسلیم کئے گئے ہیں۔ امام بخاری۔ و ترمذی فن حدیث میں آپ کے شاگرد تھے اور فقہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ مامون الرشید کمال قدردانی سے آپ کو اپنے برابر تخت پر جگہ دیتا تھا اور اسی قابلیت کا نتیجہ تھا کہ عہدۂ قضا سے وزارت اعظم کے درجے پر پہنچ گئے تھے۔ پہلی مرتبہ جب بصرے کے قاضی مقرر ہوئے ہیں۔ اس وقت بیس۲۰ برس کی عمر تھی۔

دوسرا حصّہ

فضل برمکی

تمہید

تمہید اب ہم **فضل** کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔ ہمارا یہ ہیرو اُس نامور اور دنیا کے مشہور وزیر کا فرزند رشید ہے جس کا نام یحییٰ برمکی تھا۔ اور جس کی فیاضی۔ دریادلی۔ تواضع۔ علمی۔ قدردانی کے پُرفخر اور قابل قدر واقعات سے صفحات تاریخ کو زینت ہے۔ اور مختصر الفاظ میں فضل کی یہ تعریف ہے کہ وہ تیغ اور قلم دونوں کا مالک تھا۔ جس طرح اُس کی تلوار کی سطح زمین پر محسوس یادگاریں باقی ہیں۔ ویسے ہی اُس کی قلمی فتوحات کے دفتر آج ہمارے پیش نظر ہیں۔ ابن خلکان کا فضل برمکی کی نسبت یہ فیصلہ ہے کہ۔

"فیاضی میں فضل سب سے افضل تھا اگرچہ بلاغت[1] و انشا میں جعفر فضل پر فائق تھا لیکن بعض مورخوں نے فضل کو عقل و ذہانت میں بھی جعفر سے افضل مانا ہے اور عتابہ مادر جعفر برمکی نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے۔ بہرحال زمانہ جاہلیت کو اگر حاتم طائی پر فخر ہے۔ تو عہد اسلام کو فضل پر ناز ہے معن بن زائدہ وغیرہ کی فیاضیاں فضل کے مقابلے میں پاسنگ کے برابر نظر آتی ہیں۔ اس قدر معرفی کے بعد اب ہم فضل کو بقائے دوام اور شہرت عام کے دربار میں لاتے ہیں اور خداوند عالم سے دست بدعا ہیں کہ یہ دربار مع اپنے ارکین کے ہمیشہ قائم رہے۔ آمین!

یا رب[2] لا تسلبنی حبھا ابداً ویرحم اللہ عبداً قال آمینا

فضل کی ولادت اور تعلیم و تربیت

ولادت پنجشنبہ ستائیسویں تاریخ مہینہ رجب المرجب ۱۴۸ھ مطابق ۹۔۱۰ اگست ۷۶۵ء میں فضل کی ولادت ہوئی اسی مبارک زمانے میں ایک ہفتے کے بعد ہارون الرشید بھی عالم وجود میں آیا اقبال کی یاوری سے وہ سامان پیدا ہو گئے جس کی کبھی کو خبر بھی نہ تھی کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ فضل ہارون کا رضیع ہوگا۔

حاشیہ[1] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۴۰۰ مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ انباء بنباء الابناء صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ [2] یہ شعر قیس بن ملوح عامری معروف بہ مجنوں کا ہے۔ جیسا لیلیٰ کے عشق میں کامل تھا ویسا ہی زبردست شاعر بھی تھا جب لیلیٰ کی محبت حد سے بڑھ گئی۔ اور کھانا پینا چھوٹ گیا تو تب یاروں کی صلاح سے مجنوں کا باپ اس کو خانہ کعبہ میں لے گیا اور ہدایت کی کہ خدا کی جناب میں دعا کر کہ میرے دل سے لیلیٰ کی محبت جاتی رہے۔ مگر اس نے جو مناجات شروع کی اس کا پہلا شعر یہی تھا۔ یعنے اے خدا میرے دل سے لیلیٰ کی محبت کو کبھی نہ ہٹا۔ اور جو بندہ میری دعا پر آمین کہے اس پر اپنی رحمت کر۔

[3] ترفیقات مختار پاشا

اور خیزران[1] مادر ہارون الرشید، سی معزز خاتون فضل کی دایہ بنے گی؟ خیزران کی گود میں ایک طرف فضل ہوتا تھا۔ دوسری طرف ہارون۔ دونوں ایک ساتھ دودھ پیتے اور کھیلتے تھے۔ غرضکہ زمانہ ولادت سے سنِ رشد تک فضل کی پرورش

رضاعت

مثل شہزادگان خلافت عباسیہ کے ہوئی۔ اور فضل کے بچپن کا زمانہ حقیقت میں اس کے آئندہ زمانے کا آئینہ تھا۔ مبصرین بخوبی سمجھتے تھے کہ کچھ دنوں بعد یہ ہلال ملک میں بدر کامل ہو کر چمکنے والا ہے۔ اور در اصل ایسا ہی ہوا بھی۔ طبقہ وزرا میں جس قدر مشہور خاندان دنیا میں گزرے ہیں اُن میں سے یہ خصوصیت برامکہ کے حصے میں تھی کہ خلافت عباسیہ کی ایک محترم خاتون فضل کی دایہ بنے گی۔ فضل کے واسطے خصوصاً اور برامکہ کے واسطے عموماً اس سے زیادہ اور کیا فخر ہو سکتا ہے؟ کہ خیزران اس کی مادر مہربان اور ہارون جیسا جلیل الشان خلیفہ اس کا برادر رضاعی تھا۔ جس زمانے میں فضل پیدا ہوا ہے۔ اس وقت خالد برمکی (دادا) موصل کی حکومت پر ممتاز تھا۔ اور یحییٰ (باپ) ابھی آذربیجان کا والی تھا۔ غرضکہ وہ تمام سامان

حاشیہ [1] خیزران نہایت عقیل اور ذی علم عورت تھی۔ دینیات۔ شعر۔ ادب سے اچھی طرح ماہر تھی۔ امام اوزاعی سے علم حاصل کیا تھا۔ اور اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ ہادی و ہارون کے ابتدائی عہد خلافت میں کل سلطنت پر حکمرانی کرتی تھی۔ خلیفہ مہدی عباسی نے ایک لاکھ درہم میں خرید کیا تھا۔ چونکہ بلحاظ حسن و جمال حرم کی تمام کنیزوں میں بڑھ کر تھی۔ اس وجہ سے مہدی کو نہایت محبوب تھی۔ فیاضی میں ضرب المثل تھی۔ دروازے پر ہر وقت عام سائلوں کا مجمع رہتا تھا۔ ۱۷۲ھ میں حج کو روانہ ہوئی اور مکہ معظمہ میں ایک مہینہ قیام کیا اور عربوں کو اپنی فیاضی سے مالامال کر دیا۔ ۱۷۳ھ جمادی الثانی یوم دوشنبہ (مطابق ۲۶ اکتوبر ۷۸۹ء) کو انتقال کیا۔ ہارون الرشید نے بھی تابوت کو اُٹھایا۔ اور مقابر قریش میں دفن کیا۔ توفیقات والعہد المنشور سعید و ترتیب صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ مصر۔

مہیا تھے جو ایک خوش نصیب بچے کی پرورش کے واسطے درکار ہوتے ہیں۔ جب فضل کی ولادت کی شعرا کو اطلاع ہوئی اور انھوں نے یہ ساز و سامان دیکھے کہ فضل و رشید دونوں ایک ہی گود میں کھیل رہے ہیں تو مختلف عنوان سے اس مضمون کو نظم کیا۔ سالم الخاسر[1] کہتا ہے۔

رضاعت پر شعرا کے خیالات

اصبح الفضل والخلیفۃ ہارون	فضل اور خلیفہ ہارون الرشید۔
رضیعی لبان خیر النساء	دونوں نے اس عورت کا دودھ پیا جو اشرف النساء ہے

مروان بن ابی حفصہ نے اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں اس طرح پر ادا کیا ہے۔

کفی لک فضلا ان افضل حرۃ[2]	تیری فضیلت کے لئے یہی بس ہے کہ سب سے شریف تر خاتون نے

حاشیہ [1] سالم بن عمرو بن حماد بن عطا ملقب بخاسر۔ برامکہ و خلیفہ مہدی کا شاعر تھا۔ تحصیل علوم و فنون کے بعد گردش فلکی نے جب اس کو سخت مجبور کیا اور اس کی حالت بہت تباہ ہو گئی۔ تب زہد و پارسائی چھوڑ کر فسق و فجور اختیار کیا۔ اور مذہب سے اس قدر دور ہو گیا کہ قرآن مجید فروخت کر کے طنبورہ خرید کیا۔ اور گانا بجانا شروع کیا۔ اسی وجہ سے لوگ اس کو خاسر کہتے تھے۔ فن شعر میں کامل تھا۔ بشار بن برد شاعر کا شاگرد تھا۔ مہدی عباسی نے مروان بن ابی حفصہ کے قصیدے کے برابر اس کو بھی ایک لاکھ درہم قصیدے کا صلہ دیا تھا۔ ہر دو شعرا کے قصیدے کے مطلع یہ ہیں اور یہ قصائد تذکروں میں موجود ہیں

مروان طرقتک زائرۃ فحی خیالہا الخ

سالم حضر الرحیل وشدت الاحداج الخ

اور جب خلیفہ ہارون الرشید نے محمد امین کے واسطے بیعت لی ہے تو زبیدہ خاتون نے اس کے قصیدے کے صلے میں موتیوں سے منہ بھر دیا تھا۔ چنانچہ یہ موتی بیس ہزار دینار کو فروخت ہوئے تھے۔ شعرائے جاہلیت کا کلام اس کو بہت یاد تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں ۱۸۶ھ میں انتقال کیا اور ۳۶ ہزار دینار ترکے میں چھوڑے۔ چونکہ لاولد فوت ہوا۔ اور کوئی وارث بھی نہ تھا۔ اس وجہ سے ابراہیم الموصلی مغنی کو اس کے سوال پر ایک دن خلیفہ ہارون الرشید نے یہ کل رقم انعام میں دیدی۔ جو اپنے استر غنانی کے پاس امانتاً جمع تھی۔ روضۃ الادب صفحہ ۸۰ و ابن خلکان صفحہ ۱۹۰ جلد اول۔

[2] کامل اثیر یہ شعر ابو المجوب کا ہے۔

غذتك بثدى والخليفة واحد	تجکو اور خلیفہ کو ایک ہی چھاتی سے دودھ پلایا
لقد زنت يحيىٰ فى المشاهد كلها	تو نے ہر موقع پر یحیےٰ کا نام روشن کیا
كما زان يحيى خالداً فى المشاهد	جس طرح یحییٰ نے ہر موقع پر خالد کا نام روشن کیا تھا

جس طرح فضل نے خیزران کا دودھ پیا۔ اسی طرح رشید نے زبیدہ (فضل کی ماں کا نام تھا) اور فاطمہ[1] (جعفر کی ماں کا نام تھا) کا دودھ پیا تھا۔ غرضکہ بڑے اہتمام سے شاہانہ طرز پر فضل کی پرورش ہوتی رہی۔ اور عمر کا ابتدائی حصہ اعلےٰ درجے کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ختم ہوگیا۔

فضل کا سن رشد جب فضل عمر کے ابتدائی مرحلے طے کر کے سنِ بلوغ کو پہنچا ہے۔ اس وقت تختِ سلطنت پر خلیفہ ہارون الرشید حکمران تھا۔ جو برادرانہ تعلقات دونوں میں بچپن سے تھے اُس کا یہ بدیہی نتیجہ تھا کہ فضل سلطنت کے کسی اعلےٰ درجے پر ممتاز ہو لیکن وزیر السلطنۃ یحییٰ نے اپنی حکمتِ عملی سے اب تک فضل کو حکومت کے نازک فرائض سے علٰحدہ رکھتا تھا۔ اور جس طرح خالد برمکی نے یحییٰ کو ہارون کی اتالیقی سلطنت کے کاموں سے پہلے سپرد کی تھی۔ اُسی طرح ابتداءً یحییٰ نے فضل کو شہزادہ محمد یعنی امین الرشید کا اتالیق مقرر کیا اور امین الرشید فضل سے زیادہ مانوس بھی تھا کیونکہ بچپن سے فضل کی گود[2] میں پلا تھا۔

امین الرشید کی اتالیقی اب باقاعدہ اتالیقی کی خدمت بھی سپرد ہوگئی جس کو

حاشیہ [1] بقول ابن خلکان مروان کا ہے فضل نے جوان ہوکر مختلف اوقات پر مروان کو جو انعامات دیئے ہیں اس کی مقدار ساتھ لاکھ دینار ہے [2] ابن خلکان صفحہ ۴۰۰ جلد اول [3] عقد الفرید جلد ۳ صفحہ ۴۰۱ [4] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۵۱۶۔

نہایت قابلیت اور دلسوزی سے فضل نے ادا کیا۔ اگرچہ ماموں الرشید کی سی لیاقت امین میں نہ پیدا ہوئی تاہم امام مالک۔ یزیدی[1]۔ اور کسائی اور ابو نواس جیسے مجتہدین فن کی فیض صحبت اور تعلیم و تربیت نے اس کو فقہ۔ ادب۔ تاریخ اور دینیات میں کامل کر دیا تھا۔

اور اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ فضل ہر معاملے میں امین الرشید کا طرفدار ہوتا تھا۔ چنانچہ[2] ۱۷۵ھ ۷۹۱ء میں جب ہارون الرشید نے اپنے بیٹوں میں سے ایک کو ولیعہد کرنا چاہا تو فضل بھی زبیدہ خاتون (مادر امین) اور عیسےٰ ابن جعفر (امین کا ماموں) کا طرفدار تھا۔ اور آخر کو باوجود عباسیوں[3] کی سخت مخالفت کے فضل کی بات بالا رہی۔ اور امین الرشید کے واسطے تمام دربار سے ہارون نے بیعت[4] لی۔

حاشیہ[1] ابو محمد یحییٰ بن مبارک بن مغیرہ مشہور بہ یزیدی۔ ماموں الرشید کا استاد تھا۔ علم نحو۔ لغت۔ شعر۔ ایام العرب میں عالم تھا۔ خلیل بن احمد۔ ابو عمرو بن العلاء وغیرہ سے تحصیل علم کی تھی اسحاق بن ابراہیم موصلی۔ و ابو عبید القاسم بن سلام اسی کے شاگردوں میں سے تھے۔ ابن ابے العتاہیہ نے ادب کے متعلق اس کے خطبات جمع کئے تھے جو تخمیناً دس ہزار ورق ہیں۔ علامہ اصمعی کے طرز میں کتاب النوادر لغت میں لکھی ہے۔ علاوہ اس کے کتاب المقصور والممدود۔ کتاب النقط و الشکل وغیرہ بھی تصنیف کیں۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ اور ہر ایک ادب۔ شعر۔ ایام العرب میں کامل تھے۔ عہد ماموں الرشید میں بمقام خراسان ۲۰۲ھ بہ ۸۱۷ء ہجری میں فوت ہوا۔ نزہۃ الالبار فی طبقات الادباء صفحہ ۱۰۳ مطبوعہ مصر۔ [2] صفحہ ۴۰ جلد ۲ کامل الاثیر واقعات ۱۷۵ھ [3] ارکان عباسیہ خود دعویدار سلطنت تھے۔ اور وہ خدا سے ہارون کی موت چاہتے تھے۔ لیکن امین الرشید کی ولیعہدی میں سب سے بڑا یہ عذر تھا کہ امین بالکل بچہ ہے اور اس کی عمر پانچ برس کی ہے۔ اس کو تو یہ بھی عقل نہیں ہے کہ داہنا۔ بایاں ہاتھ پہچان سکے چہ جائیکہ مسلمانوں پر سردار مقرر کیا جاوے روضۃ الصفا صفحہ ۱۰۱ جلد ۳ و کامل اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۱ [4] ہارون الرشید کے بیٹوں میں بمقابلہ موتمن۔ معتصم۔ امین کے ماموں الرشید سب سے زیادہ قابل تھا۔ اور ہارون کا رجحان طبع بھی تھا کہ ماموں کے واسطے بیعت لے مگر فضل کے جوڑ توڑ سے ہارون مجبور تھا۔ تاریخ الاموں میں لکھا ہے کہ امین اگرچہ نہایت ذکی الطبع۔ فصیح۔ خوش تقریر۔ پاکیزہ رو۔ خوبصورت تھا۔ اس کے ساتھ اس نے نحو۔ ادب۔ فقہ میں نہایت مہارت حاصل کی تھی لیکن عیش طلب اور راحت پسند تھا۔ ہارون کو بھی روز بروز اس کی راحت طلبی کا زیادہ یقین ہوتا گیا۔ ماموں کی ذاتی خوبیوں نے ہارون کو بالکل اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں ماموں میں منصور کا حزم۔ مہدی کی متانت۔ ہادی کی

فضل کی وزارت

سب سے پہلا وزیر ہارون الرشید کا یحییٰ برمکی تھا۔ لیکن جب یحییٰ ضعیف ہوگیا تو ۱۷۸ھ[1] میں ہارون نے فضل کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ تاہم یحییٰ کا اقتدار بدستور تھا۔ اور اہم معاملات کا تصفیہ ہمیشہ یحییٰ کی رائے پر ہوتا تھا۔ فضل کے چند روزہ عہد وزارت کا مشہور کارنامہ امین کی ولیعہدی ہے۔ اور امین کی طرفداری اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ فضل جب خراسان گیا تو اس ولیعہدی کا اچھی طرح پر اعلان کیا۔ جو مقامات دارالحکومت سے فاصلے پر واقع تھے وہاں قاصد بھیجے غرضکہ یہ مرحلہ تو حسب دلخواہ طے ہوگیا۔

یحییٰ ابن عبداللہ کی بغاوت

لیکن ۱۷۶ھ میں ایک بہت بڑی جنگ کا آغاز ہوا۔ یعنی یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مجتبیٰ بن حسن بن علی ابن ابی طالب نے جو خلافت عباسیہ کے دعویدار تھے بتاریخ ۲۴ ربیع الثانی ۱۷۶ھ مطابق ۱۴ اگست ۷۹۲ء دیلم میں ظہور کیا اور بڑی شان و شکوہ سے مقابلے کو اٹھے۔ ان کے جھنڈے کے نیچے ہزاروں آدمی جمع ہوگئے۔ اور تمام اطراف امصار سے لوگ آنا شروع ہوگئے۔ جب رشید کو

بقیہ حاشیہ شان و شوکت پاتا ہوں۔ اور اگر اپنے سے بھی اس کو نسبت دینا چاہوں تو دے سکتا ہوں۔ میں نے امین کو خلافت میں اس پر ترجیح دی۔ حالانکہ مجھکو معلوم ہے کہ وہ فضول خرچ اور اپنی خواہشوں کا مطیع ہے اور لونڈیاں اور عورتیں اس کی مشیر کار ہیں۔ اگر زبیدہ کا لحاظ اور بنو ہاشم کا دباؤ نہ ہوتا تو میں مامون کو ترجیح دیتا۔" الامون صفحہ ۱۳ بحوالہ تاریخ الخلفا سیوطی۔

[1] کامل اثیر کی روایت ہے کہ ۱۷۸ھ میں امور سلطنت کے کل انتظام پھر یحییٰ برمکی کے سپرد ہوگئے تھے جلد ۶ صفحہ ۴۰

[2] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۱۰ و ابوالفدا صفحہ ۱۴ جلد ۲۔ کامل اثیر صفحہ ۴۱ جلد ۶۔ تاریخ الفی جلد اول۔

اس جمعیت کی خبر پہنچی حواس باختہ ہو گیا۔ اور مقابلے کے واسطے اپنے وزیر اعظم فضل کو انتخاب کیا۔
اور فوج کو تیاری کا حکم دیدیا۔ دار السلطنت سے پچاس ہزار سواروں کی جمعیت سے ہارون نے فضل
کو روانہ کیا۔ بغداد سے نکل کر فضل نے اپنی کامیابی کی تدبیریں سوچنا شروع کیں۔ جب طالقان[1]
میں یہ لشکر پہنچ گیا تو وہاں سے فضل نے یحییٰ علوی کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنی جادو بیانی
سے مختلف اثر پیدا کر دیئے تھے اور سلطنت کے شاہانہ جاہ و جلال اور خلافت عباسیہ کے رعب داب
کو اپنی تحریر میں عمدہ طور پر ظاہر کر دیا تھا۔ جس کے پڑھنے سے یحییٰ پر ایک ہیبت چھا گئی اور ساتھ
ہی اس کے قیمتی تحائف بھی بھیجے۔ اور یحییٰ پر بخوبی ثابت کر دیا کہ اگر جنگ کا خاتمہ صلح پر ہو تو
ہر طرح سے اُن کے حق میں مفید اور نفع بخش ہے۔ انھیں خیالات نے یحییٰ کو صلح پر مجبور کیا۔
اور جواب میں فضل کو صاف الفاظ میں یہ لکھا کہ "مجھے اس شرط پر صلح منظور ہے۔ کہ ہارون الرشید
اپنے قلم سے صلحنامہ لکھدے۔ اور اس پر تمام بنی ہاشم۔ مشائخ۔ قضاۃ۔ اور فقہا کے دستخط ہوں"۔
فضل نے اس شرط کو منظور کر لیا اور خلیفہ کو تمام واقعات سے اطلاع دی اور جو مسودہ یحییٰ نے
صلح کا بھیجا تھا وہ بھی اپنی عرضی کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ہارون بھی مصلحت ملکی سے دب گیا اور
صلح کو جنگ سے غنیمت سمجھا اور مطابق مسودے کے معاہدۂ صلح لکھکر تمام علما و فقہا و مشائخین
میں سے عبدالصمد بن علی کے دستخط ہوا کر بڑے سامان سے فضل کے پاس روانہ کیا۔ اور
قیمتی ہدایا اور تحائف بھی اس کے ساتھ بھیجے۔ فضل نے وہ خریطہ مع تمام تحائف کے یحییٰ کے

حاشیہ [1]۔ خراسان میں یہ مشہور شہر ہے۔ اگرچہ چھوٹا ہے لیکن غلہ میوہ وغیرہ بکثرت پیدا ہوتا ہے یہاں کے نمگدے وغیرہ بھی مشہور ہیں۔ خلافت عباسیہ میں ایک مستحکم قلعہ یہاں بنایا گیا تھا۔ یہ مع طالقان مشہور ہے اور اس کا موقع مرو رود۔ اور بلخ کے مابین ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو معجم البلدان یاقوت جلد ۶ صفحہ ۔

کے سامنے پیش کیا۔ اور یحییٰ کو اپنے ہمراہ لے کر بغداد کی طرف کوچ کر دیا۔ اور ہارون سے لاکر ملاقات کرائی۔ فضل کے وعدوں کے مطابق ہارون نے یحییٰ سے بہت کچھ سلوک کیا اور اس کارگزاری کے صلے میں فضل کے ساتھ بھی شاہانہ فیاضیاں کی گئیں شعرا نے فضل کی تعریف میں قصائد لکھے اور خلیفہ کو اس فتح کی مبارکباد یاں دیں چنانچہ خلیفہ نے اوّل شاہانہ طریقے سے یحییٰ کو مہمان رکھا لیکن کچھ دنوں بعد نقض عہد کرنا چاہا۔ اور علما سے فتوےٰ چاہا کہ صورت موجودہ میں نقض جائز ہے یا نہیں۔ ابوالبختری قاضی اور تمام علما نے ہارون الرشید کے خوف سے فتویٰ دیدیا کہ نقض معاہدہ جائز ہے لیکن امام محمد[1] نے اس فتوے کی بڑے زور سے مخالفت کی اور اپنے اس اصرار پر قائم رہے کہ نقض معاہدہ جائز نہیں ہے لیکن ہارون نے کثرت رائے کے فیصلے کو تسلیم کر کے دستاویز کو چاک کر ڈالا۔ اور یحییٰ کو نظر بند کر لیا۔ چنانچہ اسی حالت میں حضرت یحییٰ نے

حاشیہ [1] امام محمد بن الحسن الشیبانی۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید۔ اور فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہیں۔ ۱۳۵ھ میں بمقام وہستا دمشق کے متصل ایک موضع ہے اپیدا ہوئے۔ امام مالک سے حدیث پڑھی تھی۔ ہارون الرشید ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔ اور سیر و سفر میں ہمراہ رکھتا تھا۔ اگرچہ دربار کا تعلق تھا۔ مگر آزادی اور حق گوئی کا سر رشتہ کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ امام محمد کے فضل و کمال کا اندازہ امام شافعی کے اس قول سے ہوتا ہے کہ "امام جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اتر رہی ہے"۔ تمام شاگردوں میں امام شافعی نہایت بلند رتبہ تھے اور بمقابلہ دیگر شاگردوں کے امام محمد بھی انکے ساتھ خاص مراعات سے پیش آتے تھے۔ امام محمد کی شہرت اگرچہ زیادہ تر فقہ میں ہے لیکن وہ تفسیر۔ حدیث۔ ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ امام صاحب کی تصنیفات میں سے مؤطا۔ مبسوط۔ جامع صغیر۔ جامع کبیر۔ زیادات۔ کتاب الحج۔ سیر صغیر و کبیر مشہور ہیں۔ ہمراہی خلیفہ ہارون الرشید ۱۸۹ھ ہجری میں رے کے قریب موضع رنبویہ میں انتقال کیا۔ اتفاق سے کسائی نحوی نے بھی اسی جگہ انتقال کیا تو ہارون کو نہایت صدمہ ہوا کہ "آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن کر آئے"۔ علامہ یزیدی نے نہایت جانگداز مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر ہے ؎ فقلت اذا ما اشکل الخطب من لنا ٭ بایضاحه یوما وانت فقیه

ترجمہ ہم نے کہا کہ جب تو نہ رہا تو ہمارے لئے مشکلات کا حل کرنے والا کہاں سے آئے گا؟

ماخوذ از سیرۃ النعمان - علامہ شبلی نعمانی۔

دنیا سے کوچ کیا۔

صوبہ خراسان کی ولایت

اس کارگزاری کے صلے میں ہارون الرشید نے فضل کو صوبہ خراسان کی ولایت (گورنری) عنایت کی۔ طبرستان۔ رے۔ نہاوند۔ ہمدان۔ جرجان۔ آذربیجان۔ اور آرمینیہ کے زرخیز شہر بھی اس میں ملحق کر دئیے۔

فضل[1] کے دائرہ حکومت کا اندازہ اگر آج کل کے ملکی محاصل پر کیا جاوے تو اس کا مقابلہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں سے ہو سکتا ہے لیکن ملکی ٹکس اور شرعی خراج کی حیثیت سے بھی فضل کی حکومت کا رقبہ اور سالانہ خراج ایک مستقل سلطنت کے برابر تھا۔

ذیل کے نقشے میں جو تعداد خراج کی لکھی ہے اگرچہ وہ عہد مامون الرشید کی ہے لیکن اس لحاظ سے کہ خلافت ہارون و مامون میں تھوڑی مدت کا فصل ہے۔ اور ملک کا بندوبست استمراری تھا۔ تشخیص جمع میں سختی اور چند روزہ بندوبست کی خرابیاں رائج نہ تھیں اس لحاظ سے یہ جمع قریب قریب عہد ہارون کے سمجھنا چاہئے۔

حاشیہ[1] مسٹر پول (جغرافیہ نویس) کا بیان ہے کہ ۱۷۸ ہجری مطابق ۷۹۴ء میں فضل برمکی کرمان سے لے کر حد ترکستان تک جتنے ممالک اسلامیہ تھے سب کا گورنر تھا۔ اور عسقلان میں ایک قلعہ بنوایا تھا جس کا نام الباب رکھا تھا جو آج تک دروازے کے نام سے مشہور ہے۔ دیکھو حالات وشت پابیر مندرجہ اخبار و سائنٹ کانپور نمبر ۲۶ مطبوعہ ۲۷ جون ۱۹۰۵ء اور ابن خلکان میں تحریر ہے کہ فضل کی تمام ممالک شرقی میں حکومت تھی اور شروان سے اقصائے بلاد ترک تک فضل کے سپرد تھا۔

نقشہ سالانہ خراج ممالک مقبوضہ فضل برمکی

خراج	ضلع
دو کروڑ اسّی لاکھ درہم چار ہزار گھوڑے۔ ایکہزار غلام۔ تیس ہزار تھان۔ تیس ہزار رطل ہلیلہ۔ دو ہزار نقرۂ چاندی۔	خراسان
تریسٹھ لاکھ درہم۔ طبرستانی فرش چھ سو۔ چادریں دو سو۔	طبرستان و رویان
ایک کروڑ بیس لاکھ درہم۔ شہد بیس ہزار رطل۔	رے
کپڑے پانسو تھان۔ سندیل تین سو۔ جامات تین سو	نہاوند
ایک کروڑ تیرہ لاکھ درہم۔ ربّ الرمانین ہزار رطل۔ شہد بارہ ہزار رطل۔	ہمدان
چالیس لاکھ درہم۔	آذربیجان
ایک کروڑ بیس لاکھ درہم۔ ریشم ہزار شقہ	جرجان
ایک کروڑ تیس لاکھ درہم۔ فرش محفور بیش۔ رقم پانسو تیس رطل۔ مساحیج سورماہی دس ہزار رطل۔ صونج دس ہزار رطل۔ خچر دو سو۔ بھیڑیے تیش۔	آرمینیہ

حاشیہ یہ نقشہ ابن خلدون کی تحریر کے موافق ہے۔ اور خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں جو حالت وصول مال گزاری وغیرہ کی تھی اس کی تصریح کتاب الخراج قاضی ابو یوسف سے معلوم ہو سکتی ہے۔

ملک کی اندرونی پیچیدگیوں نے خراسان پر زیادہ دنوں ٹھیرنے کا فضل کو موقع نہیں دیا۔ کیونکہ بسبب واپسی جعفر برمکی کے فضل کو کچھ زمانے کے واسطے مصر جانا پڑا۔ لیکن دوسری مرتبہ ۱۷۸ہجری میں مستقل طور پر خراسان جانے کا حکم ہوا۔ اس مرتبہ فضل نے بہت کچھ ملکی انتظامات کئے۔ خراسان میں جس قدر فوج رہتی تھی اُس میں اضافہ کیا۔ صیغہ نظارۃ نافعۂ عامہ (پبلک ورکس) میں بہت کچھ ترقی ہوئی۔ قدم قدم پر مسافر خانے۔ زاویے۔ مسجدیں۔ حمامات۔ پل تیار کرائے۔ علاوہ ازیں لاکھ درہم بقایا مال گزاری جو پچھلے زمانے سے چلی آتی تھی اُس کے دفتر جلادیئے۔ عدل و انصاف سے تمام ملک کو خوش کر دیا۔ اور اپنی شاہانہ فیاضیوں سے رعایا کے دلوں میں ہر دل عزیز ہو گیا۔ فضل برمکی اگرچہ خراسان کا والی تھا۔ لیکن اس صوبے کی امارت کا شمار مؤرخین نے بادشاہوں کے درجے میں کیا ہے۔ کیونکہ باعتبار جاہ و حشم اور قوت و شوکت کے خراسان کا حاکم تاجداروں کے ہم پلہ تھا۔ بلکہ یحییٰ و فضل کو عوام و خواص بلقب سلطان یاد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ہشیم بن فراس شاعر اپنے ممدوح فضل بن مروان (خاندان بنی سامہ) کو جب اُس کے ظلم و ستم کی زیادہ فریادیں ہونے لگیں تو اس طرح پر نصیحت کرتا ہے۔ ؎

تجبرت یا فضل بن مروان فاعتبر فقبلک کان الفضل و الفضل و الفضل ثلاثۃ املاک مضوا لسبیلھم	اے فضل بن مروان تو جابر بن گیا۔ عبرت پکڑ کہ تجھ سے پہلے تین فضل گزرے ہیں۔ جو تینوں بادشاہ تھے۔

حاشیہ ۱؎ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۳۔ واقعات ۱۷۸ ہجری ۲؎ ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۱۰ و کامل ابن اثیر کتاب المحاسن بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۳ ۳؎ مستطرف جلد اول صفحہ ۹۶ و حیات الحیوان دمیری جلد ۲ صفحہ ۵۰۔ ۴؎ ان میں ایک فضل بن یحییٰ برمکی ہے۔

أباد تهم الاقياد والحبس والقتل	اور قید ہوکر۔ محبوس ہوکر۔ قتل ہوکر۔ مرے۔
وانك قد اصبحت فی الناس ظالما	تو لوگوں پر ظلم کر رہا ہے۔
ستوذی كما اوذی الثلاثة من قبل	تو تو بھی اسی طرح تباہ ہوگا جس طرح تجھ سے پہلے وہ تینوں فضل

شکایت آمیز عرضی

باوجود اس قدر انصاف ورعایا پروری کے بھی کسی نے ایک دفعہ ہارون کے پاس ایک شکایت آمیز عرضی بھیجی۔ جس میں لکھا تھا کہ فضل ہمیشہ سیر وشکار اور لہو ولعب کے جلسوں میں مشغول رہتا ہے۔ معاملات رعایا پر کچھ بھی توجہ نہیں ہے۔ اتفاق سے یحییٰ بھی اُس وقت ہارون کے پاس موجود تھا۔ ہارون نے عرضی پڑھ کر یحییٰ کے سامنے ڈال دی اور کہا کہ "پیارے باپ! اس کو ملاحظہ کیجئے اور چند سطریں اپنے قلم سے فضل کو اس کے جواب میں لکھ دیجئے"۔ چنانچہ یحییٰ نے اُس کی پشت پر لکھا۔

یحییٰ کا جواب فضل کو

"برخوردار من! خدا تم کو اپنی پناہ میں رکھے۔ امیرالمومنین کو اسکی شکایت گزری ہے۔ کہ تم سیر وشکار میں مشغول رہتے ہو۔ دنیاوی لذات میں اس قدر مصروفیت ہے کہ امور رعایا سے غافل ہو رہے ہو۔ تمہارے یہ افعال امیرالمومنین کو ناگوار ہیں"۔ چنانچہ باپ کی تحریر پڑھ کر فضل متنبہ ہوگیا اور جب تک خراسان میں رہا۔ جمعے کی نماز جماعت اور انفصال مقدمات رعایا میں فرق نہیں آیا۔ جو خط نظم میں یحییٰ نے فضل کو لکھا تھا اس کو ہم بھی ابن خلکان[1] اور شرح مقالات حریری سے نقل کرتے ہیں اس نظم کے لکھنے

حاشیہ [1] ابن خلکان صفحہ ۱۶ ۵ ۱۷۔ وحیوۃ الحیوان دمیری جلد ۲ صفحہ ۴۹۔ وشریشی شرح مقالات حریری جلد ۲ صفحہ ۹۳ اشعار مطابق اسی کتاب کے لکھے ہیں۔ روضۃ الصفا میں بھی یہی مضمون ہے لیکن صرف ایک رباعی پر ختم کردیا ہے۔

سے علاوہ عمدگی مضامین کے یہ بھی دکھلانا منظور ہے کہ یحییٰ برمکی کو نظم پر کس درجہ مہارت تھی۔ اور وہ کس رتبے کا شاعر تھا۔

انصب نهارا في طلاب العلا	بزرگی کی تلاش میں محنت اٹھا۔
واصبر على فقد لقاء الحبيب	اور دوست کے نہ ملنے پر صبر کر۔
حتى اذا الليل اتى مقبلا	جب رات آئے
واستترت فيه عيون الرقيب	اور رقیبوں کی آنکھیں بند ہو جائیں
فباشر الليل بما تشتهي	تو رات کو جو جی چاہے کر
فانما الليل نهار الاريب	کیونکہ رات ہشیار آدمی کے لئے دن ہے
كم من فتى تحسبه ناسكا	بہت سے لوگ جن کو تو پرہیزگار سمجھا ہے
يستقبل الليل بامر عجيب	رات کو وہ عجیب کام کرتے ہیں۔
القى عليه الليل اثوابه	جب رات اُن پر اپنا پردہ ڈال دیتی ہے
فبات في لهو وعيش خصيب	تو عیش وعشرت میں بسر کرتے ہیں
ولذة الاحمق مشهورة	احمق کا لطف اٹھانا مشہور ہے۔
يرصدها كل حسود رقيب	کہ ہر حاسد رقیب اُس کی تاک میں رہتا ہے۔

آتشکدۂ نوبہار کی بربادی

مورخین نے فضل کے تذکرے میں اس واقعہ کو نہایت استعجاب کی نظر سے دیکھا ہے۔ کہ جب فضل

حاشیہ سلہ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ مطبوعہ مصر۔

خراسان کا دورہ کرتا ہوا بلخ میں پہنچا ہے تو آتشکدہ نوبہار کے کھنڈرات موجود تھے۔ اور یہ وہ مقدس عبادت خانہ تھا جس کے متولی فضل کے آباو اجداد تھے۔ لیکن فضل نے اس کا کچھ بھی خیال نہیں کیا اور کل عمارت کے مسمار کرنے کا حکم دے دیا لیکن بسبب استحکام کل آتشکدہ تو مسمار نہ ہو سکا۔ تاہم ایک گوشہ اس کا گھل گیا اور وہاں پر مسجد تعمیر کر دی گئی۔ اس واقعہ سے فضل کی دینداری اور مذہبی جوش کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۱۷۹ھ ہجری میں بغداد کو واپس آیا۔ عمائدین سلطنت اور علمانے نہایت اعزاز سے استقبال کیا۔ شعرانے مبارکباد کے قصائد پڑھے[1] اور بقیہ زندگی کے مرحلے بغداد میں طے کئے۔

عام اخلاق وعادات

معاملات سلطنت کو چھوڑ کر اب ہم فضل کے عام اخلاق وعادات پر نظر ڈالتے ہیں کیونکہ انسان کے حالات زندگی میں یہی وہ مرقع (البم) ہے جس میں مختلف شکل وشمائل کی صورتیں نظر آسکتی ہیں۔ وہی فضل جس کے پرزور ہاتھوں میں ابھی تلوار تھی۔ اب علمی مجلسوں اور شاہانہ جلسوں میں نظر آئے گا کبھی اس کا روئے سخن ندیموں کی طرف ہوگا جس میں مذاق کی باتیں ہونگی۔ کبھی درویشوں اور معمولی آدمیوں سے باتیں کرتے ہوئے دکھلائی دیگا لیکن مختلف روپ کی تبدیلی سے ناظرین دھوکے میں نہ آئیں ہر رنگ ڈھنگ میں انھیں فضل کا خیال رکھنا

حاشیہ[1] اسحاق بن ابراہیم موصلی کے یہ اشعار بہت مشہور ہیں۔

لو کان بینی وبین الفضل معرفتہ — فضل ابن یحیی لا عانی علی الزمن
ھو الفتی الماجد المیمون طائرہ — والمشتری الحمد بالمغالی من الثمن

چاہئے ؂

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش

من انداز قدت را مے شناسم

فضل کی سخاوت

یہ ہم اول ہی لکھ چکے ہیں کہ فیاضی میں فضل برامکہ میں سب سے افضل تھا۔ اس خاص صفت میں کوئی اس کی برابری کا دعوی نہیں کر سکتا ہے۔ کثرت ایثار نے تمام ملک میں شہرت عام پیدا کر دی تھی۔ اور علما۔ فضلا۔ شعرا۔ مشائخ۔ عام سائلین۔ اور غریب محتاجوں کا مجمع صبح کو فضل کے مکان پر ہوتا تھا اور سب بامراد دعائیں دیتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ فضل کی فیاضی کو بعض مؤرخین نے اسراف کی مد میں شمار کیا ہے۔ لیکن جس قدر اس کی فیاضی کی تعریف کی جائے وہ حقیقت میں اس کے اصلی واقعات ہیں جس میں مبالغہ تکلف اور بناوٹ کو مطلق دخل نہیں ہے۔ علامہ ضیاء برنی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ فضل خراسان سے بغداد میں آیا جس قدر روپیہ خزانہ شاہی میں داخل کرنے والا تھا اس کے تین حصے کر ڈالے۔ ایک عزیزوں کو اور دوسرا قدیم متعلقین کو دے دیا۔ تیسرے حصے کا صحن میں ڈھیر لگا دیا کہ جو مستحق ہو اس کو دیا جائے۔ چنانچہ بیس روز تک یہی ہوا کیا۔ ہارون کو بھی اس کی خبر ہو گئی۔ تب تو یحییٰ بھی پریشان ہوا کہ ایسا نہ ہو امیر المومنین کا مزاج برہم ہو جائے چنانچہ نصیحت کی غرض سے فضل کے مکان پر روانہ ہوا۔ جا کر کیا دیکھتا ہے کہ بیٹے کا سر مصلے پر ہے۔ اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ یہ حال دیکھ کر یحییٰ نے پوچھا جان پدر کیا حال ہے؟ جواب دیا " مجھے افسوس ہے کہ بغداد میں بہت ایسے لوگ ہیں جو

امداد کے مستحق ہیں۔ مگر میرے پاس اب کچھ نہیں ہے"۔ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر کہا کہ "کچھ فکر نہ کرو جو میرے پاس ہے اول اسے صرف کرو۔ جب یہ ہو جائے تو قرض لینا میں ادا کر دونگا"۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے فیاض اور کریم النفس پیدا نہیں ہوتے ہیں تو فضل کے نمک خوار ہر طبقے میں بکثرت ملیں گے لیکن شعرائے خاصکر اس مضمون میں زیادہ حصہ لیا ہے۔ اور شاعروں کے ساتھ جو جو احسان اس خاندان نے کئے ہیں وہ ضرب المثل ہیں۔ اور انصاف یہ ہے کہ عربی علم ادب کا بہت بڑا سرمایہ برامکہ کی فیاضی سے مرتب ہوا ہے۔ کیونکہ ایک ایک قصیدے کے صلے میں شعرا کو ہزاروں درہم و دینار دینے سے برامکہ کا مقصود علم ادب (لٹریچر) کی ترقی تھی۔ شعرائے پایۂ تخت میں سے مروان بن ابی حفصہ خاص برامکہ کا شاعر ہے۔ اس نے ایک موقع پر اپنے ممدوح فضل کا سلاطین سے مقابلہ کیا ہے۔ اور فیاضی کی نسبت اس کا یہ قول ہے۔

عندالملوك منافع ومضرة[1]	بادشاہوں سے نفع و نقصان دونوں پہنچتا ہے۔
وارى البرامك لاتضر وتنفع	لیکن برمکیوں سے صرف نفع پہنچتا ہے۔
ان كان شر كان غيرهم له	اگر کوئی برائی ہو تو وہ اوروں کا کام ہے۔
والخير منسوب اليهم اجمع	ورنہ بھلائیاں تو سب برمکیوں سے تعلق رکھتی ہیں۔

امام بیہقی نے برامکہ کی فیاضی کی نسبت لکھا ہے کہ اس خاندان کے ارکان رات کو گلی کوچوں میں پھرا کرتے تھے۔ اور روپوں کی تھیلیاں غلام لئے رہتے تھے۔ اور حاجتمندوں کے دروازے

حاشیہ [1] اگرچہ مصرع ناظرین کو مبالغہ معلوم ہوگا لیکن برامکہ کی سچی توصیف ہے۔ اسحاق موصلی کی روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ یہ اشعار فضل کے سامنے پڑھے تو مجھ سے کہنے لگا۔ افسوس ہے کہ میں نے مروان کو اسکا صلہ کچھ بھی نہیں دیا تھا یعنی صرف تیس ہزار درہم حالانکہ مجھے تیس ہزار دینار سرخ دینا لازم تھا۔ عینیا، برنی صفحہ ۹۴ [2] کتاب المحاسن والمساوی صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ مصر

کھلوا کر ان کو تھیلی دے دی جاتی تھی۔ جس میں تین ہزار سے پانچ ہزار تک رقم ہوا کرتی تھی۔ کسی نے ایک دفعہ اسحاق موصلی سے پوچھا کہ فضل کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے تو اسحاق نے یہ جواب دیا:۔

اذا نزل الفضل بن یحیی ببلدۃ	فضل بن یحیی جب کسی شہر میں اترتا ہے۔
رأیت بھا غیث السماحۃ ینبت	تو تم دیکھو گے کہ وہاں سخاوت کی کھیتی اُگتی ہے
فلیس بسعال اذا سیل حاجۃ	جب کسی سے کوئی کچھ مانگتا ہے تو وہ ٹالنے کے لئے کھانستا نہیں۔
ولا مکب فی ثری الارض ینکت	اور نہ زمین کی طرف جھک کر لکڑی سے زمین کریدتا ہے

جس طرح شعرا فضل کے عاشق تھے۔ ویسا ہی فضل بھی اُن کا مربی اور مددگار تھا۔ دربار میں جب کبھی ہارون الرشید کا شعراء پر عتاب ہوا تو صرف فضل کی سفارش پر عفو قصور ہوا کرتا تھا۔ جس کی نظیر میں عتابی وغیرہ کے حالات مشہور ہیں۔ فضل کی مدح میں شعرا نے جس قدر قصائد لکھے ہیں۔ اگر انکا انتخاب کیا جاوے تو ایک مختصر سا دیوان تیار ہو جاوے۔ لہذا اشعار مذکورہ پر اکتفا کیا گیا۔

ناظرین ابو نواس[۱] وغیرہ کے قصائد سے لطف اٹھا سکتے ہیں۔ جو فضل کی مدح میں لکھے گئے ہیں۔

حاشیہ [۱] اعلام الناس صفحہ ۱۱۰

[۱] ابو علی حسن بن ہانی بن عبدالاول بن صباح مشہور بہ ابو نواس ایک جلیل القدر فاضل اور نامور شاعر تھا۔ ابو عمرو جاحظ کا قول ہے کہ میں نے ابو نواس سے زیادہ علم لغت میں کسی کو عالم نہیں دیکھا۔ فن شعر میں جو درجہ متقدمین میں امرء القیس کا تھا۔ محدثین میں وہی رتبہ ابو نواس کا تھا۔ نشہ کے عالم میں بھی شعر کہتا تھا اس لئے ہر قسم کے مضامین ہوتے تھے۔ باوجود علم و فضل کے مزاج میں مسخرہ پن بہت تھا۔ اور کوئی بات نکتہ سنجی و ظرافت سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ خلفائے عباسیہ و برامکہ کی مدح میں اسکے قصائد مشہور ہیں۔ فضل برمکی کی تعریف میں جو قصیدہ دیوان میں موجود ہے وہ نہایت زور کا ہے جس کا مطلع یہ ہے

ا با بعم البلاد ان المخشوع لبادی	علیک وانی لم اخنک ودادی

یہ شاعر ۱۳۶ہجری یا ۱۴۵ہجری میں بمقام اھواز پیدا ہوا تھا اور خلیفہ امین الرشید کے زمانہ میں بمقام بغداد ۱۹۵ھ

نخوت پسندی

فضل[1] برمکی نہایت متکبر و نخوت پسند تھا۔ چنانچہ ایک خاص مصاحب نے جرأت کرکے پوچھا کہ آپ میں باوجود مروت و سخاوت تکبر و نخوت کیوں ہے؟ فضل نے جواب دیا کہ "میں نے عمارہ بن حمزہ سے یہ عادت سیکھی ہے لیکن اب مجبور ہوں کیونکہ یہ عادت طبیعت ثانی ہوگئی ہے" جب اس قدر معلوم ہوا تو پھر اس مصاحب نے سوال کیا کہ عمارہ کا کیا واقعہ ہے؟ تب فضل نے پورا قصہ اس طرح بیان کیا کہ خلیفہ مہدی کے زمانے میں پدر بزرگوار (یحییٰ برمکی) بلاد فارس میں عامل تھے۔ وزیرالسلطنۃ عمارۃ سے کسی قدر رنج تھا اس لئے ایک موقع پر یہ[2] حکم جاری ہوا کہ کل سالانہ خراج وجوب قسط سے پہلے خزانۂ شاہی میں داخل ہوجاوے۔ اس وجہ سے سخت پریشانی ہوئی جس قدر ممکن تھا روپیہ جمع کیا گیا تاہم تیس لاکھ کی رقم باقی تھی تب مجھے حکم دیا کہ "بغداد پہنچ کر عمارہ سے میرا سلام کہو اور بقدر ضرورت روپیہ قرض لے آؤ" اگرچہ میں نے مخالفت بھی کی کہ آپ میں اور عمارہ میں یہاں تک عداوت ہوگئی ہے کہ اگر موقع ملے تو مار ڈالے لیکن میں مجبور کیا گیا اور بغداد میں حاضر ہوا۔ اطلاع ہونے پر دربار میں میری رسائی ہوئی

بقیہ حاشیہ۔ میں فوت ہوا۔ بعد انتقال کے کئی صندوق کاغذ اس کے مکان سے نکلے جس میں لطائف و ظرائف اور نکات شعرا لکھے ہوئے تھے۔ اور چونکہ اسکی کاندھے پر دو گیسو ہر وقت حرکت کرتے رہتے تھے اس وجہ سے اس کو ابو نواس کہتے تھے۔ (تذکرۃ ابن الانباری صفحہ ۹۶)

[1] ابن خلکان صفحہ، اور تاریخ نگارستان محمد احمد کوفی۔ جامع الحکایات صفحہ ۴۴۳

[2] جامع الحکایات کی روایت ہے کہ یحییٰ برمکی کے پاس چند اضلاع فارس مستاجری پر تھے۔ سال تمام پر قسط کا روپیہ نہیں پہنچا تھا۔ اس وجہ سے مہدی عباسی نے ناراض ہوکر یہ حکم دیا تھا کہ اندر ایک دن کے کل مطالبہ داخل نہوگا تو یحییٰ قتل کیا جائے گا۔ یہ عجیب بات ہے کہ وصول مالگزاری میں سلف سے سختیاں ہوتی چلی آتی ہیں۔ اور آج تک وصول بقایا میں مدارکات قانونی جاری ہیں۔ اور تحصیلداروں کے فرائض میں یہ سب سے اہم خدمت ہے۔

تو کیا دیکھتا ہوں کہ عمارہ صدر ایوان میں تکیہ لگائے بیٹھا ہے میں نے سلام کیا جواب کا تو کیا ذکر ہے میری طرف نظر اٹھا کے بھی نہیں دیکھا کہ کون ہے؟ تب مجھے بے انتہا صدمہ ہوا۔ اور یقین ہو گیا کہ یہاں سے کوئی امید مطلب براری کی نہیں ہے۔ کیونکہ جس شخص کی ملاقات کا یہ عنوان ہو کہ سلام کا جواب تک نہ دے۔ وہ کیونکر لاکھوں کی رقم بیت المال سے نکال کر دیدیگا۔ چونکہ چند خیالات نے مجھے گھیر لیا تھا۔ اس وجہ سے نہایت پریشان تھا کہ کیا کروں۔ چنانچہ عمارہ نے مجھے متحیر دیکھ کر کہا کہ اگر کچھ کہنا ہے تو کہو۔ تب میں نے کل واقعہ بیان کیا۔ جواب میں اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہا کہ "خدا کارساز ہے" میں ٹکا سا جواب سنکر چلا آیا۔ لیکن سخت متردد تھا کیونکہ خالی ہاتھ جا بھی نہیں سکتا تھا اور نہ صورت واقعہ کسی سے بیان کرسکتا تھا لیکن تھوڑی دیر میں کیا دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ایک قطار اونٹوں کی موجود ہے۔ اور سب پر توڑے لدے ہوئے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عمارہ نے حسب درخواست یحییٰ برمکی یہ روپیہ بھیجا ہے۔ میں نہایت خوشی سے وہ رقم لے کر روانہ ہوا۔ اور کمی پوری کرکے خزانہ روانہ کردیا گیا۔ اس کے بعد جب میں نزد مرے لے کر عمارہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو سخت ناراض ہوا اور کہا "رخصت ہو لا بارك الله فيك کیا میں یحییٰ کا مہاجن تھا کہ ضرورت کے وقت طلب کیا اور اب واپس کیا جاتا ہے"! یہ کہکر اس نے سب رقم واپس کردی عمارہ کا یہ انداز مجھکو پسند آیا اور اسی دن سے مجھ میں بھی نخوت پیدا ہوگئی"۔ اب ہم فضل کی سخاوت اور فیاضی کی چند[1] معتبر روایات لکھتے ہیں جن سے اعلیٰ درجے

حاشیہ [1] افسوس ہے کہ مورخین نے فضل کے حالات میں بجز اس کے داد و دہش کے افسانوں کے اور کچھ بھی نہیں لکھا ہے اس وجہ سے ابرامکہ بھی ان واقعات سے خالی ہے جو انتظام سلطنت سے وابستہ ہیں۔ اور محض فیاضی کے واقعات سے معتدبہ فائدہ نہیں تھا۔ لہذا فیصدی دو تین واقعات بطور نمونہ کے اکتفا کیا گیا ہے۔

کی فیاضی اور خاص خاص نیکیاں فضل کی ظاہر ہونگی۔

ارکان عباسیہ سے سلوک

اسحاق بن سلیمان نے یعقوب بغدادی سے روایت کی ہے کہ محمد بن ابراہیم عباسی اپنے مصارف کی وجہ سے تنگدست رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اس قدر مقروض ہوگیا کہ پریشان ہوکر نہایت قیمتی جواہرات فروخت کرنا چاہے۔ لیکن بغداد کے جوہریوں نے زرثمن میں دس لاکھ دینار منظور نہیں کئے تب تو نہایت ہی تنگدل ہوا۔ اور یہ خیال کیا کہ برامکہ کے مکان پر جانے کا اتفاق نہیں ہوا ہے۔ لیکن ایسی مصیبت میں برامکہ کے سوا اور کون ہے جس سے حاجت روائی کی امید ہوسکتی ہے۔ چنانچہ مجبوراً دوسرے دن فضل کے مکان پر گیا۔ محمد عباسی کا فضل کے مکان پر جانا فضل کے واسطے نہایت ہی عزت کا باعث تھا کیونکہ علاوہ انتساب سلطنت کے آل عباس میں محمد بن ابراہیم سے زیادہ کون معزز ہوسکتا تھا، فضل بہت خوش ہوا۔ اور نہایت تعظیم سے پیش آیا۔ تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد محمد عباسی نے وہ گرانمایہ جواہر فضل کے سامنے رکھدیئے اور کہا کہ دس لاکھ دینار کی ضرورت ہے۔ فضل اس وقت خاموش رہا۔ کیونکہ محمد کے ساتھ زیادہ گفتگو کرنا بھی بے ادبی تھی۔ فضل نے جواہرات اپنے پاس رکھ لئے۔ اور دوسرے دن صبح کو دس لاکھ دینار بھیجدئے اور ایک عرضداشت اس مضمون کی لکھی کہ "آپ کی بات کا رد کرنا کمال بے ادبی تھی اسلئے کل یہ قیمتی جواہرات رکھ لئے گئے تھے۔ لیکن اب میں واپس کرتا ہوں اگر آپ اس کو قبول فرمائیں تو میری عزت افزائی کا باعث ہوگا۔ اور تمام عمر ممنون رہونگا۔ ہاں اگر رائے عالی کے نزدیک مصلحت نہو اور کمترین کی درخواست قبول نہ کی جائے تو نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں

کہ جب آپ کے مصارف سے باقی رہے اُس وقت یہ رقم آپ واپس مرحمت فرمائیں" محمدؐ نے جب نقدی کا یہ انبار دیکھا اور ساتھ ہی اُس کے فضل کی عرضی پڑھی۔ تو اپنی حاجت اور فضل کی فیاضی پر خیال کر کے جواہرات بھی رکھ لئے۔ اور مال کو ہدیے میں قبول کیا۔ اور یہ ارادہ کیا کہ ہر روز صبح کو جا کر فضل کو سلام کیا کروں لیکن فضل بھی اسی خیال سے کہ شاید محمد عباسی اداے شکریہ کے لئے تشریف لائیں۔ علے الصباح دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید سے محمد بن ابراہیم کے واسطے بہت دیر تک عرض کرتا رہا۔ چونکہ فضل بہت کم سخن اور متین تھا۔ بلاضرورت زیادہ گفتگو نہیں کرتا تھا اس وجہ سے ہارون کو نہایت تعجب ہوا کہ خلاف معمول یہ سفارش کیسی ہے۔ اور فضل سے کہا کہ محمد بن ابراہیم کو پچاس ہزار درہم سلطنت سے ملتے ہیں گو بہ اعتبار اُن کے اعزاز و مراتب کے یہ وظیفہ کم ہے۔ اور میں اس رقم پر اضافہ کر سکتا ہوں لیکن خاندان ... اور لوگ بھی ہیں۔ اُن کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ اضافہ درخواست کریں۔ اس وجہ سے اضافہ منظور نہیں ہو سکتا ہے۔ فضل نے کہا کہ خلیفہ کی فیاضی کی امید پر میں اس رقم کو دوچند کرتا ہوں۔ کیونکہ محمد اب زیادہ مقروض ہو گیا ہے۔ بلکہ یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ جو قیمتی جواہر امیر المومنین کے عطیہ ہیں وہ رہن رکھے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایک جاگیر بھی مرحمت ہونا چاہئے۔ کہ نوبت قرض کی نہ پہنچے اور موجودہ قرض خزانہ شاہی سے ادا کیا جائے۔ بالآخر فضل کی تجویز کو ہارون نے منظور کر لیا۔ اور احکام جاری کر دئے گئے۔ جب محمد کو دربار کا یہ واقعہ معلوم ہوا تو نہایت خوش ہوا۔ اور فضل کے اداے شکریہ کا خیال اور بھی مستحکم ہو گیا۔ لیکن فضل کی حالت

وزارت کا اقتدار دیکھو

تھی کہ جب محمد کی آمد کی خبر سنتا تو یحییٰ یا جعفر کے مکان پر چلا جاتا۔ چنانچہ یہ حال دیکھ کر کسی نے محمد سے کہا کہ "فضل کا مقولہ ہے کہ مجھے یہ منظور نہیں ہے کہ آپ جیسا معزز شخص شرمندۂ احسان ہو"۔ یہ سنکر محمد کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہا کہ فضل سے کہدو کہ سخاوت کا تم پر خاتمہ ہے۔ اب آئندہ زمانے میں جو فیاض ہونگے وہ تمہاری اقتدا کریں گے"۔ اور اخیر عمر تک محمد کا یہ حال رہا کہ صبح کو روزانہ فضل کے مکان پر جایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ جب یہ فیاض خاندان تباہ ہو گیا اور سوائے کھنڈرات کے اور کوئی بھی اُن کے حال پر حسرت کرنے والا نہ رہا۔ اس وقت بھی محمد کا یہ دستور تھا کہ فضل کے سمار شدہ مکانات پر جا کر روتا اور فضل کے حق میں دعائے مغفرت کیا کرتا تھا۔ اور چونکہ ملے روس الاشہاد برامکہ کا ذکر کرنا جرم تھا۔ اس لئے خفیہ طور پر برامکہ کی فیاضیاں بیان کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جو کچھ میرے پاس ہے یہ فضل کی بدولت ہے۔ بعد استیصال برامکہ ہارون نے فضل بن ربیع کو وزیر مقرر کیا ایک[1] روز اس نے جلسہ عام میں یہ تذکرہ کیا کہ محمد بن ابراہیم عباسی ہمیشہ فضل برمکی کے سلام کو جایا کرتے تھے آخر میں بھی تو

وزیر اعظم ہوں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ محمد عباسی اس عزت سے مجکو بھی سرفراز فرمائیں؟" لوگوں نے محمد سے اس قول کو نقل کیا۔ تو بہت رویا اور کہا کہ "افسوس فضل ربیع فضل برمکی کی برابری کیونکر کر سکتا ہے؟ نہ اس میں فیاضی ہے نہ مروت ہے۔ نہ اخلاق ہے۔ اگر کوئی شخص دونوں میں مساوات قائم کرے تو وہ کشتنی ہے"۔ فضل ربیع نے سنا تو کہا کہ "ہاں۔ محمد کا کہنا صحیح ہے۔ لیکن جب امیر المومنین برامکہ کے ذکر سے ناخوش ہوتے ہیں تب تو ایسے تذکرے

حاشیہ [1] چونکہ یہ سب واقعات تاریخ ضیاء برنی سے لکھے گئے ہیں۔ اس وجہ سے حوالہ ماخذ کا ہر جگہ نہیں لکھا گیا ہے۔

محمد کو زیبا نہیں۔" محمد نے یہ سنکر کہا کہ "اسی دعوے پر فضل۔ برامکہ کی برابری کا دعوے کرتا ہے۔ یہ تو کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے کہ میں خاموش ہو رہوں۔"

حقوق ہمسائگی

عبداللہ بن منصور سے روایت ہے کہ ایک دن میں فضل کی مجلس میں حاضر تھا کہ حاجب نے آن کر اطلاع دی کہ ایک غریب الدیار اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ مدت تک میں وزیر کے ساتھ رہا ہوں۔" فضل نے کہا کہ "اچھا اندر آنے دو۔" حاجب نے لاکر پیش کیا۔ یہ شخص ایک خوب صورت نوجوان تھا مگر خستہ و پریشان۔ کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ سلام کرکے بیٹھ گیا۔ تب فضل نے اس طرح پر گفتگو شروع کی۔

فضل۔ یا اخی! میرے پاس آپ کیوں تشریف لائے ہیں۔ کیا کوئی حاجت ہے؟

مسافر۔ بیشک میں ایک حاجتمند ہوں۔ اور خود میری شکستہ حالی بتا رہی ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔

فضل۔ ہاں میں یہ جانتا ہوں لیکن یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کے میرے ساتھ پچھلے تعلقات کیا ہیں۔

مسافر۔ آپ کے اور میرے ایام ولادت بہت قریب ہیں اور میں آپ کا ہمسایہ بھی ہوں بلکہ میرا بھی نام فضل ہے۔

فضل۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ میرے پڑوسی بھی ہوں۔ اور ہمنام بھی، لیکن زمانہ ولادت کی تصدیق کیونکر ہو سکتی ہے۔

مسافر۔ میں نے اپنی والدہ سے یہ سُنا ہے کہ جس رات کو میں پیدا ہوا ہوں اُسی شب کو وزیر یحییٰ کے یہاں بھی بیٹا پیدا ہوا تھا۔ جس کا نام فضل رکھا گیا تھا۔ اور میری ماں نے بھی یہی نام مبارک سمجھا تھا۔ سچ ہے ؎

نے المجملہ نسبتے بہ تو کافی بود مرا   بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

فضل۔ آپ کی والدہ کہاں ہیں اور اب آپ کی عمر کس قدر ہوگی؛

مسافر۔ میں پنتیس برس کا ہوں۔ اور میری ماں دنیا سے کوچ کر گئی ہے۔

فضل۔ مجھے نہایت تعجب ہے کہ اس وقت تک آپ گمنامی کی حالت میں رہے۔ اور مجھ سے کبھی ملاقات بھی نہیں کی آخر اس کا سبب کیا ہے۔؛

مسافر۔ کُلُّ اَمْرٍ مَرْھُوْنٍ بِاَوْقَاتِھَا سوائے اس کے اور کوئی سبب نہیں کہا جا سکتا ہے۔ مؤرخ لکھتا ہے کہ جب گفتگو ختم ہوگئی تو فضل نے مطابق اعداد اس کی عمر کے پنتیس ہزار درہم اور خلعت اور سواری دیکر رخصت کر دیا۔[1]

انسانی ہمدردی

عبداللہ طائی (بغداد کا ایک رئیس اعظم تھا) اپنا ایک واقعہ اسطرح بیان کرتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں میرا تعلق عدالت کے محرروں میں تھا۔ لیکن ایک دن خلیفہ نے خوش ہوکر احمد بن خالد کے ہمراہ رکاب دارالحکومت سے ضلع نیمر کو روانہ کیا اور ایک بڑی جاگیر کے انتظامات میرے سپرد کر دئیے۔ لیکن چونکہ اس خدمت کے قبل میں جرمانہ وغیرہ کے سخت مصائب اُٹھا کر مفلس ہوگیا تھا اس لئے جاگیر پر

حاشیہ [1] عقد الفرید جلد اول صفحہ ،، و ابن خلکان صفحہ ۱۰۱۔ مطبوعہ مصر

پہنچکر اول تو اپنا ساز و سامان درست کیا۔ اور جس قدر ہو سکا فراہمی نقد و جنس میں مشغول رہا۔
جب میری دست درازی سے رعایا تنگ ہو گئی تو عدالت میں جا کر مجھپر نالش دائر کر دی۔
اور زبانی تمام حالات ہارون الرشید سے کہہ دیئے۔ استغاثہ دائر ہوتے ہی معطل کیا گیا۔
اور پولیس کی حراست میں پا بزنجیر دربار میں لا کر پیش کیا گیا اور کل اثاث البیت ضبط
ہو گیا۔ مالی نقصان کے علاوہ روزمرہ کی سزا سے بھی میں تنگ ہو گیا تھا۔ نقدی میں صرف
چار ہزار درہم باقی رہ گئے تھے۔ جب میں نے تمام حالات کا اظہار کیا تو حکم دیا گیا کہ میعاد ایک
دن جرمانہ داخل کرو ورنہ حکم سزائے موت صادر ہوگا (اصل یہ ہے کہ خلفاے عباسیہ میں ہارون
سیاست ملکی میں بہت سخت تھا) جو افسر میری نگرانی کے واسطے تعینات تھا جب اُس کو یہ
خبر ہوئی تب تو وہ میری جان کا خواہاں ہو گیا اور سخت تشدد کرنے لگا۔ لیکن جب ادائے
جرمانہ کی کوئی صورت نہ ہوئی اور میرے قتل میں صرف ایک دن باقی رہ گیا۔ تب میں نے
اپنے پہرے کے سپاہیوں کی خوشامد کی اور اُن سے کہا کہ کسی طرح مجکو وزیر السلطنۃ جعفر
برمکی کے دولتخانہ تک پہنچا دو۔ شاید کچھ کام نکل جائے۔ بارے میری درخواست کو اُن
لوگوں نے منظور کر لیا۔ جس وقت میں جعفر کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اُس وقت وہ
دربار کو جا رہا تھا۔ میں نے اپنا قصہ سنایا وعدہ کیا بشرط موقع تمہاری سفارش کرونگا۔
میں نے دعا دی اور وہاں سے فضل کے مکان پر حاضر ہوا۔ جس وقت میں پہنچا ہوں
حاجب تمام حاجتمندوں کو پیش کر رہا تھا۔ میں بھی اُس گروہ میں شامل ہو گیا۔ جب میری
پیشی کی نوبت آئی تو فضل نے پوچھا کہ جرمانے کی تعداد کس قدر ہے۔ میں نے عرض کیا

کہ چار لاکھ درہم۔ اور صرف آج کی میعاد باقی ہے اگر شام کو یہ رقم داخل خزانہ نہ ہوئی تو صبح کو قتل کر دیا جاؤں گا۔ میرے سوال کا فضل نے کچھ جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا۔ زیادہ ٹھیرنے کی مہلت نہ تھی لہذا اُسی حالت بھوک پیاس میں جان سے سیر ہو کر میں رخصت ہوا۔ جو احباب راستے میں ملتے جاتے تھے اُن سے رخصت ہوتا جاتا تھا۔ چونکہ میری موت میں صرف ایک رات باقی تھی۔ اس لئے اہل و عیال سے آخری ملاقات کے واسطے گھر کو گیا دروازے پر کیا دیکھتا ہوں کہ فضل کے دو غلام میرے منتظر ہیں۔ اور پانچ لاکھ دینار اونٹوں پر لدے ہوئے اُن کے ساتھ ہیں۔ علاوہ نقدی کے نہایت قیمتی تھان کپڑوں کے بھی بھیجے ہیں۔ مجھے دیکھ کر غلاموں نے کہا کہ عبداللہ ہم دو پہر سے تمہارے انتظار میں تھے۔ فضل نے تمہاری درخواست منظور کی ہے اور حکم دیا ہے کہ ”ادائے جرمانہ کے بعد۔ جو باقی رہے اُسے تم اپنے مصارف کے واسطے رکھنا اور آئندہ کے واسطے عہد کرو کہ جب تک ہارون الرشید کی خلافت ہے کبھی دست درازی نہ کرونگا اور بشرط ضرورت اپنی جاگیرات سے میں تجکو کچھ حصہ دونگا“ اس فیاضی کو دیکھ کر میں نہال ہو گیا۔ اور فضل کے صدقے میں ہارون کے ہاتھ سے نجات پائی۔ اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمام عراق عرب میں نہیں۔ بلکہ تمام دنیا میں کوئی بھی برامکہ کے مثل فیاضی نہیں کر سکتا ہے۔ ابتدائے آبادی بغداد سے زوال خاندان تک بغداد میں کون ایسا شخص تھا کہ جو برامکہ کی فیاضی سے گرانبار نہو۔

۲۔ ایک ہاشمی خلف مصری سے روایت کرتا ہے۔ کہ میں ایک وقت یحیی بن معاذ کی ڈیوڑھی

پر حاضر ہوا۔ تو خلاف معمول دروازہ بند پایا۔ کوئی دربان بھی نہ تھا۔ لیکن میں دروازہ کھلوا کر اندر گیا۔ اور یحیٰی سے حالت دریافت کی تو فرمایا کہ قرض خواہوں کے خوف سے خانہ نشین ہو گیا ہوں میں نے پوچھا قرضہ کس قدر ہے تو کہا تین لاکھ درہم اس کے بعد میں چلا آیا۔ اور فضل برمکی سے یحیٰی بن معاذ کی حالت بیان کی یحیٰی کا حال سُنکر فضل چپ ہو رہا۔ لیکن جب میں مکان پر پہنچ گیا تو فضل کا خط ملا۔ جس کا یہ مضمون تھا کہ آپ نے مجھے یحیٰی بن معاذ کے حالات سے اطلاع دی۔ اس کے صلے میں ایک لاکھ درہم آپ کو اور تین لاکھ درہم یحیٰی کو بھیجتا ہوں تاکہ وہ اپنا قرضہ ادا کر دیں (المحاسن صفحہ ۱۵۵)

ایضاً نمبر ۳

اسحاق بن موصلی روایت کرتا ہے کہ میں ایک دن فضل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بزم طرب میں بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور اعزاز کے ساتھ اپنے پاس بٹھا لیا۔ وقت کے مناسب چند حکایات ظرافت آمیز میں نے بھی بیان کیں۔ میری باتیں سُنکر بہت ہنسا۔ پھر میں نے چند راگنیاں جو جدید تصنیف کی تھیں اُن میں سے بعض سُنائیں۔ مجلس کے خاتمے پر ایک لاکھ درہم۔ اور خلعت گرانبہا انعام ملا۔ اور صبوحی کے واسطے سخت تاکید کے ساتھ حاضری کے واسطے حکم ہوا۔ میں اقرار کر کے رخصت ہوا۔ جی میں یہ خیال گزرا کہ آج شب ماہ ہے اس لئے سیدھا وہاں سے باغ کی طرف چلا گیا۔ معتدل ہوا کے جھونکے کے ساتھ گل وریحاں کی خوشبو سے دماغ معطر ہو رہا تھا۔ چونکہ بہار کا موسم تھا۔ اور چودھویں تاریخ تھی۔ اس سبب سے چاند کی روشنی پورے اوج پر تھی۔ تمام باغ مہتاب کی نورانی ضیا سے جگمگا رہا تھا ان تمام چیزوں نے مجھے بے خود کر دیا۔ اور طیور کی نغمہ سنجیوں

سے ایک عجیب مسرت اور تازگی مجھ میں پیدا ہو گئی۔ اس لئے پچھلی رات تک میں باغ میں ٹھیرا رہا۔ لیکن فضل کا وعدہ یاد آگیا اور طمع بھی مجھ پر غالب ہو گئی۔ اس لئے اس عیش کو چھوڑ کر فضل کے مکان کا قصد کیا۔ اثنائے راہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ خلیل بن مع کندی (بغداد کا مشہور امیر ہے) پیادہ پا۔ گریباں چاک۔ روتا چیختا۔ چلا آتا ہے اور غالباً تنگدستی سے اس کی یہ نوبت پہنچی تھی کہ پریشاں خاطر ہو کر گھر سے نکل کھڑا ہوا ہے۔ چونکہ خلیل سے اکثر اوقات صلے اور انعام مجھے حاصل ہوئے تھے اس لئے خلیل کی حالت زار پر مجھے بہت افسوس ہوا۔ میرا دل بھر آیا۔ میں نے حال پوچھا رو کر کہنے لگا کہ "کیا پوچھتے ہو؟ اہل و عیال مبتلائے فاقہ ہیں قرض کے بار سے جھکا جاتا ہوں۔ میرے اختیار کی اب کوئی بات نہیں ہے۔ پیادہ پا چلنے کی نئی مصیبت سر پر پڑی ہے۔ اب آگے قدم نہیں اٹھتا ہے۔ غالباً اسی مصیبت میں میری جان جائیگی۔ یہ سب موت کے سامان ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ میری موت کو موجودہ حیات پر شرف ہے۔" خلیل کی حالت زار پر مجھ کو افسوس آگیا اور اپنے ساتھ مکان پر لے گیا۔ اور پانچہزار دینار بطور قرض کے پیش کئے۔ کیونکہ میری حیثیت کے شایاں نہ تھا کہ میں کہتا آپ اس نذر کو قبول کریں نذر پیش کر کے میں نے بہت اصرار کیا کہ آپ آج غریب خانے پر قیام فرمائیں۔ دیکھئے تو سہی کل کیا ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن خلیل اپنے گھر چلا گیا۔ اور میں وہاں سے فضل کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وقفہ غیر معمولی ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے فضل مجھ پر بہت خفا ہوا لیکن میں نے فضل کے خوش کرنے کے واسطے ساز چھیڑا۔ اگرچہ میں اپنے کام میں مشغول تھا۔ لیکن لحظہ لحظہ خلیل کی حالت یاد آتی تھی۔ مگر عرض حال کا موقع نہ تھا۔ جب فضل نے مجھ کو بہت پریشان دیکھا تو

پوچھا کہ اسحاق! کیا حال ہے ؟ تم مجھے پریشان نظر آتے ہو۔ فضل کا اس قدر اشارہ پا کر میں خلیل کا راگ گانے لگا۔ سن کر بہت متاسف ہوا اور کہا کہ "نہایت تعجب ہے کہ میں بغداد میں موجود ہوں اور بزرگانِ بغداد کی تباہی کی کوئی خبر نہیں دیتا ہے کہ ان کی کیا حالت ہو گئی ہے!" حاضرین مجلس نے یہ واقعہ سن کر مجھ پر غصہ شروع کیا اور کہا کہ "بھلا یہ کون موقع و محل حال کا تھا۔ وزیر کی بزم عیش کو تم نے تلخ کر دیا!" میں نے جواب دیا کہ "آپ لوگوں کا عتاب مجھ پر فضول ہے۔ میری طرف سے تو ذکر کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ وزیر نے میری پریشانی دیکھ کر خود بخود دریافت کیا ایسی صورت میں فرمائیے۔ کہ میں کیونکر چپ رہ سکتا تھا!" جب مجلس برخاست ہوئی اور میں نے رخصت ہونا چاہا تو مجھے ایک رقعہ اپنے قلم سے لکھ کر دیدیا جس کا یہ مضمون تھا کہ "خدا کی تجھ پر رحمت ہو۔ ایک امیر کے حال سے مجھے مطلع کیا۔ اس کے شکریے میں پچاس ہزار درہم قبول کر اور میری جانب سے خلیل سے کہدے کہ اتنی بدرہ نقرہ بھیجتا ہوں اس کو صرف کرو" فضل کا پیام سنکر خلیل نہایت خوش ہوا۔ اور وہ عطیہ لے لیا دوسرے دن دربار خلافت سے ایک معزز عہدہ پر مقرر کرا دیا۔ ایک سال نہ گزرا تھا کہ میں نے خلیل کو دیکھا کہ شاہانہ طرز پر اس کی سواری جا رہی ہے۔ یہ شان و شکوہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور فضل برمکی کی فیاضی یاد آگئی کہ جو کچھ ہے اس کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔

ندیموں کی حمایت

فضل برمکی کا غلام فرج کہتا ہے کہ فضل کے گلے میں ایک پھوڑا ہو گیا تھا۔ جس سے سخت تکلیف تھی۔ اور غذا چھوٹ گئی تھی۔ ہارون کو بھی نہایت رنج تھا۔ چنانچہ دن اور رات میں پچاس مرتبہ خدام مزاج پرسی کے واسطے

حاضر ہوتے تھے اور ایک مرتبہ تو خود آن کر دیکھ جاتا تھا۔ اور یحییٰ اجعفر۔ محمد۔ موسیٰ کو سخت تاکید تھی کہ کسی وقت سرہانے سے نہ ہٹیں۔ اور شاہی طبیب لحظہ بہ لحظہ حالت دیکھتے رہتے تھے۔ اور بجز خاص مصاحبوں کے اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔ اسمٰعیل بن بکر بھی ایک ظریف اور شیریں سخن مصاحب تھا۔ مگر چونکہ بخیل اور لالچی تھا۔ اس وجہ سے فضل کے انعامات سے محروم رہتا تھا۔ جب فضل کی بیماری کی خبر سنی تو عیادت کو کئی مرتبہ حاضر ہوا۔ مگر سلام کی نوبت نہ پہنچی۔ لیکن ایک دن حاجب کی مہربانی سے اجازت مل گئی۔ چونکہ اس وقت فضل کی طبیعت سنبھلی ہوئی تھی۔ حکم دیا کہ چند دلچسپ اشعار سناؤ۔ اسمٰعیل ذوق شوق میں بیٹھا ہوا فضل کو اشعار سنا رہا تھا۔ اتفاق سے ایک کتا عجیب الخلقت۔ کریہ المنظر۔ چہار چشم اسمٰعیل کے قریب باندھ دیا گیا۔ چونکہ اسمٰعیل کتے سے بہت ڈرتا تھا اس لئے شعروں کا پڑھنا بھول گیا اور کانپنے لگا۔ فضل کی بھی آنکھ لگ گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں درد کی شدت سے آنکھ کھل گئی تو پھر اسمٰعیل کو حکم دیا کہ ہاں کچھ اور مزے دار اشعار سناؤ۔ لیکن اسمٰعیل کی تو روح قبض ہو رہی تھی خوف سے چہرہ زرد تھا۔ فضل کو کچھ جواب نہیں دے سکا۔ جب فضل نے دیکھا کہ اسمٰعیل کے قریب سگِ چہار چشم بندھا ہے تب اسمٰعیل کی متغیر حالت دیکھ کر سمجھ گیا کہ اسمٰعیل کی حالت اسی سے تباہ ہے۔ اور اس کے چھیڑنے کی غرض سے ایک خادم کو حکم دیا کہ اس رفیق جانور کو میرے قریب لاؤ۔ قریب آتا تھا کہ اسمٰعیل ایک دفعہ چیخ اٹھا اور بھاگ نکلا۔ فضل کو اسمٰعیل کی بدحواسی دیکھ کر بے اختیار ہنسی آگئی۔ جب ہنسی۔ قہقہے کے درجے پر پہنچی اس وقت وہ پھوڑا جو گلے میں تھا خود بخود پھوٹ گیا۔ اور جس قدر مواد جمع تھا وہ بہ نکلا۔ اور غیب سے فضل کا علاج ہو گیا جب فضل کے عزیزوں اور

خلیفہ ہارون الرشید نے اس قصّے کو سُنا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور فضل کے اچھے ہونے کی خوشی منانے لگے۔ غسلِ صحت کے دن سمٰعیل کو فضل نے ایک حین حیاتی جاگیر بخشی۔ اور دیگر اعزہ نے ایک ایک ہزار درہم اسمٰعیل کو دئے۔ چنانچہ فضل کی ایک دن کی فیاضی سے اسمٰعیل تمام عمر کسی کا محتاج نہوا۔

مورخین کا قول ہے کہ زوال خاندان کے وقت ایسے لوگوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جو برامکہ کے بدولت دولتمند بنگئے تھے۔

مسافر نوازی

فضل بن سہل (وزیر مامون الرشید) کا ایک معتمد ملازم جس کا نام سفیان بن احمد ہے۔ راوی ہے کہ ایک غریب سندھی آوارہ وطن پریشاں حال بغداد پہنچا۔ چونکہ سخت حاجت مند تھا۔ ہر شخص سے پوچھتا تھا کہ کوئی ایسا فیاض ہے جو میری اعانت کرسکتا ہو؟ بزرگان بغداد سے مجھے کسی قسم کی نسبت نہیں ہے بلکہ یہ کہنا سچ ہے کہ مجھے عرب و عجم کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر کون میری امداد کرسکتا ہے؟ لوگوں نے اس کو صلاح دی کہ بجز فضل برمکی کے اور کوئی حاجت روائی نہیں کرسکتا ہے۔ غرضکہ وہ سندھی فضل کے یہاں حاضر ہوا۔ جب حاجب نے لیجا کر پیش کیا تو اُس نے اپنی زبان میں ہزاروں دعائیں دے کر یہ عرض کیا کہ " صرف آپ کی فیاضی کو وسیلہ قرار دے کر آپ کے غلاموں کا غلام اس دربار میں (جس کا مثل آج تمام دنیا میں نہیں ہے) حاضر ہوا ہے اور اپنی حاجت روائی کا امیدوار ہے " فضل نے ترجمان سے پوچھا کہ یہ شخص کیا کہتا ہے۔ حاجب نے کہا کہ یہ شخص امیر کی مہربانی اور فیاضیوں کی تعریف اور اپنی حاجت ظاہر کرتا ہے "

فضل نے اُس کی پریشانی پر نظر کر کے حکم دیا کہ دو ہزار دینار سرخ مغربی۔ اور ایک سرخ بالوں کا اونٹ جس کے دو کوہان ہوں دیا جاوے۔ اور ایک ہزار دینار سرخ اور ایک گھوڑا مترجم کو مرحمت کیا۔ اور باوجود اس مہربانی کے اُس سندھی سے معذرت کی کہ تمہاری مسافت اور سفر کے لحاظ سے یہ قلیل رقم ہے لیکن سندھی اس عطیہ کو دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ اور عرض کیا کہ "حضور والا کا یہ عطیہ نہ صرف میرے واسطے بلکہ میرے عیال و اطفال کے واسطے تمام عمر کو کافی ہے" اور دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا۔

ایک سلام کا معاوضہ

خلیفہ ہارون الرشید کا ایک ندیم بشیر نام روایت کرتا ہے کہ ایک دن فضل برمکی شاہانہ رعب و داب کے ساتھ دربار سے واپس جا رہا تھا۔ سواران خاصہ ہمراہ رکاب تھے۔ اتفاق سے اُس دن سواری عمرو تمیمی کے مکان کی طرف ہو کر نکلی۔ امرائے بغداد میں عمرو نہایت مقتدر اور فیاض مشہور تھا۔ راستے میں دونوں کا مقابلہ ہو گیا۔ عمرو تمیمی نے فضل کو سلام کیا لیکن فضل نے اس قدر آہستہ جواب دیا کہ نہ تو عمرو نے سنا نہ اُن لوگوں نے جو عمرو کے ہمراہ تھے۔ اپنے اعزاز کے لحاظ سے عمرو کو نہایت ندامت ہوئی کہ میں نے ناحق ایسے متکبر کو سلام کیا جس نے جواب تک نہ دیا۔ جو لوگ عمرو کے ہمراہ تھے اُنھوں نے بھی اس قول کی تائید کی تب تو عمرو کو اور زیادہ افسوس ہوا اور یہ خیال کر کے کہ فضل وزیر اعظم ہے صبر کر کے خاموش ہو رہا۔ جب فضل کے مکان پر پہنچا تو پرچہ نگار نے عمرو کے الفاظ فضل تک پہنچا دئے۔ بلکہ صاف لکھ دیا کہ سلام کا جواب نہ ملنے سے عمرو تمیمی کو رؤسائے خراسان کے مقابلے میں (جو اُس وقت موجود تھے) نہایت شرمندگی ہوئی ہے

فضل نے کہا کہ میں نے جواب ضرور دیا تھا لیکن اس وقت میرا خیال دوسری طرف تھا۔ اس وجہ سے میں نے آہستہ سے جواب دیا تھا۔ مجھے عمرو سے کوئی رنج نہیں ہے وہ نہایت فیاض ہے اور ان دنوں تنگدست ہو گیا ہے۔ پھر حاجب کو بلا کر حکم دیا کہ دس لاکھ درہم خزانے سے لے کر عمرو کی خدمت میں پیش کرو۔ اور میری طرف سے نہایت معذرت کرنا اور کہنا کہ فضل معافی کا خواستگار ہے اس وقت ایک اہم خیال میں ڈوبا ہوا تھا اس وجہ سلام کا جواب آہستہ سے دیا گیا۔ اور آپ کے اس قصور کے معاوضے میں کوشش کرونگا کہ دوبارہ خراسان کی حکومت تم کو مل جائے"
جب حاجب فضل کا عطیہ لے کر عمرو کی خدمت میں حاضر ہوا تو عمرو نے ان تمام رؤسائے خراسان کو جو اس روز موجود تھے طلب کر کے سب کے سامنے فضل کی معذرت سنی۔ اور حاجب کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔ جب حاجب نے فضل کے سامنے عمرو کی شکرگزاری بیان کی تو بہت شرمندہ ہوا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید سے سفارش کر کے خراسان کی حکومت عمرو کے نام بحال کرا دی۔ اور سند کے ہمراہ مبارکباد میں پانسو درہم اپنی طرف سے روانہ کئے۔ اس واقعہ سے فضل کی اعلیٰ درجے کی نیکی ظاہر ہوتی ہے کہ ایک ادنیٰ ندامت کے معاوضے میں عمرو سے کتنا بڑا سلوک کیا۔

جواب عطسہ

ایک دن موسم گرما میں فضل برمکی سیر و تفریح کر کے شہر سے مکان واپس جا رہا تھا کہ راستے میں ایک شخص نے فضل سے کہا کہ روٹیوں سے محتاج ہو رہا ہوں۔ ہنوز اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ فضل کو چھینک آئی۔ سائل نے فوراً کہا یرحمک اللہ

حاشیہ لے (المحاسن صفحہ ۱۵۰)

فضل نے یہ سنکر ایک غلام کو حکم دیا کہ اس شخص کو ہمراہ لاؤ۔ اور مکان پر پہنچ کر پانچ ہزار درہم اور دس جوڑے کپڑے مرحمت فرمائے۔ جب یہ شخص مکان پر پہنچا تو اس کی بی بی نے کہا کہ آج صبح کو تو آپ مفلس محض تھے یہ کہاں سے چرالائے۔ اس نے سارا حال بیان کیا مگر عورت کو یقین نہ آیا۔ اور پولیس نے محلے والوں کی مخبری پر گرفتار کرادیا۔ جب فضل کو اطلاع ہوئی تو جیل سے قیدی کو بلایا اور شناخت کرکے رہائی کا حکم دیا۔ اور رخصت کے وقت پھر پانچ ہزار درہم اور دس جوڑے کپڑے مرحمت فرمائے۔ اور کہا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میری سرکار سے تم کو ہمیشہ نفع پہنچتا رہے گا۔

مذہبی اثر علی بن حسینؒ جعفر جو علمائے کبار بغداد سے ہے روایت کرتا ہے کہ ایک دن حمام میں فضل برمکی کے ساتھ میں بھی گیا۔ حمام اس درجہ آراستہ تھا کہ اندر سے باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ عطریات و بخور کی خوشبو سے دماغ معطر ہو رہا تھا۔ بعد از غسل جب صحن میں آکر قیام کیا۔ تو میں نے دیکھا کہ فضل کا چہرہ حرارت سے سرخ ہو رہا ہے۔ فضل کی زبان پر مناجات جاری ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور بار بار کہتا ہے اللّٰھم انی اعوذ بك من حر النیران۔ جب میں نے فضل کی دیر تک وہی حالت دیکھی تو عرض کیا کہ اے مخدوم احادیث صحیح سے ثابت ہے کہ (اَلسَّخِیُّ لَا یَدْخُلُ النَّارَ وَلَوْ کَانَ فَاسِقًا) آپ اطمینان رکھیں فیاض لوگوں پر آتش دوزخ حرام ہے)

حاشیہ سلہ کتاب المحاسن والمادی ہیں۔ محمد بن علی بن عیسے بن ماہان نے بروایت محمد بن زید اس روایت کو بادنے تغیر بیان کیا ہے۔
دیکھو باب محاسن السخاء صفحہ ۱۵۵۔

مکافات السماحة دار خلد		وامن من مخافة یوم تاسی
وما نار محرقة جواد		ولو کان الجواد من المجوسی

میرے دل سوزی کے کلمات سے خوش ہوا اور ایک لاکھ درہم مجھے مرحمت کئے اور تین لاکھ درہم فقرا و مساکین کو خیرات کئے پھر مجھ سے کہا کہ حمام کی گرمی سے آتش جہنم کا خیال آتا ہے کاش ہارون الرشید مجھ سے سلطنت کا انتظام لے لیتا کہ ترک دنیا کر کے یاد الٰہی میں کچھ دن بسر کرتا۔

عفو و ترحم

ابو الہول حمیری شاعر نے ایک مرتبہ فضل کی ہجو لکھی۔ اور پھر دربار میں حاضر ہوا فضل نے پوچھا کہ اب کس منہ سے میرے سامنے آئے ہو۔ حمیری نے کہا کہ اسی منہ سے جس سے خدا کے سامنے جاتا ہوں حالانکہ جتنا خدا کا گنہ گار ہوں اتنا آپ کا نہیں۔ یہ برجستہ جواب سنکر فضل ہنسنے لگا اور اس کو انعام دیکر رخصت کر دیا۔

اس واقعہ سے جو لطیفہ کی شکل میں ہے فضل کے رحم و عفو کی بھی خاص صفت ظاہر ہوتی ہے اور علم ادب کی قدر دانی کا بھی ثبوت ہوتا ہے کہ علمی ذوق و شوق میں اس کو اپنی شان وزارت کا بھی خیال[2] نہ تھا۔ اور شاعروں کی بد زبانی اور گستاخیوں کی کچھ بھی سزا نہ دیتا تھا۔

حاشیہ[1] ابن خلکان صفحہ ۱۸۵۔

[2] مورخین نے اسی قسم کا ایک واقعہ مامون الرشید کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ جب دعبل (ہجو گوئی میں مشہور تھا) شاعر نے اس کی ہجو کی تو لوگوں نے مامون سے شکایت کی۔ چونکہ مامون الرشید خود بھی شاعر تھا اس لئے حکم دیا کہ وہ تمام اشعار میرے سامنے پڑھے جاویں۔ چنانچہ جب قائل اس شعر پر پہنچا۔

شادوا بذکرک بعد طول خمولہ	واستنقذوک من الحضیض الاوھد

یعنے میری قوم نے تیرے نام کو جو بالکل بجھا ہوا تھا شہرت دے دی اور تجھکو پستی سے نکال کر بلندی پر بٹھا دیا۔

تو مامون نے کہا کہ "دعبل کو ایسی غلط بات کہتے ذرا شرم نہ آئی۔ میں گمنام کس دن تھا۔ میں تو خلافت کے آغوش میں پیدا ہوا اور دودھ پیا تو اسی کی چھاتیوں کا پیا۔" پھر دعبل کو اپنے سامنے بلایا اور مذکورۂ بالا شعر پڑھا اور حکم دیا کہ وہ قصیدہ پڑھو

علوم و فنون کی اشاعت میں فضل برمکی کا نمبر مورخین نے یحییٰ و جعفر کے بعد رکھا لیکن ہمارے نزدیک فضل اس قابل ہے کہ اس فہرست میں اس کا نام سب سے پہلے لکھا جائے۔ کیونکہ جس زمانے میں تالیف و تدوین کی بنیاد پڑی ہے اس وقت مصنفین کے پاس بجز قلم اور دوات کے اور کچھ نہ تھا۔ درختوں کی چھال اور جانوران صحرائی کی جھلیوں سے کاغذ کا کام لیا جاتا تھا لیکن

کاغذ بنانے کا کارخانہ

فضل برمکی نے اپنے اہتمام اور توجہ سے کاغذ بنانے کا کارخانہ جاری کیا اور اس کارخانے کے کھلنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ علوم و فنون گھر گھر پھیل گئے۔ اور ہر قسم پر جداگانہ تصنیفیں ہونے لگیں۔ اور مذہبی تصنیفات تو اس کثرت سے ہوئیں کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا ہے۔

فضل کے عام اخلاق و عادات کا اندازہ مذکورہ بالا واقعات سے بخوبی ہوتا ہے۔ اور فیاضی

بقیہ حاشیہ جس میں اہل بیت کا مرثیہ اور ان کے مناقب ہیں۔ چنانچہ دعبل نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ جب ان اشعار پر پہنچا تو مامون کو رقت ہوئی اور اہل بیت کی مع کے طفیل میں اس کی ہجو سے بھی درگزر کیا اور بہت بڑا صلہ دیکر رخصت کر دیا۔

بنات زیاد فی القصور مصونة	وبنات رسول اللہ فی الفلوات
پردہا ہمہ پوشیدہ دختراں زیاد	نبیرگان نبی سر برہنہ در صحرا
وال رسول اللہ هلب رقابهم	وال زیاد عظیم الرقبات
نحیف ولاغر وآل نبی غریب و اسیر	ستبر گردن آل زیاد در کام روا

از جامع الحکایات۔ و تاریخ الخلفاء سیوطی۔

لے مقدمہ ابن خلدون فصل ۳۱۔ صناعۃ الوراقہ صفحہ ۲۵۰۔

تو ہر واقعہ سے ثابت ہے۔ اس صفت کے متعلق بہت سے واقعات ہم کو معلوم ہیں لیکن قصداً وہ متروک کئے جاتے ہیں۔ فضل کے اخیر عمر کے حالات نہایت عبرت انگیز ہیں۔ مگر ان واقعات کا تعلق زوال برامکہ سے ہے اور خاندان کا زوال جعفر برمکی کے قتل سے شروع ہوا لہٰذا فضل کے یہ تمام حالات اس موقع پر تحریر ہونگے یہاں صرف اس قدر لکھنا کافی ہے۔

فضل کی موت

کہ ۴۵ برس کی عمر میں جمعے کے دن صبح کے وقت ماہ محرم سنہ ۱۹۳ ہجری ۸۰۸ء میں رقہ[1] کے جیل میں انتقال کیا۔

---

[1] روضۃ المناظر فی اخبار الاوائل والاواخر

تیسرا حصّہ

تمہید

معزز ناظرین! البرامکہ کا پہلا اور دوسرا حصّہ ختم ہو چکا۔ اب تیسرے کا آغاز ہے۔ اس حصّے میں خلافت عباسیہ کے چشم و چراغ یعنی ابوالفضل[1] جعفر برمکی کے حالات ہیں۔ اور مشاہیر عالم میں جعفر وہ بلند اقبال شخص ہے کہ جس کی فرزندی کے انتساب سے نہ صرف یحییٰ بلکہ برمک[2] اعظم دنیا میں روشناس ہے۔ عرب و عجم دونوں میں اس کے نام کا امتیازی پھریرہ اڑتا ہے۔ زر جعفری اہل فارس کی علمی اصطلاح اسی مبارک نام سے قائم ہوئی ہے، جو آج تک دونوں کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ اس علمی یادگار کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں جن سے فارس کی قدر شناسی معلوم ہوتی ہے۔ تاہم وہ جعفر برمکی کی یک رخی تصویر ہے۔ کیونکہ عجم کا مد مقابل گروہ بجائے نعرہ تحسین کے

حاشیہ [1] جعفر البرمکی وزیر ہارون الرشید عباسی وھو جعفر بن یحیی بن خالد بن برمک المجوسی والیہ تنسب البرامکۃ۔ محیط المحیط معلم پطرس صفحہ ۲۵۹ جلد اول مطبوعہ بیروت۔

[2] جعفر بن جاماس بن لشتاسف برمکی۔

جعفر پر نعرۂ ملامت بلند کرتا ہے۔ اور عوض شکریے کے ناسپاسی کا راگ گاتا ہے۔ اگرچہ تاریخی حیثیت سے یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ حکومت کے اقتدار میں بعض ایسی بے اعتدالیاں بھی جعفر سے ہوئی ہیں جو بظاہر قابل معافی نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی مختلف حیثیتوں سے **اسلامی تاریخ** میں جعفر برمکی ایک ایسا شخص ہے جس کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔

خلافت عباسیہ کی تاریخ میں بھی منجملہ دیگر افسوسناک تاریخی غلطیوں کے جو مشہور ہیں ایک بڑی غلطی جعفر و عباسہ (ہمشیرہ ہارون الرشید) کی شادی کا واقعہ ہے اور یہ غلطی ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ محض بعض مورخین کی عظمت کے خیال سے آنکھ بند کرکے اُس کی تائید کی جائے اور اُن اصلی واقعات پر خاک ڈال دیجائے جو روایتاً و درایتاً صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ اور قطع نظر تاریخی اصول کے عقل اور انصاف سے بھی یہ بعید ہے کہ جن بزرگوں کی کوششوں سے خلافت عباسیہ کی تاریخ کا ایک ایک حرف گرانبار احسان ہو رہا ہے۔ اُن کے حالاتِ زندگی کو اس طرز پر لکھیں کہ اُن کی اصلی صورت نظروں سے چھپ جائے اور بجائے صحیح خط و خال کے وہ صورت نظر آوے جو سیاہ داغ اور بدنما دھبوں سے چھپی ہوئی ہے "حاشا وکلا" یہ غلط واقعہ جو مورخین نے لکھا ہے اُس کے تسلیم کر لینے سے جعفر برمکی یا اس کا خاندان مورد الزام نہیں ہے بلکہ فی نفسہ امیرالمومنین ہارون الرشید پر ایک ایسا جرم قائم کیا گیا ہے جو اصول سلطنت اور انسانی حیثیت دونوں سے نہایت ہی ظالمانہ اور وحشیانہ تھا۔ اور چونکہ تحقیقات سے وہ غلط ثابت ہو گیا اس لئے بعض مورخوں کے نقش قدم کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا گیا ہے جو شاہراہ تقلید سے خارج ہے اور جس کی نسبت یہ یقین ہے کہ وہ موصل الی المطلوب ہے۔

ابوالفضل جعفر برمکی کے حالات زندگی حتی الوسع نہایت تلاش اور مستند تاریخوں سے لکھے گئے ہیں اور کوئی واقعہ بغیر تاریخی سند کے تحریر نہیں ہوا ہے اور . . . . اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید اور برامکہ کے حالات میں (بزبان اردو) یہ سب سے پہلی کتاب ہے جس میں سلطنت اور وزارت کے اصلی تعلقات پورے طور سے دکھائے گئے ہیں اور چونکہ خاندان برامکہ کے ابتدائی حالات حصہ اوّل میں لکھے جا چکے ہیں اس لئے اب مطابق ترتیب شجرہ نسب جعفر کی تاریخ شروع کی جاتی ہے۔ اور یہ وہ شخص ہے کہ جس نے اپنے خاندان کو شاہنشاہوں سے زیادہ شہرت دے دی ہے۔ مورخین کا یہ خیال بہت صحیح ہے۔ کہ اگر برامکہ میں جعفر بن یحییٰ نہ ہوتا تو یہ خاندان کبھی گمنامی کے دائرے سے نہ نکلتا اور نہ اس درجہ تاریخی شہرت حاصل کرتا۔ برامکہ کا اطلاق اگرچہ کل خاندان پر ہوتا ہے لیکن اس مجموعہ میں قابل انتخاب صرف یحییٰ۔ فضل و جعفر ہیں۔ جو خاص فضائل سے منسوب ہیں۔ اور فیاضی کی شہرت میں ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے۔ ارباب لغت کا یہ قول کہ "برمک بمعنی کریم ہے" ہمارے دعوے کی دلیل ہے اور فیاضی کا قطعی فیصلہ اس سے

حاشیہ لہ "البرمکی" منسوب الی برمك جد البرامکہ کان مجوسیا ثم اسلم۔ والبرامکہ عشیرۃ یوصفون بالکرم ولذالك العامۃ تستعمل البرمکی بمعنی الکریم محیط المحیط پطرس بستانی صفحہ ۵۵ جلد اول مطبوعہ بیروت۔

چونکہ مختلف مقامات پر البرامکہ میں اس عجیب و غریب کتاب سے استناد کیا گیا ہے لہذا چند سطریں اس کے مصنف کے حالات میں لکھی جاتی ہیں: "پروفیسر پطرس مشہور بہ بستانی ۱۸۱۹ء میں موضع دبیہ میں (کوہ لبنان پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے) پیدا ہوا۔ شہر بیروت سے دبیہ تک سات گھنٹے کا راستہ ہے۔ پطرس کا خاندان علمائے لبنان میں ایک معزز

زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے، کہ خود ان کا نام فیاضی کا مرادف بن گیا ہے۔

جعفر برمکی کی ولادت۔ تعلیم و تربیت

ولادت کسی تاریخ سے جعفر کے سال ولادت اور دن و تاریخ کا پتہ معلوم نہیں ہوا کہ کیا ہے۔ البتہ سنہ وفات کے حساب سے جہاں تک مطابقت کی گئی تو معلوم ہوا کہ جعفر کی

بقیہ حاشیہ۔ معزز خاندان ہے جو بستانیوں کے نام سے مشہور ہے اور جس کی علمی فضیلت تمام ملک شام میں مسلم ہے۔ پطرس کا دادا عبداللہ بستانی صور و صیدا کا مطران (عیسائیوں میں مذہبی عہدہ ہے جو بٹرک سے دوسرے درجہ پر ہے) تھا۔ چونکہ بچپن ہی میں پطرس کے چہرے سے شرافت اور ذہانت کے آثار نمایاں تھے لہذا عربی، سریانی کی ابتدائی تعلیم پروفیسر میکائیل سے دلوا کر عبداللہ نے "عین ورقہ" کے مدرسہ میں جو کوہ لبنان پر واقع ہے بھیجدیا۔ چنانچہ منطق، تاریخ، حساب، جغرافیہ، علم ادب عربی، علم ادب سریانی، علم ادب انگریزی، لاطینی، فلسفہ، الٰہیات، اور قانون کی تعلیم سے بیس برس کی عمر میں فراغ حاصل کیا اور اسی مدرسے میں مدرس ہو گیا۔ پھر ۱۸۴۰ء میں انگریزی فوج کا جو ساحل شام پر مقیم تھی مترجم مقرر ہوا۔ اس کے بعد ۱۸۴۶ء میں پطرس نے ڈاکٹر فان ڈیک صاحب کے مدرسے میں مدرسی اختیار کر لی۔ اور اسی مدرسے میں کشف الحجاب فی علم الحساب، کتاب تصنیف کی جو علم حساب میں ایک بسیط کتاب ہے۔ اس کے بعد بیروت میں آیا اور امریکہ کے دفتر سفارت میں مترجمی پر مقرر ہو گیا۔ اور اپنے فرض منصبی کے ساتھ ساتھ تصنیفات کا کام جاری کر دیا اور محیط المحیط جیسی لغت کی بسیط کتاب تصنیف کی۔ ۱۸۶۰ء میں ایک اخبار موسومہ "نفیر سوریا" جاری کیا۔ اور ۱۸۶۳ء میں بمقام بیروت ایک کالج قائم کیا اور اس کا نام مدرسہ وطنیہ رکھا۔ اور علمی رسالے اور اخبار بھی شائع کرتا رہا۔ اور ۱۸۷۵ء میں عربی انسائیکلوپیڈیا یعنے قاموس العلوم والفنون لکھنا شروع کیا اور اس کا نام دائرۃ المعارف رکھا اور چھ جلدوں کی تصنیف کے بعد ۱۸۸۳ء میں فوت ہو گیا۔ اور دائرۃ المعارف کی تصنیف دیگر علماء پر چھوڑ گیا۔ جنہوں نے ساتویں، آٹھویں، نویں جلدیں بھی شائع کر دی ہیں اور ہنوز تصنیف ختم نہیں ہوئی ہے۔"

منتخب از علیگڈھ گزٹ مطبوعہ ۱۰۔ اکتوبر ۱۸۹۶ء مضمون نوشتہ مولوی حمیدالدین صاحب سلیم پانی پتی۔

ولادت ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے اور غالباً یہ صحیح ہے۔ کیونکہ تخت خلافت پر اس زمانے میں المنصور ابو جعفر عبد اللہ حکمران تھا۔ اور یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ جعفر کا دادا خالد برمکی منصور کی تخت نشینی سے قبل۔ ارکان سلطنت میں داخل ہو چکا تھا۔ بلکہ خالد کے علاوہ سلطنت میں اکثر عجمی سردار تھے۔ جو حکومتوں پر ممتاز تھے۔ اور دولت فارس کی شان و شکوہ۔ عربی حکومت میں نظر آتی تھی۔ عجمی غلام۔ عربی النسل شرفا پر حکومت کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۵۳ھ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ درباریوں کو عجمی وضع کی ٹوپیاں پہننے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور یہ ٹوپیاں خلیفہ منصور نے خود ایجاد کی تھیں جو نرکل وغیرہ سے بنی جاتی تھیں اور ان پر سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا۔ اور چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھیں لہذا ابو دلامہ شاعر نے ایک موقعہ پر ظرافتہً کہا ؎

وکنا نرجی من امام زیادۃ	ہم کو امام سے ترقی کی امید تھی۔
فزاد الامام المصطفیٰ فی القلانس	سو اس نے ترقی بھی کی تو ٹوپیوں میں۔
تراھا علی ھام الرجال کانھا	وہ لوگوں کے سروں پر ایسی معلوم ہوتی ہیں۔
دنان یھود جللت بالبرانس	جیسے یہودیوں کے مٹکے جن پر کپڑا چڑھا دیا گیا ہو۔

غرضکہ منجملہ ارکان سلطنت کے خالد برمکی (جو عجمی النسل تھا) بھی دربار میں ایک باوقار شخص تھا۔ اور اسی مبارک زمانے میں جعفر پیدا ہوا چونکہ یہ زمانہ خالد کے موافق تھا اس لئے نہایت ناز و نعمت سے جعفر کی پرورش ہوئی لیکن اس امر میں ہماری واقفیت محدود ہے کہ جعفر کی تعلیم و

تعلیم و تربیت تربیت کب شروع ہوئی۔ اور خدمت معلمی کن علما کے سپرد کی گئی البتہ

حاشیہ سلہ تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ مصر

صرف علم فقہ کے متعلق ابن خلکان[1] نے بروایت علامہ ابن القادسی مصنف کتاب الوزراء ایک مختصر جملہ لکھا ہے جس سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ یحییٰ برمکی نے فقہ کی تعلیم جعفر کو قاضی امام ابویوسف[2] سے دلوائی تھی - اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جعفر کے احکام اور فیصلے اصول فقہ کے مطابق ہوتے تھے اگرچہ فقہ میں جعفر کو قاضی صاحب کی شاگردی کا فخر حاصل ہے لیکن قاضی صاحب حقیقت میں جامع علوم و فنون تھے - کیا عجب ہے کہ دیگر علوم بھی قاضی صاحب ہی سے حاصل کئے ہوں اور علاوہ قاضی صاحب کے دیگر آئمہ اور مجتہدین فن بھی موجود تھے - یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مختلف علوم کے جدا جدا معلم ہوں - بہرحال جعفر کی تعلیم اعلےٰ درجے کی ہوئی تھی - جس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہوسکتا ہے اور جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے - ادب - فقہ - نجوم - اور فلسفہ میں اس کا

حاشیہ[1] ابن خلکان صفحہ ۱۰۰ - [2] قاضی ابویوسف امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید ہیں - ۱۱۳ھ یا ۱۱۳ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے تکمیل علوم کے بعد ۱۶۶ھ ہجری میں خلیفہ مہدی کے زمانے میں قاضی مقرر ہوئے - لیکن ہارون الرشید کے زمانے میں تمام ممالک اسلامیہ کے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے - قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے - ابن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی ابویوسف تفسیر - مغازی - ایام العرب کے حافظ تھے - اور فقہ ان کا ادنےٰ سا علم تھا - علاوہ امام ابوحنیفہ کے اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت میں قاضی صاحب نے علم کی تحصیل کی - اعمش - ہشام بن عروہ - سلیمان تیمی - ابواسحاق شیبانی - یحییٰ ابن سعید الانصاری - وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں - محمد بن اسحاق سے مغازی و سیر پڑھی محمد بن ابی لیلےٰ سے فقہ کے مسائل سیکھے خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانے میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے - جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچویں تاریخ ۱۸۲ھ میں وفات پائی - اور مرتے وقت زبان پر یہ الفاظ تھے "اے خدا تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ عمداً خلاف واقع نہیں کیا - میری ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ ہو تیری کتاب اور پیغمبر کے طریقے کے موافق ہو" قاضی صاحب بڑے دولتمند تھے - چنانچہ وقت انتقال کے وصیت کی کہ چار لاکھ روپے - مکہ معظمہ - مدینہ منورہ - کوفہ - بغداد کے محتاجوں کو دیئے جاویں - قاضی صاحب پہلے شخص ہیں جس نے علما کے لئے ایک خاص لباس تجویز کیا جو آج تک برتا جاتا ہے ورنہ اس سے پہلے تمام لوگوں کا ایک لباس تھا - تصنیفات سے کتاب الخراج مشہور ہے - سیرۃ النعمان صفحہ ۱۹۲

کمال ظاہر ہوتا ہے۔ تعلیم کا دوسرا جزء جو تربیت ہے۔ اُس کی اتالیقی خالد اور یحییٰ کے ہاتھ میں تھی اور یہ دونوں اس رتبے کے شخص تھے کہ خود خلیفہ مہدی ورہارون کی اتالیقی اُن کے سپرد تھی۔ اس لئے تعلیم و تربیت کے لحاظ سے جعفر کو اعلیٰ درجہ کے ارباب کمال میں شمار کرنا چاہئے[1]۔

جعفر کا سن رشد۔ ملکی خدمات۔ مصر، خراسان، بصرہ کی ولایت، وزارت

یہ مضمون اس قابل تھا کہ مفصل لکھا جاتا۔ مگر مورخین کی کوتاہ قلمی کی وجہ سے افسوس ہے کہ مجمل رہا جاتا ہے کیونکہ مصر۔ خراسان۔ بصرہ کے حالات اور عہد حکومت کے تاریخی کارناموں کا بجز سنہ تقرری کے کچھ پتہ نہیں ہے۔ مختلف حالات کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم و تربیت کے فراغ کے بعد جب جعفر کام کے قابل ہو گیا اُس وقت سے ہارون نے اس گرانبہا جوہر کی قدر دانی شروع کی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ تمام ملکی خدمات سپرد کر دئے۔ ابتدائی خدمت کی صحیح تاریخ بتانا اگرچہ مشکل ہے لیکن مختلف واقعات سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ہارون نے اپنی تخت نشینی کے ایک سال کے بعد جعفر کو وزیر کر دیا تھا گو اہم معاملات بمشورۂ یحییٰ برمکی طے ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ سنہ ۱۷۱ ہجری میں ملکی ضرورت سے فضل بن ربیع نے جعفر سے قلمدان وزارت لے لیا تھا۔

حاشیہ[1] چونکہ خاندان برامکہ میں اردشیر بابکان کے عہد سے وزارت درجہ بدرجہ چلی آتی تھی اسلئے خاندان برامکہ کے لڑکوں کو ابتدا ہی سے اعلےٰ درجے کی تعلیم دیجاتی تھی۔ بلکہ ایک سلسلہ اعلےٰ درجے کی کتابوں کا اس خاندان میں خاص طور پر مرتب کیا گیا تھا وہی ان لڑکوں کو پڑھایا جاتا تھا جس میں علم فقہ۔ ادب وغیرہ کی کتابیں خاصکر پڑھائی جاتی ہیں اصول تعلیم بالکل وہی تھے۔ جن اصولوں پر خود ان پچھلی نسلوں کے بزرگوں نے تعلیم پائی تھی۔ سیاست نامہ خواجہ نظام الملک طوسی صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ پیرس سنہ ۱۸۹۱ء

مصر و خراسان کی ولایت

سنہ ۱۷۵ہجری مطابق ۷۹۱ء میں جب موسیٰ ابن عیسیٰ خلع بیعت پر آمادہ ہوا۔ اُس وقت مصر کی حکومت جعفر کے واسطے تجویز کی گئی۔ اور دو برس کے بعد سنہ ۱۷۷ھ مطابق ۷۹۳ء میں پھر بجائے جعفر کے اسحاق بن سلیمان متقرر ہوا۔ اس لئے مصر میں بھی بہت ہی کم جعفر نے حکومت کی سنہ ۱۸۰ھ ہجری میں جب حدود شام میں فتنہ و فساد شروع ہوا۔ تو اس کے انسداد کے واسطے جعفر روانہ کیا گیا۔ اور خلیفہ کے اطمینان کے موافق انتظام کر کے واپس آیا۔ اس کے بعد خراسان و سجستان کی ولایت کا فرمان عطا ہوا لیکن چند روز بعد پھر دار الخلافے میں آنا پڑا۔ غرضکہ نو دس برس یہی دور رہا۔ مستقل طور پر نہ وزارت کی خدمت انجام دی نہ حکومت کے لطف اٹھائے۔ لیکن مامون الرشید[1] کی ولیعہدی سے زمانہ قتل تک مستقل طور پر وزارت کی۔ اور اس سے تمام جس قدر وزارت میں تغیر و تبدل ہوتا رہا وہ صرف یحییٰ کی وجہ سے تھا۔ ہارون الرشید کے پاس ہر وقت موجود رہتا تھا۔ ورنہ ہارون کا میلان طبعی ابتدا سے جعفر کی طرف تھا۔ کیونکہ جب یحییٰ نے ضعیفی کے سبب سے وزارت سے استعفا[2] دینا چاہا اور حج کی تیاری کی اُس وقت بھی ہارون کا خیال جعفر کی طرف تھا۔ مگر جبکہ یحییٰ نے فضل کو وزیر مقرر کر دیا تو پاس ادب کے لحاظ سے ہارون خاموش ہو رہا لیکن دو برس کے بعد صاف

جعفر کی وزارت

لفظوں میں یحییٰ سے جعفر[3] کے لئے سفارش کی کہ وہ خدمت وزارت انجام دے۔" ہارون کا اشارہ پا کر یحییٰ نے فضل کو لکھا کہ امیر المومنین

حاشیہ [1] ابو الفدا جلد ۲ صفحہ ۱۰۔ [2] مامون الرشید ۱۸۲ھ میں ولیعہد سلطنت کیا گیا تھا۔ [3] ترجمہ طبری جلد چہارم صفحہ ۱۵۔ [4] ابن خلکان صفحہ ۱۷۵۔

کا حکم ہے کہ خدمت وزارت جعفر کے سپرد کی جائے۔" فضل نے اس کے جواب میں لکھا۔ کہ "مجھے تعمیل ارشاد میں کوئی عذر نہیں ہے۔ بلکہ میں نہایت خوش ہوں۔" اگرچہ اول جعفر نے عذر بھی کیا کہ "بھائی فضل مجھ سے بزرگ ہیں اور قابل بھی ہیں عقل وفہم اور تجربہ بھی اُن کا بہت زیادہ ہے۔ بہتر ہے کہ مُہر خلافت اُنھیں[1] کے پاس رہے۔" لیکن یہ عذر نہ سُنا گیا اور جعفر کو بڑے بھائی سے قلمدان وزارت لینا پڑا۔ چنانچہ جعفر نے اپنے اس فرض منصبی کو نہایت قابلیت سے ادا کیا۔ تمام مستند مورخین کا یہ قول ہے کہ "جعفر نہایت ہی عالی رتبہ[2]۔ اور خود مختار وزیر تھا۔ اپنی رائے میں کامل تھا۔ کسی معاملے میں صلاح ومشورے کا محتاج نہ تھا۔ جو رتبہ اور اعزاز وزارت میں جعفر کو حاصل تھا وہ دوسرے کو میسر نہیں ہو سکتا۔"

جعفر کی لیاقت پر ہارون کو ناز تھا

محمد بن راشد اسحاق موصلی سے روایت کرتا ہے کہ "بغداد میں جو علوم وفنون کا مرکز تھا جعفر کا شمار طبقۂ علما میں کیا جاتا تھا۔ دنیاوی عیش اور وزارت کی خدمات کو چھوڑ کر صرف علوم پر اگر جعفر متوجہ ہوتا۔ تو پھر کوئی عالم اس کی برابری کا دعوےٰ نہیں کر سکتا تھا۔" علی بن عبداللہ کاتب کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ اطراف سلطنت سے لوگوں نے بہ حیثیت مستغیث آنا شروع کیا اور مقدمات کا دائرہ بہت بڑھ گیا۔ تب ہارون نے جعفر کو حکم دیا کہ "میری طبیعت ناساز ہے۔

حاشیہ[1] زہر الآداب کا مصنف لکھتا ہے کہ تقرری جعفر کے واسطے ہارون الرشید نے یحییٰ سے کہا تھا۔ "یا ابت انی اردت ان اجعل الخاتم الذی فی ید الفضل الی جعفر" اور یحییٰ نے فضل کو ان مختصر الفاظ میں لکھا تھا۔ "قد امر امیر المومنین اعلے اللہ امرہ ان تحول الخاتم من یمینک الی شمالک" صفحہ ۹۔ [2] حاشیہ عقد الفرید جلد اول [3] ابن خلکان جلد دوم صفحہ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔

اس ہنگامے کے غل وشور کی سماعت کی طاقت نہیں۔ آپ ہر ایک معاملے کو طے کریں لیکن اجلاس محل شاہی کے قریب ہو۔" چنانچہ جعفر نے ایسا ہی کیا۔ اور ہارون بھی امتحاناً ایک موقع سے جعفر کے احکام اور تصفیۂ مقدمات کی کارروائی دیکھتا جاتا تھا۔ جب اکثر معاملات بطریق احسن طے ہو گئے۔ اور جو احکام جعفر نے صادر کئے وہ بہت ہی صحیح اور درست تھے تب ہارون کو ضبط نہ ہو سکا اور محل کے اندر سے نکل آیا۔ جوش مسرت سے جعفر کو گلے لگا کر پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور جعفر کو دعائیں دیتا رہا اور کہا کہ "آج میرے پاس وہ کون ایسی نعمت ہے جو نہیں ہے لیکن جو نعمت سب سے بڑھ کر ہے وہ جعفر برمکی ہے کیونکہ نہ اس نعمت کا کوئی بدل ہے نہ جعفر کا کوئی مثل ہے۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک شب کو ہارون کے دربار میں ایک ہزار سے زیادہ توقیعات لکھنے کا جعفر کو اتفاق ہوا۔ لیکن اُن میں سے کوئی ایک بھی اصول فقہ کے خلاف نہ تھا۔ اگرچہ جعفر کے فضل و کمال اور معاملہ فہمی کی یہ ظاہر مثالیں ہیں لیکن بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ہارون دربار عام کرتا تھا (ایسے دربار اکثر ہوا کرتے تھے) اُس وقت ہر شخص کو زبانی عرض کرنے اور تحریری درخواستوں کے پیش کرنے کا حکم عام دے دیا جاتا تھا۔ اور اس قسم کے عرضی دینے والوں کی تعداد کثیر ہوتی تھی۔ لیکن جعفر کے قلم سے جو احکام نکلتے تھے۔ وہ علاوہ علم ادب اور علم انشا کے اعلےٰ نمونہ ہونے کے اصول شرع اور قانون فقہ کے موافق ہوتے تھے۔ اور حسن کتابت کا جوہر ان کو اور چمکا دیتا تھا۔

حاشیہ ۱؎ ضیائے برنی ۲؎ مرآۃ الجنان یافعی نسخہ قلمی صفحہ ۹۱

عہد خلافت ہارون الرشید میں جس شان و شکوہ سے جعفر برمکی نے وزارت کی ہے۔ وہ تاریخی یادگار ہے جو رسوخ اور اعتبار ہاروں کے نزدیک جعفر کا تھا اس کی اعلےٰ درجے کی مثال وہ واقعہ ہے جس کو بروایت ابراہیم بن المہدی عباسی۔ اکثر مؤرخین نے لکھا ہے اور ہر مؤرخ نے جداگانہ نتیجہ نکالا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس مثال سے جعفر کا اقتدار اور اس کی خود مختاری بہت زیادہ ثابت ہوتی ہے۔ وہوہذا۔

وزارت کا اقتدار

علامہ ابن صابی کتاب الاماثل والاعیان میں لکھتے ہیں کہ اسحاق بن ابراہیم موصلی روایت کرتا ہے کہ میں ایک دن میں علی الصباح ایوان خلافت میں حاضر ہوا حاجب سے معلوم ہوا کہ آج امیر المومنین عیش و طرب کے جلسے میں مشغول ہیں لہذا واپس آیا۔ راستہ میں وزیر السلطنتہ جعفر برمکی سے ملاقات ہوئی میں نے عرض کر دیا کہ خلیفہ خلوت خانے میں ہیں۔ لیکن جعفر مجھے ٹھیرا کر آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر میں واپس آیا اور کہا کہ آج کا دن میرے ساتھ بسر کرو۔ امیر المومنین نے مجھے بھی حکم دیا ہے کہ میں بھی ان کی خوشی میں شریک ہوں۔ اور یہ پھولوں کے گلدستے مرحمت ہوئے ہیں۔"

بہ تعمیل ارشاد میں وزیر کے ساتھ ہو لیا اور مکان پر پہنچ کر خاص جلسے کا اہتمام کیا گیا۔ ابراہیم بن المہدی عباسی کو بھی جعفر نے اس دعوت میں مدعو کیا تھا۔ چنانچہ دستور کے مطابق ہم لوگوں نے حریر کے لباس پہن لئے اور خاص عطریات و بخورات سے لباس کو معطر کر کے جلسے میں بیٹھ گئے۔ پھر دستر خوان بچھایا گیا۔ کھانے سے فراغت ہوئی تو مغنیہ کنیزوں نے ساز چھیڑا کچھ دیر تک یہی صحبت رہی پھر میں نے گانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد معلوم نہیں کیا سوچ کر جعفر

نے حاجب کو بلایا اور کہا کہ دیکھو خبردار سوائے عبدالملک بن بحران قہرمانہ کے جو ہمارا خاص
ندیم ہے اور کوئی نہ آنے پاوے۔ جملہ خدام کو ہمارے حکم سے آگاہ کر دو حاجب حکم سن کر رخصت
ہوا پھر دور شروع ہوا۔ تھوڑے عرصے کے بعد یکایک پردہ اٹھا اور حاجب نے غلط فہمی سے
عبدالملک بن صالح ہاشمی کو اندر جانے کی اجازت دیدی۔ مجلس گرم تھی یارانِ جلسہ لہو و لعب
میں مصروف تھے۔ ایک خوب صورت کنیز عود بجا رہی تھی۔ جب جعفر اور عبدالملک ہاشمی کی
نظریں دوچار ہوئیں۔ دونوں نادم اور شرمندہ ہوئے۔ کیونکہ جعفر کی رندانہ مجلس عبدالملک کے
حسب حال نہ تھی۔ اور عبدالملک علاوہ شرافت نسب کے نہایت متقی اور پابند شریعت تھے۔
خود ہارون کو یہ آرزو تھی کہ ایک مرتبہ عبدالملک ہمارے بے تکلفی کے جلسے میں شریک ہوں
اور ایک ہی پیالہ پی لیں۔ لیکن عبدالملک نے نہ مانا۔ نہ کبھی ہارون کے خاص جلسوں میں
شریک ہوئے۔ غرضکہ اس وقت عبدالملک کا آنا جعفر کو سخت ناگوار ہوا۔ قریب تھا کہ
مجلس درہم برہم ہو جائے۔ لیکن عبدالملک نے اسی وقت ایسا روپ بھرا کہ بجائے بار خاطر
کے یار شاطر بن گئے۔ جعفر کے تیور دیکھ کر بول اٹھے کہ اے یاران مجلس! اشرکوا فیما
انتم فیہ۔ واصنعوا بنا ما صنعتم بانفسکم" جعفر نے جوش مسرت سے جواب
دیا" نعم" اور خوش آمدید کہکر خیر مقدم کیا۔ جعفر کا اشارہ پاتے ہی غلاموں نے عبدالملک
کو ارباب مجلس کے ہمرنگ بنادیا۔ یعنی کمر سے تلوار کھول لی۔ دستار فضیلت اور جبہ شریعت
کو اوتار کر الگ پھینک دیا۔ اور منادمت کا لباس (حریر کے کپڑے) عبدالملک کو پہنادیا۔
پھر دستر خوان سامنے لا کر رکھا۔ چند لقمے تناول کر کے عبدالملک نے متواتر تین گلاس

چڑھائے اور رندانہ وضع سے مجلس میں آن بیٹھا۔ گانا ناچنا۔ اور جملہ لہو ولعب میں عبدالملک ہم سب پر فوق لے گیا۔ خلاف عادت یہ واقعہ دیکھ کر جعفر بہت خوش ہوا خوب قہقہے لگائے پھر بہ کمال ادب عرض کیا[1] کہ حضرت میں آپ پر فدا ہوں یہ تو فرمائیے کہ آخر اس تکلیف اور زحمت کا باعث کیا ہے؟ اگر کوئی حاجت ہے تو بیان فرمائیے بندہ خدمت گزاری کو حاضر ہے" عبدالملک نے صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "یہ موقع عرض حال کا نہیں ہے۔ رفع حوائج کے وقت ادھر ہی ہوا کرتے ہیں آخر اس کی جلدی کیا ہے" لیکن جعفر نے نہ مانا اور پھر اصرار سے پوچھا تب مجبوری عبدالملک نے کہا کہ میری تین خواہشیں ہیں اول یہ کہ امیرالمومنین کے دل میں میری طرف سے جو کدورت ہے وہ جاتی رہے۔ اور آئندہ مجھ سے مہربانی سے پیش آئیں۔ دوسری یہ کہ چار ہزار دینار کا قرضدار ہوں وہ شاہی خزانے سے ادا کر دیا جاوے۔ تیسری یہ کہ محمد ابراہیم اپنے بیٹے کی شادی امیرالمومنین کی دختر سے کرنا چاہتا ہوں تاکہ سلسلۂ قرابت اور بھی مستحکم ہو جائے اور بعد شادی کے کوئی معزز خدمت بھی سپرد کیجائے"

جعفر نے عبدالملک کی درخواستوں کو سن کر کہا کہ یہ تو معمولی امور ہیں۔ امیرالمومنین آپ سے بہت خوش ہیں۔ کوئی ملال اُن کو نہیں ہے اطمینان رکھئے۔ قرض کی تعداد قلیل ہے یہ رقم حاضر ہے اگر آپ کا رتبہ ایسا عالی ہے کہ میں یہ نہیں عرض کر سکتا ہوں کہ آپ اس رقم کو بطور عطیہ کے قبول فرمائیں۔ لیکن آپ کی خدمت میں خزانۂ شاہی سے یہ رقم پہنچ جائے گی۔ اور

حاشیہ [1] جعفر کے اصلی الفاظ حسب ذیل ہیں "جعلنی اللہ فداك قد تفضلت و تطولت فھل من حاجۃ تبلغھا مقدرتی و یحیط بھا نعمتی فاقضیھا لك مکافات لما صنعت۔

ابراہیم کا عقد میں نے عالیہ بنت ہارون الرشید سے کردیا۔ کل بعد نکاح حکومت مصر کی سند بھی ملے گی۔ آپ اول وقت دربار میں تشریف لائیں۔ اسحاق کہتا ہے کہ پہلی اور دوسری درخواست کا جواب تو معمولی تھا۔ مگر تیسری درخواست کا جواب سُنکر مجھے نہایت تعجب ہوا اور میں نے خیال کیا کہ یہ بھی نشہ کی لن ترانیاں ہیں۔ کیونکہ خلیفہ کی خوشنودی مزاج سہل۔ قرضے کا ادا ہونا آسان۔ اور حکومت کا ملنا بھی ممکن ہے لیکن وزیر کی یہ قدرت کب ہے۔ کہ باختیار خود بادشاہ کی جس دختر کا چاہے عقد بھی کردے یہ تو کسی طرح نہیں ہوسکتا ہے!! غرضکہ مجھے اس کا خیال رہا اور وہ جلسہ برخاست ہوگیا۔ عبدالملک بھی رخصت ہوا۔ لیکن رفع خمار کے بعد نہایت شرمندہ اور نادم ہوا۔ اپنے ناشائستہ افعال پر بہت رویا۔ اور توبہ کی لیکن صبح کو غسل کرکے دربار میں حاضر ہوا کہ دیکھئے جعفر کے وعدوں کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور میں بھی علے الصباح ایوان خلافت میں حاضر ہوا جس وقت میں پہنچا ہوں۔ اس وقت قاضی ابویوسف و محمد بن الحسن اور دیگر ائمہ کبار اور معارف بغداد ایک وسیع کمرے میں جمع تھے۔ ہارون تخت پر بیٹھا تھا اور جعفر عیش وعشرت کی داستان بیان کررہا تھا۔ جب اُن معاہدوں کا ذکر آیا جو عبدالملک سے کئے گئے تھے۔ تو ہارون نے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ اور عبدالملک سے علے رؤس الاشہاد اپنی خوشنودی مزاج ظاہر کی۔ ادائے قرضے کا وزیر خزانہ کو حکم دے دیا گیا اور عالیہ سے ابراہیم کا عقد کردیا۔ اور مصر کی حکومت کی سند عطا فرمائی اور خوشی خوشی سب رخصت ہوئے اس واقعہ کو دیکھکر تمام دربار حیرت زدہ رہ گیا۔ اور جعفر کے اختیارات اور زور حکومت کی شہرت

حاشیہ [۱] بعض مورخین نے عائشہ لکھا ہے۔

عام ہوگئی۔ جو لوگ کم سمجھ تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ برامکہ کا اقبال یاور ہے لیکن جو زمانہ شناس تھے انہوں نے اس واقعہ سے یہ حکم لگایا کہ برامکہ کے اقبال کا سورج عنقریب ڈھلنے والا[1] ہے اور خاندان[2] کا خاتمہ ہے۔

خلیفہ اور وزیر کا اتحاد

اگرچہ تمام بادشاہوں کو اپنے معزز وزرا سے ایک دلی تعلق ہوتا ہے۔ لیکن ہارون اور جعفر کی خصوصیات خاصکر قابل ذکر ہیں ان دونوں میں ایسی محبت تھی جیسے فطرتی طور سے بھائی بھائی میں ہوتی ہے۔ کھانا۔ پینا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ سونا۔ آرام کرنا۔ اور جو امور معاشرت ہیں ان سب میں ہارون کا برتاؤ جعفر سے عزیزانہ تھا۔ عبداللہ بن عبدالصمد[3] جو اکابر عباسیہ سے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جعفر اور ہارون کا اتحاد افراط سے بھی بڑھ گیا تھا اور اس میں شک[4] نہیں کہ یہ ان کی سخت غلطی تھی[5] جعفر اور ہارون میں خادم اور مخدوم کا ادب بھی باقی نہیں رہا تھا۔ جب کبھی جعفر کے بلانے کی ضرورت ہوتی تو خدام کو حکم ہوتا تھا کہ میرے پیارے بھائی جعفر کو بلا لاؤ۔ خدام جاتے اور اطلاع کرتے تھے کہ بھائی صاحب یاد فرما رہے[6] ہیں۔ محل میں کسی[7] سے پردہ نہ تھا۔ بلا تکلف آمد و رفت جاری تھی۔

حاشیہ [1] ہماری تحریر کا ماخذ حسب ذیل کتابیں ہیں (۱) ابن خلکان صفحہ ۱۳۱ (۲) اعلام الناس صفحہ ۸۸ (۳) کتاب الفرج بعد الشدۃ صفحہ ۱۰۰ (۴) تاریخ ضیاء الدین برنی صفحہ ۹۸ (۵) مراۃ الجنان یافعی صفحہ ۹۲ (۶) زہر الربیع صفحہ ۲۲۵ جلد اول (۷) ثمرات الاوراق صفحہ ۴۶ (۸) عقد الفرید عبد ربہ جلد ۳ صفحہ ۲۶ (۹) مناہج الطرب فی نفحات العرب صفحہ ۲۳۵ مطبوعہ بیروت۔ [2] اس واقعہ سے کئی مفید نتیجے معلوم ہوتے ہیں لیکن مصنف کتاب الفرج بعد الشدۃ نے اس پر بہت زور دیا ہے۔

اگر مراد تو با خلق زیستن باشد	مکن خلاف و ہمہ وفق رائے ایشان کن
وگر خلاف ارادت نے توانی کرد	کنارہ گیر ز خلقان و روئے پنہان کن

[3] اکرام الناس ضیاء الدین برنی صفحہ ۳۰۵ [4] اسباب زوال برامکہ میں یہ بھی ایک قوی سبب سمجھنا چاہئے۔ [5] حیوۃ الحیوان دمیری صفحہ ۱۳۱ جلد ۲ [6] ضیاء الدین برنی و اعلام الناس صفحہ ۹۵۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ہارون اور جعفر ایک پلنگ پر آرام کر رہے تھے معلوم نہیں کس خیال سے ہارون نے جعفر سے کہا کہ بھائی صاحب! میں چپ چاپ پلنگ پر لیٹتا ہوں آپ میرے خدام اور عزیزوں سے سوال کریں کہ بتاؤ اس وقت میرے ہمراہ کون سو رہا ہے؟ جعفر نے سب سے پوچھا۔ کسی سے جواب نہ پایا۔ تب خود ہی بول اٹھا کہ "میں ہوں"۔ ہمارے نزدیک جعفر اور ہارون کے اتحاد کی یہ اعلےٰ درجہ کی مثالیں ہیں اس سے زیادہ خاص تعلق اور کیا ہو سکتا ہے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جس کپڑے کا لباس ہارون پہنتا تھا اس میں سے جعفر کے واسطے پوشاک طیار کی جاتی تھی اور ایک ڈھیلا ڈھالا گون (مثل چوغہ) اس انداز کا بنوایا تھا کہ جس کو دونوں ایک ساتھ استعمال کرتے تھے۔ علاوہ بریں جب کبھی خاص دعوتوں میں جانے کا اتفاق ہوتا دونوں ساتھ ہوتے تھے۔

ایک مؤرخ نے ایک امیر کی دعوت کا حال لکھا ہے[1] اس سے علاوہ دونوں کے اتحاد کے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جعفر اور ہارون کے تعلقات نمایشی نہ تھے بلکہ حقیقی طور پر اس کا عملدرآمد یہاں تک تھا کہ جو جعفر سے عداوت رکھتا تھا ہارون بھی اس کا مخالف ہو جاتا تھا۔ اور اس کی کچھ پرواہ نہ کرتا تھا کہ میرے اگلے تعلقات جو اس شخص سے ہیں وہ چھوٹ جاویں گے۔

چنانچہ حارث بن شجرہ نے (دربار کا ایک معزز امیر تھا) ایک روز اپنی عزت افزائی کی غرض سے خلیفہ ہارون کی دعوت کی اور عرض کیا کہ "امیر المومنین ارکان دولت اور ندمائے مجلس کے ہمراہ غریب خانے پر تشریف لاویں"[2] خلیفے نے دعوت منظور کر لی اور حارث نے مجبور کیکی

حاشیہ [1] مراۃ الجنان یافعی نسخہ قلمی صفحہ ۲ و [2] اکرام الناس صفحہ ۱۵۰۔

وفضل کو بھی مدعو کیا لیکن ان بزرگوں نے دعوت میں شریک ہونے سے عذر کیا اور معذرت کہلا بھیجی۔ جب چلنے کا وقت آیا تو ہارون نے جعفر سے کہا "بھائی صاحب آپ کو میرے ساتھ حارث کی دعوت میں ضرور شریک ہونا پڑے گا"۔ جعفر نے جواب دیا کہ "آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں مجھے اس شرکت سے معاف فرمائیے جس کی طرف سے میرے دل میں کدورت ہے۔ میں کیونکر اسکی دعوت میں شریک ہو سکتا ہوں"۔ ہارون نے کہا کہ "سبحان اللہ" یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں تنہا جاؤں۔ بغیر آپ کے لطف صحبت کہاں؟" آخر نہ مانا اور جعفر کو ساتھ چلنے پر مجبور کیا۔ اور تبدیل لباس کر کے دعوت میں جانا قرار پایا۔ اپنا خاص لباس جعفر کو پہنایا اور چادر خلافت بھی اڑھادی اور خود جعفر کا لباس پہن لیا۔ اور اپنے خاص گھوڑے پر سوار کر کے اول جعفر کو روانہ کیا۔ اور اپنے غلاموں اور مصاحبوں میں سے مسرور۔ و حسن مروان و احمد مروان وغیرہ کو ساتھ کر دیا۔ اور ان کو ہدایت کردی کہ پیادہ پا جعفر کے ساتھ چلیں۔ اور جعفر سے کہہ دیا کہ آپ اپنا منہ چادر سے چھپائے رہیں۔ اور جو مسند میرے واسطے تیار کی گئی ہو وہاں بیٹھنا میں بعد کو پہنچوں گا۔ چنانچہ اسی طرح سے جعفر حارث کے مکان پر پہنچا۔ حارث نے امیرالمومنین سمجھ کر آداب شاہی کے مطابق استقبال کیا اور جوش مسرت سے رکاب کو بوسہ دیا اور چند طبق درہم و دینار کے گھوڑے پر نثار کئے۔ اور مسند پر لا بٹھایا۔ خدام و مصاحبین مودب سامنے بیٹھ گئے۔ حارث تعظیما کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر میں جعفر نے چادر اپنے رخ سے پلٹ دی تب جعفر کا چہرہ دیکھ کر حارث نہایت ہی شرمندہ ہوا۔ اتنے میں خلیفہ کی آمد شروع ہوئی حارث نے بڑھ کر استقبال کیا اور مجلس میں لا کر بٹھایا۔ خلیفے کی ہدایت کے بموجب جعفر بدستور اسی مسند پر

پر بیٹھا رہا۔ اور ہارون مسند کے نیچے جعفر کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور جعفر سے کہا کہ "میں جلدی سے اس وجہ سے آیا ہوں کہ آپ کو تنہا بیٹھنے سے وحشت نہو" جعفر نے خلیفہ کا شکریہ ادا کیا۔ جب ہارون نے حارث کا چہرہ متغیر پایا اور کسی قدر آثار حزن و ملال کے پائے۔ فوراً جعفر کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور حارث سے کہا کہ "حقیقت میں جعفر میں ہی ہوں۔ اور وہ میری جان ہے جو اس کا دوست ہے میں بھی اس کا دوست ہوں۔ اس کے بعد جس قاعدے سے دونوں آئے تھے اسی طرح واپس گئے۔ حارث نے نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ سمجھ کر جعفر سے صلح کر لی۔ اور قدیمانہ حسد کو اخلاص و محبت سے تبدیل کر دیا۔" اس بیان سے بھی وہ دلی تعلقات بخوبی ظاہر ہوتے ہیں جو دونوں میں تھے۔

خلیفہ ہارون الرشید کا یہ بھی دستور تھا کہ تبدیل لباس کرکے بغداد کے گلی کوچوں میں رات کو پھرا کرتا تھا۔ اور اپنی رعایا کے حالات دریافت کیا کرتا تھا۔ ایسے موقعوں پر اس کے ساتھ وزیر جعفر ہوتا تھا۔ چنانچہ مصنف اعلام الناس نے اس قسم کا ایک قصہ نہایت دلچسپ لکھا ہے جس سے قطع نظر خلیفہ اور وزیر کی خصوصیات کے بغداد کے امرا کے عیاشانہ خیالات اور طرز معاشرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے لہذا مختصراً ذیل میں ہم بھی لکھتے ہیں۔

دجلہ کی سیر

رات کا وقت ہے۔ دریائے دجلہ اپنی معمولی رفتار سے بہ رہا ہے۔ دونوں کناروں پر سناٹے کا عالم ہے۔ اور اندھیرے کی وجہ سے نہ گھاٹ نظر آتا ہے اور نہ کشتیاں۔ لیکن غور کرنے سے ایک چھوٹی سی ڈونگی دکھائی دیتی ہے جس پر ایک بوڑھا ملاح گردن جھکائے خاموش بیٹھا ہے۔ اور تین شخص سوداگروں کے لباس میں

بڈھے کے پاس کھڑے ہوے ہیں۔ بظاہر اس میں ایک مالک دوسرا مصاحب تیسرا خادم معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مصاحب نے آگے بڑھکر بوڑھے ملاح سے اس طرح پر گفتگو کی۔

مصاحب۔ اے پیرمرد! مہربانی کرکے ہم کو اس وقت دجلہ کی سیر کرا۔ اور یہ دو دینار جو تیری حق الخدمت کے موجود ہیں ان کو قبول کر۔

ملاح حضرت! میری مجال نہیں ہے جو آپ کی فرمایش بجالاسکوں۔ کیونکہ خلیفہ ہارون الرشید کا معمول ہے کہ وہ ہر شب کو بجرے پر سوار ہو کے نکلتا ہے۔ جس کے ساتھ ایک منادی پکارتا جاتا ہے کہ "خبردار جو کوئی شخص اعلےٰ ہو یا ادنےٰ۔ جوان ہو۔ یا لڑکا۔ آزاد ہو یا غلام رات کے وقت دجلہ کی سیر کرے گا اُس کا سر قلم کردیا جائیگا"

یہ گفتگو ہنوز ختم نہیں ہوئی تھی کہ دور سے ایک کشتی آتی ہوئی نظر آئی۔ جس میں حسب موقع شمعوں اور مشعلوں کی روشنی ہو رہی تھی۔ جب وہ کشتی ادھر سے آگے چلی گئی تو پھر اُس مصاحب نے بوڑھے ملاح سے اصرار کیا۔ اور ایک معقول انعام کے وعدے پر رضامند کرلیا۔ یہاں تک کہ یہ کشتی بھی اگلے بجرے کے پیچھے پیچھے چل کھڑی ہوئی۔ جب کشتی بجرے کے قریب پہنچی تو دیکھا کہ اُس پر بھی مشعلچی سرخ اطلس کا لباس پہنے ہوے اور ایک طلائی اور مینا کار دستے کا مشعل ہاتھ میں لئے ہوے کھڑا تھا۔ جن میں عود قماری جل رہا تھا۔ بجرے کا درمیانی حصہ شمعوں سے روشن تھا جس کے وسط میں ایک زرنگار کرسی بچھی ہوئی تھی اور اس پر ایک نوجوان سیاہ خلعت پہنے ہوے بیٹھا تھا۔ داہنے بائیں تخمیناً سو غلام ایستادہ تھے۔ اور بیچ میں بیس مصاحب اور بھی تھے۔

مالک۔ کیوں صاحب آپنے یہ تماشا دیکھا؟ کیا خوب طرز اختیار کیا ہے!!

مصاحب۔ یہ تو حقیقت میں خلیفہ ہی علوم ہوتا ہے۔

مالک۔ ہنسکر یہ امین الرشید کی شرارت ہے یا مامون الرشید کی۔

مصاحب۔ حضور سچ فرماتے ہیں۔ واللہ خلیفہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

مالک۔ دوبارہ غور سے دیکھ کر۔ بیشک تمام سامان خلافت مہیا ہے۔ دو شخص جو سامنے کھڑے ہیں ان میں ایک تو بالکل جعفر وزیر السلطنۃ معلوم ہوتا ہے اور دوسرا مسرور حبشی غلام

مصاحب۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ کیا اسرار ہے۔ میری تو عقل گم ہے۔

سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ کشتی نظر سے دور ہو گئی۔ تب مصاحب نے ملاح سے پوچھا کہ کیا خلیفہ اسی طرح ہر شب دجلہ کی سیر کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ "ہاں"۔ چنانچہ ملاح سے دوسرے دن ملنے کا وعدہ کر کے یہ لوگ چلے گئے۔ دوسرے دن بڈھا انعام کے لالچ سے اسی جگہ اپنی کشتی لگائے بیٹھا تھا کہ یہ لوگ آموجود ہوے۔ اور جس وقت شاہی بجرہ سامنے سے گزرا فوراً یہ کشتی بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی۔ دیکھا تو بجرے پر آج دوسرے ٹھاٹھ تھے۔ اور قریب دو سو غلاموں کے مؤدب کھڑے تھے جو کل کے غلاموں سے علاوہ تھے۔ ملاح نے آج دس دینار کے لالچ سے اس کشتی کو تیزی کے ساتھ چلایا اور دور تک بجرے کے ساتھ ساتھ چلا گیا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے ایک باغ کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں دو غلام مع سواری کے موجود تھے۔ خلیفہ کشتی سے اترا اور خچر پر سوار ہو کے باغ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ مسافر بھی کشتی سے نیچے آئے اور دل کڑا کر کے خلیفے کے پیچھے ہو لئے۔ مگر آگے چل کر

شلیموں نے دیکھ لیا اور اجنبی سمجھ کر غل شور کیا۔ تب لوگوں نے ان کو گرفتار کر کے خلیفہ کے روبرو پیش کیا۔

خلیفہ۔ تم کون ہو؟ اور یہاں کیونکر آئے ہو۔

مصاحب۔ ہم غریب الدیار ہیں۔ اور تاجرانہ حیثیت سے بغداد میں نووارد ہیں۔

خلیفہ۔ تمہاری رسائی یہاں تک کس کی سازش سے ہوئی؟

مصاحب۔ حضور! ہماری حماقت نے ہم سے سازش کر کے سیر دجلہ پر آمادہ کیا جس کی وجہ سے حضور کے خدام نے گرفتار کر لیا۔ لیکن یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ حضور کے دیدار فیض آثار سے مشرف ہوئے۔ اب آگے جو قسمت میں ہو۔

خلیفہ۔ اگر آپ مسافر نہ ہوتے اور کوئی بغدادی ہوتا تو ضرور ہمارے دریائی قانون کے موافق قتل کیا جاتا۔ لیکن اب آپ ہمارے مہمان ہیں۔ اطمینان سے استراحت فرمائیے اور (اپنے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر) یہ لوگ آج ہمارے مہمان ہیں ان کو بھی اپنی بے تکلفی کی صحبت میں شریک کرو۔

وزیر۔ بہت خوب!

تھوڑی دور چل کر ایک عظیم الشان محل نظر آیا۔ جو شاہانہ طرز پر آراستہ تھا۔ وہاں پہنچکر سب لوگ اپنے اپنے قرینے سے بیٹھ گئے۔ دستر خوان چنا گیا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو دور شروع ہوا جب ان سوداگروں کی طرف دور آیا۔ تو پہلے مالک نے انکار کیا۔ خلیفہ نے اس مصاحب سے سبب انکار دریافت کیا۔ مصاحب نے عرض کیا کہ "حضور ہمارے آقا

نے مدت سے شراب چھوڑ دی ہے ، لیکن خلیفہ نے مع یاران مجلس خوب ہی پی۔ اور مست ہو کر نشے میں جھومنے لگے۔ جب ان لوگوں کو کسی قدر تخلیہ حاصل ہوا۔ تو آپس میں اس مکان کی آراستگی اور دیگر سامان وظروف وغیرہ کی تعریف کرنے لگے مالک نے اپنے مصاحب سے کہا کہ کیا خوب ہوتا اگر یہاں کے حالات کی مجھ پر زیادہ وضاحت ہوتی! خلیفہ نے ان باتوں پر کان لگانے اور دریافت کیا کہ آپ لوگ کن خیالات میں ہیں؟ ادھر سے مصاحب نے جواب دیا کہ ہمارا مالک سر تاپا حضور کی خوش انتظامی اور سامانِ آرائش دیکھ دیکھ کر محو ہو رہا ہے اور مجھ سے اس کی تعریف کرتا جاتا ہے۔

خلیفہ۔ آپ کے نزدیک یہاں کسی چیز کی کمی ہے۔؟

مصاحب۔ ہماری کیا مجال ہے کہ کسی کمی کا ذکر کریں۔ بفضلہ تعالیٰ تمام سامان عیش مہیا ہیں

خلیفہ۔ نہیں نہیں۔ بلا تصنع جس چیز میں آپ کمی دیکھیں تو العزم اس سے اطلاع دیں۔

مصاحب۔ حضور۔ ہمارے مالک کا خیال ہے کہ شراب بلا سماع محض تضییع اوقات ہے!!

خلیفہ یہ سنکر مسکرایا اور فوراً دستک دی۔ جس کے ساتھ ہی ایک دروازہ کھلا اور اس سے ایک خادم نکلا پھر اس نے ایک ہاتھی دانت کی مرصع کرسی لاکر بچھائی اس کے بعد ایک کنیز نہایت خوب صورت آئی اور کرسی پر بیٹھ کر عود بجانا شروع کیا۔ چنانچہ اس نے چوبیس گتیں بجائیں جس کی ہر ادا پر عقل حیران ہوتی تھی۔ اس کی خوب صورتی کے ساتھ خوش آوازی غضب تھی چنانچہ اس نے یہ اشعار گانا شروع کئے۔

لسان الھوی منی مقلتی لک ناطق		عشق کی زبان میری آنکھ میں بول رہی ہے۔

يخبر عني انني لك عاشق	اور یہ کہتی ہے کہ میں تیرا عاشق ہوں۔
ولي شاهد من طرف قلب معذب	میرا ستم زدہ دل میرا گواہ ہے۔
وقلبي جريح من فراقك خافق	اور میرا دل تیرے فراق سے زخمی ہے اور کانپتا ہے
وكم اكتم الحب الذي قد اذابني	جس محبت نے مجھکو گھلا دیا میں اسکو کہاں تک چھپاؤں
وقلبي قريح والدموع موابق	دل زخمی ہے اور آنسو ہلاک کرنے والے ہیں۔
وما كنت ادري قبل حبك ما الهوى	تیرے عشق سے پہلے مجھکو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ عشق کیا چیز ہے
ولكن قضا الرحمن في الخلق سابق	لیکن خدا کا حکم مخلوقات میں پہلے نافذ ہو چکا ہے۔

یہ اشعار کچھ ایسے دردانگیز لہجے میں گائے کہ خلیفہ پر کیفیت طاری ہوئی اور یکایک چیخ اُٹھا اور بدن کے کپڑے پھاڑ ڈالے دیر کے بعد جب ہوش آیا تو دوسری پوشاک زیب تن کی اور ذرا دیر سکوت کرنے کے بعد اس نے پھر دستک دی۔ قاعدہ اول کے مطابق دوسری لونڈی حاضر ہوئی۔ اس نے بھی عود بجانا شروع کیا۔ ان مہمانوں نے جب دیکھا کہ خلیفہ محو سماع ہے تو آپس میں آہستہ آہستہ اس طرح پر گفتگو شروع کی۔

مالک (اپنے مصاحب سے مخاطب ہو کے) یہاں تو سامان خلافت کے پورے طور پر مہیا ہیں۔

مصاحب۔ بیشک حضور سچ فرماتے ہیں۔ آخر یہ معاملہ کیا ہے کچھ حضور نے بھی خیال فرمایا۔

مالک۔ کیا تم نے خلیفہ کے چہرے پر کوئی نشان بھی دیکھا ہے۔

مصاحب۔ جی ہاں۔ میں عرصے سے اس پر غور کر رہا ہوں۔

اس قدر گفتگو ہوئی تھی کہ خلیفہ متوجہ ہو گیا اور پوچھا کہ کیا سرگوشیاں ہیں؟ مصاحب نے

نے جواب دیا کہ ہمارا مالک آپ کی اس وقت کی فیاضیوں کو بار بار ذکر کر رہا ہے۔ کیونکہ ہر ہر کنیز کے بدلے میں حضور نے چار جوڑے قیمتی جن میں سے ہر ایک پانچسو دینار سے کم نہ ہوگا۔ خادموں کو چاک کر کے دیدیئے۔ اس کے بعد مصاحب نے خلیفہ کا خیال تبدیل کرنے کی غرض سے برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

بنت المکارم وسط کفک منزلا		سخاوت نے تیری ہتیلی کے بیچوں بیچ گھر بنایا ہے۔
فجمیع مالک للانام مباح		اس لئے تیرا مال تمام لوگوں کے لئے مباح ہے۔
واذا المکارم اغفلت ابوابھا		سخاوت کسی دن اگر اپنے دروازے بند کرے۔
یوما فانت لقفلھا مفتاح		تو تو اس کے قفل کی کنجی ہے۔

خلیفہ ان اشعار کو سنکر بہت محظوظ ہوا۔ اور فوراً حکم دیا کہ ایک ہزار دینار مع خلعت کے دیا جاوے اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا۔ اور جب عالم کیفیت طاری ہوا تو پھر ان مہمانوں میں سرگوشیاں شروع ہوئیں۔

مالک۔ مجکو خلیفہ کی پیشانی پر ایک نشان نظر آتا ہے (مصاحب سے) میری نظر تو غلطی نہیں کرتی؟

مصاحب۔ حضور سچ ہے۔ مجکو بھی صاف نظر آرہا ہے۔

مالک۔ تو کیا اس کی نسبت دریافت کریں؟

مصاحب۔ حضور موقع نہیں ہے ذرا صبر کیجئے۔

مالک (غصے سے) مجھے قسم ہے تربت عباس کی کہ جب تک اس حال کو معلوم نہ کرلونگا۔ اس وقت تک کچھ بھی تسکین نہوگی۔

تربت عباس کا لفظ اس زور سے نکلا کہ خلیفہ چونک پڑا اور اس نے مصاحب کی طرف دیکھ کر کسی قدر خوف زدہ آواز سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے ؟ اس نے کہا کہ سب معمولی باتیں ہیں مگر میرے مالک کا ایک سوال ہے۔ آپ کو خدا کی قسم اس کا جواب صحیح دیجئے گا اور وہ یہ ہے کہ "آپ کی پیشانی پر جو نشان نظر آتا ہے اس کی کیا وجہ ہے" خلیفہ یہ بات سنکر ساکت ہو گیا اور دیر تک مالک اور اس کے مصاحب کو پہچاننے کی کوشش کرتا رہا بالآخر خوف زدہ ہو کر رونے لگا اور اپنا تمام واقعہ فی البدیہہ نظم میں بیان کرنے لگا اور اسی سلسلے میں ڈرتے ڈرتے یہ بھی بیان کیا۔

قد حس قلبی ان فیکم امامنا	میرا دل کہتا ہے کہ اس مجمع میں ہمارا سردار ہے۔
خلیفۃ ھذا الوقت ابن الاطائب	جو اس زمانے کا خلیفہ اور پاک نسل سے ہے۔
وثانیکم یدعی الوزیر بجعفر	دوسرا شخص جعفر وزیر ہے۔
حقیقۃ یدعی صاحبا وابن صاحب	جو وزیر ابن الوزیر کہا جاتا ہے۔
وثالثکم مسرور سیاف نقمۃ	اور تیسرا مسرور ہے جو انتقام کے لئے جلاد ہے۔
فان کان ھذا القول حقا بصائب	سو اگر یہ بات ٹھیک نکلی۔
فقد نلت ما ارجو علی کل حالۃ	تو بہر حال جو میں چاہتا تھا وہ مل گیا۔
وجاء سرور القلب من کل جانب	اور دل کی خوشی ہر طرف سے آپہنچی

اگرچہ اس نے اپنے اشعار میں ظاہر کر دیا کہ میں نے اپنے تینوں مہمانوں کو پہچان لیا ہے تاہم مصاحب نے اس کے اس خیال کی تردید کی اور چاہا کہ اس سلسلۂ تقریر کو بھی ٹال دے

مگر اس نے صاف کہہ دیا کہ یہ حضرت جو آپ کے مالک ہیں میں نے ان کو پہچان لیا ہے واللہ یہ ہمارے امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید ہیں اور آپ ان کے وزیر جعفر ہیں اور یہ تیسرے صاحب مسرور ہیں۔ لہٰذا میں پہلے اپنی جان بخشی چاہتا ہوں کہ حضور کے لقب کے طفیل میں سیر دریا کرتا ہوں اور اس کے بعد اپنا عرض حال کرتا ہوں امیر المومنین۔ اصلی نام میرا علی ہے محمد جوہری کا لڑکا ہوں۔ میرا باپ مشہور سوداگر تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا۔ تو دولت کثیر میرے ہاتھ آئی۔ امیرانہ طور پر زندگی بسر کرتا تھا ایک دن دوکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت خچر پر سوار میری دوکان پر آئی تین خوب صورت کنیزیں اس کے ہمراہ تھیں مجھ سے پوچھا کہ علی بن محمد جوہری آپ ہی ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ کا غلام موجود ہے۔ پھر پوچھا کہ میرے لائق اعلے درجے کی موتیوں کی لڑیاں ہیں۔ میں نے کہا کہ جو کچھ موجود ہے پیش کرتا ہوں اگر ان میں سے کوئی پسند خاطر ہو تو زہے سعادت۔ چنانچہ سولڑیاں میں نے پیش کیں۔ لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی پسند نہ آئی اور سب سے عمدہ موتی پیش کرنے کے لئے حکم دیا تب میں نے ایک چھوٹی لڑی جو میرے والد نے ایک لاکھ کو خرید کی تھی پیش کی اور عرض کیا کہ یہ وہ قیمتی سلک ہے جس کی نظیر بمشکل بادشاہوں کے یہاں ہوگی۔ چنانچہ یہ لڑی دیکھ کر پھڑک اٹھی اور کہا کہ "مجھے مدت سے ایسے ہی موتیوں کی آرزو تھی" پسند آنے پر نرخ پوچھا۔ میں نے خرید کے دام عرض کر دئے قیمت سنکر جواب دیا کہ لاگت پر پانچہزار دینار نفع کے دیئے جائینگے۔ اور ایک خوبصورت کنیز اس کے علاوہ۔ میں نے عرض کیا کہ یہ لڑی اور اس کا مالک دونوں حضور میں موجود ہیں موتی بھی آپ کے ہیں اور یہ خادم بھی آپ کا غلام ہے" یہ میری بات سنکر اٹھ کھڑی ہوئی اور

کہانہیں نفع تو تم کو ضرور لینا چاہیئے۔ پھر چلتے وقت خدا کی قسم دے کر کہا کہ قیمت لینے مکان پر ضرور آنا۔ چنانچہ میں اُسی وقت دوکان میں قفل لگا کر ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دور چل کر ایک عالیشان عمارت کے دروازے پر پہنچا۔ سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ نہایت رفیع الشان عمارت تھی صدر دروازے پر یہ طغرا لکھا تھا۔

الا یا دار لا یدخلک حزن	اے گھر تیرے اندر غم نہ آئے۔
ولا یغدر بصاحبک الزمان	اور تیرے مالک کے ساتھ زمانہ بے وفائی نہ کرے۔
فنعم الدار انت لکل ضیف	تو مہمانوں کے لئے نہایت اچھا گھر ہے۔
اذا ما ضاق بالضیف المکان	جب کہ مہمان کو کہیں گھر نہ ملتا ہو۔

دروازے پر چند لمحہ ٹھیرنا پڑا۔ پھر ایک کنیز اندر محل کے لے گئی۔ کہ چلئے قیمت لے لیجئے۔ چنانچہ ایوان کے ایک جانب میرے واسطے کرسی بچھا دی گئی۔ اُسی کے قریب ایک طرف حریر سرخ کا پردہ پڑا ہوا تھا اور چاندی کی کرسی پر وہ بی بی بیٹھی ہوئی تھی۔ گلے میں وہی موتیوں کا مالا تھا جو مجھ سے خریدا تھا۔ مجھے دیکھ کر کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور کہا کہ نورالدین میں چاہتی ہوں تم میرے پاس رہو اور سلسلہ کلام ایسا چھیڑا جس کے ہر ہر فقرے سے محبت کی بو آتی تھی۔ پھر مجھ سے کہا کہ "میں اس شہر میں گمنام ہو کر رہتی ہوں۔ میرے نام سے کوئی واقف نہیں ہے۔ حلف اُٹھاؤ اور خدا کی قسم کھاؤ تب میں اپنا راز ظاہر کروں گی۔ چنانچہ میں نے قسم کھائی۔ تب کہا کہ میں یحییٰ برمکی کی بیٹی ہوں جعفر میرا بھائی ہے۔ میرا نام دنیا ہے۔ میں نے خاندان کا نام سُنا تو مجھے کسی قدر تسکین ہوئی اور بطور معذرت کے عرض کیا کہ "میرا گناہ

معاف فرمائیے صرف طمع زر مجھ کو یہاں تک لائی ہے دنیا نے کہا کہ "کچھ مضائقہ نہیں ہے کچھ نہ کچھ احسان کرنا چاہیے۔ میں خود مختار ہوں۔ ابھی قاضی کو بلاتی ہوں" چنانچہ قاضی اور شاہد طلب کئے گئے۔ پھر قاضی سے کہا کہ میں اپنا عقد نورالدین علی سے کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نکاح پڑھا دیں۔ چنانچہ قاضی نے ایجاب وقبول کر کے خطبہ نکاح کا پڑھا اور دین مہر میں وہی لڑی موتیوں کی سامنے رکھ دی۔ بعد نکاح کے ہر طرف خوشی اور مبارکباد کے ترانے گائے جانے لگے۔ لحظہ بلحظہ خوب صورت کنیزیں عود وغیرہ بجاتی تھیں اور عمدہ راگنیاں سناتی تھیں صرف ایک شعر ان میں کا اب یاد رہ گیا ہے۔

موسی اشتیاقی فوق طور رضاکمو	میرے اشتیاق کا موسی تمہارے خوشی کے طور پر ہے
فاذا تجاہ حسنکم ناجا کمو	جب تیرا حسن اس کو غم دیتا ہے تو وہ تم سے چپکے باتیں کرلیتا ہے

جب دس لونڈیاں باری باری سے عود بجا چکیں تو پھر دنیا نے عود بجانا شروع کیا اور حسب حال کچھ اشعار پڑھے جس میں اپنی محبت اور میری خوب صورتی کا ذکر تھا۔ جب میں نے اپنی بی بی سے اشعار سنے تو بیساختہ ہو کر اس سے میں نے عود لے لیا۔ اور عود کے ساتھ کچھ گنگنانا شروع کیا۔ چار بیت اس وقت بھی یاد ہیں۔

سبحان ربی جمیع الحسن اعطاک	پاک ہے وہ خدا جس نے تمام حسن تجھ کو عطا کیا۔
حتی بقیت انا من بعض اسراک	یہاں تک کہ تیرے گرفتاروں میں میں بھی شامل ہو گیا۔
یا من لحا ناظر تسبی الانام بہ	اپنی آنکھوں کے جادو سے خلائق کو گرفتار کرنیوالے
فالماء والنار فی خدیک قد جمعا	پانی اور آگ دونوں تیرے چہرے میں یکجا ہیں۔

والورد جوری[1] بنت وسط خدالک	اور گلاب ایک گھانس ہے جو تیرے گالوں میں اُگی ہے
انت الغرام لقلبی والنعیم له	تو میرے دل کی جلن بھی ہے اور نعمت بھی۔
فما امرک فی قلبی واحلاک	تو میرے دل میں بے انتہا تلخ ہے اور بے انتہا شیریں

اُس کے بعد ہم خواب گاہ کے کمرے میں جو پہلے سے آراستہ تھا چلے گئے اور سو رہے۔ غرضکہ اسی طرح ایک مہینا عیش میں گزر گیا۔ عزیز و اقارب۔ دوکان۔ مکان۔ سب یکلخت دل سے محو ہو گئے۔ اور آج تک وہی بیخودی کی حالت ہے۔ ایک دن دنیا نے حمام کا قصد کیا۔ اور مجھے قسم دے کر رخصت ہوئی کہ تا واپسی میرے خبردار باہر قدم نہ نکالنا۔ جب میں نے اقرار کیا تب وہ باہر نکلی۔ چند ہی قدم طے کئے ہونگے کہ دروازے سے ایک کہن سال عورت محل کے اندر آئی اور مجھ سے کہا کہ بیٹا تجھ کو زبیدہ خاتون نے یاد فرمایا ہے۔ میں نے معذرت کی کہ اپنی جگہ سے اُٹھ نہیں سکتا ہوں۔ قسم کھا چکا ہوں۔ لیکن اُس بڑھیا نے نہ مانا اور کہا کہ "بمقابلہ زبیدہ خاتون کی ناراضی کے کفارۂ یمین سہل ہے۔ غرضکہ مجبوراً میں اُس کے ساتھ ہو لیا۔

جب زبیدہ کے حضور میں پہنچا تو مجھے دیکھ کر فرمایا کہ نورالدین! تم ہی دنیا کے معشوق ہو"۔

میں نے عرض کیا کہ "حضور کا فرمانبردار غلام ہوں"۔ تب خاتون نے ارشاد فرمایا کہ "تمہارے حسن و جمال کی جیسی میں نے تعریف سُنی تھی ویسا ہی پاتی ہوں۔ اب

حاشیہ[1] جور ایک شہر کا نام ہے۔ جہان کا گلاب تمام دنیا میں مشہور ہے۔

مجھے کوئی چیز سناؤ۔ کیونکہ تم عود خوب بجاتے ہو۔" میں نے حکم کی تعمیل کی۔
میری عود نوازی سے حضرت زبیدہ بہت خوش ہوئیں رخصت کے وقت دعا دی کہ
"خدا تیرے قد وقامت اور خوبصورتی کو نظر بد سے بچائے۔ اور مجھے حکم دیا کہ دنیا کے
آنے کے قبل مکان پر پہنچ جاؤ۔ بڑھیا جو مجھکو مکان سے لائی تھی گھر تک پہنچا آئی۔
لیکن میرے آنے سے پہلے دنیا پہنچ چکی تھی۔ میں نے چاہا کہ تخت پر جاکر بیٹھ جاؤں وہاں
کیا دیکھتا ہوں کہ دنیا تخت پر سو رہی ہے۔ میں بھی اس کے قدموں کے برابر بیٹھ گیا۔ جب
اس نے مجھے بیٹھے دیکھا تو اپنے پاؤں سمیٹ لئے۔ اور ایک ایسی لات ماری کہ میں عرش
(تخت) سے فرش پر جا پڑا اور خفا ہو کر بولی کہ نورالدین! تو نے قسم توڑ ڈالی اور مجھے
جھوٹ بولا اور زبیدہ کے مکان پر پہنچا خدا گواہ ہے "اگر مجھے اپنی رسوائی کا خوف
نہ ہوتا تو قصر زبیدہ کو اسکے سر پر ڈھا دیتی"۔ پھر اپنے ایک غلام کو جس کا نام صواب
تھا بلایا اور حکم دیا کہ "اس جھوٹے کمینے کی گردن اڑا دے اب مجھے اس کی ضرورت
نہیں ہے"۔ صواب نے میری مشکیں کس لیں اور آنکھوں پر پٹی باندھ دی چاہتا تھا کہ قتل
کرے کہ اتنے میں محل کی سب چھوٹی بڑی لونڈیاں میری سفارش کرنے لگیں۔ اور دنیا سے
بمنت عرض کیا کہ "حضور نورالدین کا یہ پہلا گناہ ہے۔ سرکار کے مزاج سے یہ کچھ بھی واقف
نہیں تھا۔ اور آخر اس کا قصور ہی کیا تھا کہ قتل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کنیزوں کی سفارش سے
اس کا جنون کم ہوا۔ اور میرے قتل سے باز آئی اور کہا کہ "اچھا میں تو معاف کرتی ہوں۔
لیکن کوئی نشان ضرور ہونا چاہیئے جو یہ بھی یاد رکھے۔ چنانچہ پھر مجھکو داغا یہ نشانات اسکے

ہیں۔ اور گھر سے باہر نکال دیا میں دنیا کے گھر سے اس رسوائی کے ساتھ نکلا اور اپنے
اوپر ملامت کرتا تھا۔ بمشکل آہستہ آہستہ چل کر گھر تک پہنچا اور علاج شروع کیا۔ چند
روز میں آرام ہوگیا تو دوکان کی فکر ہوئی۔ اثاث البیت کو فروخت کرڈالا۔ زرنقد سے
چارسو غلام خرید لئے۔ اور تفریح کے لئے یہ کشتی تیار کی جس میں بیٹھ کر روزانہ سیر کرتا
ہوں۔ اور اپنا نام خلیفہ رکھا ہے۔ اور اس حال میں مجھکو ایک سال ہوگیا ہے۔ پھر اپنی
معشوقہ کو یاد کرکے رونے لگا۔ ہارون الرشید نے یہ واقعہ سنکر بہت ہی تعجب کیا۔ اور
جوان سے اجازت لے کر مکان کو واپس گیا۔ چونکہ نوجوان کی مہمانداری سے ہارون نہایت
خوش تھا اس لئے ارادہ کیا کہ اس مظلوم کا انصاف کردیا جائے۔ چنانچہ جعفر کو حکم دیا کہ
دربار میں اس نوجوان کو پیش کرو۔ جعفر نے نہایت اعزاز سے اس جوان کو پیش کیا۔ جب
خلیفہ کے حضور میں پیش کیا گیا تو شاہی قاعدے سے سلام کیا۔ اور دیر تک دعائیں
دیتا رہا۔ ہارون نے بیٹھنے کی اجازت دی اور کہا کہ نورالدین! میں چاہتا ہوں کہ تمہارا
افسانہ سنوں۔ کیونکہ وہ عجیب و دلکش داستان ہے۔ نوجوان نے عرض کیا کہ امیرالمومنین سے
معافی کا خواستگار ہوں۔ جب تک عفو قصور نہ ہوگا مجھے اطمینان نہ ہوگا۔ چنانچہ ہارون
نے اس کا قصور معاف کیا۔ اور امان دی۔ تب اس نوجوان نے اول سے آخر تک دوبارہ
اپنا حال سنایا جب ہارون کو یقین ہوگیا کہ واقعی یہ دنیا کا بندہ ہے۔ تب نوجوان سے
دریافت کیا کہ "اب بھی تم اپنی معشوقہ سے ملنا چاہتے ہو" عرض کیا کہ۔ ہاں امیرالمومنین
یہی تو احسان کا وقت ہے چنانچہ جعفر کو حکم دیا کہ نورم دنیا کو حاضر کرے۔ جعفر نے لاکر پیش

کیا۔ تب ہارون نے دنیا سے پوچھا کہ اس نوجوان کو پہچانتی ہو؟ جواب دیا کہ امیر المومنین! کیا عورتیں بھی مردوں کو پہچانتی ہیں؟ یہ جواب سنکر ہارون کو ہنسی آگئی اور کہا کہ میں خوب سن چکا ہوں۔ تب دنیا نے عرض کیا کہ "جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب میں امیر المومنین سے معافی کی خواستگار ہوں"۔ خلیفہ نے قصور معاف کر کے قاضی کو بلایا اور دوبارہ نورالدین علی کا دنیا سے عقد پڑھا دیا۔ چنانچہ نورالدین کی بقیہ زندگی ہارون الرشید کی مصاحبت میں نہایت عیش و عشرت سے گزری۔

علاوہ اس واقعہ کے مورخین نے اور بھی خلیفہ ہارون الرشید اور جعفر کے باہمی تعلقات اور اتحاد کی مثالیں لکھی ہیں جو بہ لحاظ طوالت نظر انداز کی جاتی ہیں۔ ان باہمی تعلقات کا اثر سلطنت اور ملک دونوں کے حق میں مفید ہوا۔ خلیفہ کو اپنے وزیر کے کل کاموں پر اعتبار تھا جس کا یہ نتیجہ تھا کہ جعفر بھی دل سے سلطنت کا خیر خواہ تھا ملک میں ہر طرف امن و انتظام تھا جعفر کے عہد وزارت میں ایک ایک گاؤں میں چشمے اور نہریں جاری تھیں۔ تجارت۔ اور زراعت دونوں میں روز افزوں ترقی تھی۔ بغاوتوں اور خانہ جنگیوں کا بازار سرد تھا۔ غرضکہ جعفر کا زمانہ ہر طرح سے قابل بہار کہا تھا۔ جعفر برمکی نے جس دل سوزی سے سلطنت کا کام انجام دیا۔ بہرحال وہ اس کا فرض منصبی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہارون الرشید کی اولاد کے ساتھ تعلیم و تربیت میں جو کوشش جعفر نے کی ہے۔ اس کے احسان سے ہارون کسی طرح سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ جعفر کے زمانہ وزارت میں مامون الرشید کی اتالیقی خاصکر قابل ذکر ہے۔

مامون الرشید کی اتالیقی

جس طرح سے امین الرشید نے فضل برمکی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی اور تعلیم و تربیت حاصل کی اسی طرح مامون الرشید جعفر برمکی کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ کسائی اور یزیدی جیسے مجتہد فن تعلیم پر پانچ برس کی عمر سے مقرر تھے اور عام اخلاق و عادات کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ لیکن پوری پوری تربیت جعفر کے سپرد تھی۔ اگرچہ باضابطہ اتالیقی ۱۸۲ھ ہجری میں ہوئی لیکن خاصکر بچپن ہی سے مامون پر جعفر کی توجہ تھی بمقابلہ دیگر خلفا اور شہزادگان عباسیہ کے جو علمی کمالات مامون الرشید نے حاصل کئے وہ حقیقت میں جعفر کی آغوش تربیت میں پلنے کا صدقہ تھا جس کا ثبوت خود مامون الرشید کے حالات ہیں۔

علمی حیثیت سے بھی جعفر نے یحییٰ برمکی سے کچھ کم نہیں کیا۔ بلکہ ممالک اسلامیہ میں جس قدر فضل و کمال کا رواج ہوا وہ جعفر کی سرپرستی کا بدیہی نتیجہ تھا۔

جعفر کا فضل و کمال۔ ذوق علمی۔ اہل علم کی قدردانی۔ علوم کی اشاعت مناظرہ۔ علمی مجلسیں۔ اور حکیمانہ اقوال

فضل و کمال

اگرچہ جعفر کے روزانہ اوقات۔ ملکی مہمات۔ اور خدمات وزارت میں صرف ہوتے تھے۔ تاہم یہ فرائض اس کے ذوق علمی کے ماتحت تھے۔ عراق۔ حجاز۔ شام۔ جیسی وسیع سلطنت کے انتظام سے جو وقت دم لینے کو ملتا تھا وہ مذاکرۂ علمیہ میں صرف ہوتا تھا۔ اسلامی علوم جن میں کمال کی ضرورت تھی وہ

بچپن میں حاصل ہو چکے تھے۔ اب خاص خاص علوم کی مشق کا زمانہ تھا۔ چنانچہ شاعری فلسفہ۔ نجوم۔ پر اس وقت جعفر کی طبیعت مائل تھی اور انھیں علوم سے خاص دلچسپی تھی۔ علما اور شعرا سے جو مباحثے ہوتے وہ اسی قسم کے ہوتے تھے۔ بیت الحکمۃ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ فنون حکمت کی تصنیفات اور ترجمے پر خود سلطنت اور علما کا رجحان تھا۔ چنانچہ جعفر کو بھی فلسفے سے خاص رغبت تھی اور اس ذوق میں یحیی برمکی سے کچھ کم نہ تھا۔ چنانچہ اسی فلسفہ پسندی نے یحیی و جعفر کو زندقہ سے منسوب کر دیا تھا۔ چنانچہ اصمعیؒ کا یہ قول مشہور ہے۔

اذا ذکر الشرک فی مجلس	جب کسی مجلس میں شرک کا مذکور چلتا ہے۔
اضاءت وجوہ بنی برمک	تو برمکیوں کا چہرہ چمک اٹھتا ہے۔
وان تلیت عندھم آیۃ	لیکن ان کے سامنے کوئی آیت پڑھی جائے۔
اتوا بالاحادیث عن مزدک	تو وہ مزدک[2] کی حکایتیں بیان کرنے لگتے ہیں۔

حاشیہ [1] کتاب المعارف ابن قتیبہ دینوری مطبوعہ مصر صفحہ ۱۳۰۔ [2] عجم میں سب سے پہلے جس نے یہ مذہب جاری کیا وہ موبدان مزدک تھا۔ ملک قباد بن فیروز پدر نوشیروان کے زمانے میں اس نے خروج کیا۔ سب سے بڑی آرزو اس کی یہ تھی کہ گبروں سے مذہب آتش پرستی مٹا دیوے۔ مزدک علم نجوم میں علامہ عصر تھا۔ اور اس کو معلوم تھا کہ عنقریب ایک ایسا شخص عرب میں پیدا ہونے والا ہے جو گبر۔ یہود ترسا اور بت پرستوں کے مذہب کو دنیا سے مٹا دیگا اور قیامت تک اس کا مذہب جاری رہے گا اس لئے اس نے یہ کوشش کی کہ وہ شخص میں ہی کیوں نہ بن جاؤں۔ چنانچہ اپنے خیال کے موافق اس نے دعوت دینا شروع کیا اور یہ اعلان کیا کہ لوگوں نے ژند۔ اوستا کے معنے بھلا دیئے ہیں اس لئے میں مذہب زردشت کو تازہ کرنے آیا ہوں۔ اور اپنا معجزہ یہ قرار دیا تھا کہ آگ میری پیغمبری

قریب قریب بہی کمال شاعری اور نجوم میں تھا۔ چنانچہ ابن الندیم نے طبقۂ شعرا میں جعفر کو جداگانہ شمار کیا ہے۔ چونکہ خود مجتہد فن تھا اس وجہ سے شعرا کی قدر کرتا اور فیاضیوں سے ان کے حوصلے بڑھاتا تھا جس کے سبب سے علمی اشاعت کا ذوق وشوق سرگرم طبیعتوں میں حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔ اور علم کلام کے متعلق جعفر برمکی نے جو علماء کی قدردانیاں کی ہیں اور جس طرح اس علم کی اشاعت کی ہے وہ اس کے عہد کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ہے۔ چنانچہ واقعات ذیل سے جعفر کی علمی فیاضی۔ ذوق علمی۔ اور اہل علم کی قدردانی بہت کچھ ثابت ہوتی ہے +

اہل علم کی قدردانی علامہ اصمعی کا قول ہے کہ میں نے تمام علوم کے حصول میں سخت مشقت کی لیکن لغت۔ تاریخ۔ انساب۔ اور اشعار عرب میں خصوصاً کمال حاصل کیا تھا۔ چنانچہ خلفاے عباسیہ کی قدردانی سنکر بصرہ سے بغداد پہنچا۔ خلیفہ

بقیہ حاشیہ ۲۲۲ پر گواہی دیتی ہے۔ چنانچہ جب اپنی حکمت عملی سے آتش خانہ سے مزدک نے شہادت دلوادی تو ملک قباد مرید ہوگیا۔ اور شاہی اثر سے یہ گروہ بہت بڑھ گیا۔ اس مذہب میں بیس مہمانوں کے واسطے صرف میزبان کی عورت خواہشات نفسانی پورا کرنے کے واسطے کافی تھی۔ علیٰ ہذا القیاس ہزاروں مسئلے تھے۔ لیکن نوشیرواں نے چونکہ مزدک کا فریب سمجھ لیا تھا اس لئے اُس نے باپ سے کہا کہ اگر مزدک کی پیغمبری پر۔ پانی۔ ہوا۔ اور مٹی بھی گواہی دے تب میں قائل ہونگا۔ لیکن مزدک ان عناصر سے گواہی نہ دلوا سکا۔ اور نوشیرواں نے ملک قباد کو آتش خانہ کا فریب بھی سمجھا دیا۔ تب مزدک کنوئیں میں گراکر مارڈالا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد خرمہ بنت فادہ زوجہ مزدک نے مدائن سے بھاگ کر رے میں یہ مذہب جاری کیا۔ مزدک کے تفصیلی حالات کے لئے دیکھو ہماری کتاب نظام الملک طوسی +

[1] کتاب الفرج بعد الشدت باب ۰۰ صفحہ ۳۰۰۔ وعقد الفرید صفحہ ۱۰۰ جلد ۳

[2] ابو سعید عبدالملک بن علی بن اصمع مشہور بہ اصمعی بصری۔ لغت۔ نحو۔ اخبار۔ نوادرات کا امام ہے ۱۲۳ھ ہجری میں پیدا ہوا۔ ۲۱۶ھ ہجری میں فوت ہوگیا۔ عربی علم لغت ایک خمس اسی کی روایت سے مدون ہوا ہے۔ بلا کا ذہین تھا۔ علاوہ متفرق مضمون ۸۳۱ ۶

ہارون الرشید اس وقت سلطنت پر حکمران تھا۔ شرکت دربار کی آرزو میں آستانۂ خلافت پر روزانہ حاضر رہتا تھا اور دربان و پاسبانوں کو قصہ کہانی سنا سنا کر دوست بنا لیا تھا اور اس امید میں رہا کرتا تھا کہ دیکھئے کس دن اقبال کا سورج اپنی روشنی پھیلاتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ مدتوں اسی امیدواری میں گزری۔ محنت شاقہ سے بسا اوقات جی گھبرا اُٹھتا تھا۔ کہ وطن کو واپس جاؤں لیکن بدرجۂ مجبوری چند روز تک اور صبر کیا۔ معمول کے موافق ایک رات کو آستانۂ خلافت پر موجود تھا۔ کہ حاجب نے آکر دریافت کیا "کوئی شخص اسوقت حاضر ہے جو شاعر ہو اور فنِ شعر کو اچھی طرح جانتا ہو" میں نے یہ آواز سنکر (اپنے دل میں) کہا۔ اللہ اکبر مصیبت سے نکلنے کا وقت آن پہنچا۔ اگر تقدیر نے یاوری کی اور خلیفہ کو میرا کلام پسند آگیا۔ تو پھر کیا پوچھنا ہے؛ اور حاجب سے کہا کہ میں عمدہ اشعار جانتا ہوں" چنانچہ حاجب نے مجھے ساتھ لے لیا۔ اور مبارکباد دے کر کہا کہ "اگر خلیفہ کو تمہارا کلام پسند آگیا تو پھر مالامال ہو جاؤ گے اور یہ مصائب دور ہو جائینگے" اور دربار شاہی میں لے جا کر ایک ایسے موقع پر کھڑا کر دیا جہاں سے میں خلیفہ کو بخوبی دیکھ سکتا تھا اور سلام کر سکتا تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید ایک مسند پر جلوہ گر تھا۔ اور اس کا نورانی چہرہ مثل بدر کے چمک رہا تھا۔ اور پہلو میں وزیر اعظم جعفر برمکی بیٹھا تھا۔ خادم اپنے اپنے قرینے سے کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے بھی خلیفہ کو سلام کیا۔ جواب سلام کا دے کر ارشاد فرمایا کہ اگر دربار کی ہیبت تم پر

بقیہ حاشیہ ۲۲۳ کے اشعار میں صرف رجز کے بارہ ہزار شعر یاد تھے۔ تصنیفات میں سے دس مفید کتابوں کی فہرست ابن خلکان میں درج ہے۔ تذکرۂ شعرائے عرب صفحہ ۱۰۴۔

چھا گئی ہو تو تھوڑی دیر علٰحدہ بیٹھو تاکہ خوف زائل ہوجائے۔ پھر ہمارے حضور میں آؤ
تاکہ بات چیت کرسکو"۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر توقف کرتا ہوں تو مناسب نہیں
ہے۔ کیا عجب ہے کہ تھوڑی دیر میں یہ مجلس برخاست ہوجائے۔ اور پھر مجھ کو ایسا موقع نہ
ملے۔ اسلئے فوراً ہی عرض کیا کہ" امیرالمومنین کی فیاضی کی روشنی نے میرے دل کی
وحشت کو دور کردیا ہے۔ مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ جو حکم ہو اُس کی تعمیل کروں۔ یا
اجازت ہو تو میں خود ہی ابتدا کروں"۔ میرا یہ برجستہ جواب سُنکر ہارون الرشید ہنسنے لگا اور
جعفر کی طرف دیکھ کر کہا "سالی کہ نکوست از بہارش پیداست" یہ شخص اپنے فن میں کامل معلوم
ہوتا ہے چنانچہ وزیر نے بھی تائید کی اور کہا کہ" امیرالمومنین یہ شخص آپ کی فیاضیوں سے
ضرور فائدہ اُٹھائیگا" پھر خلیفہ نے پوچھا کہ" تم شاعر ہو یا راوی" میں نے عرض کیا
کہ راوی۔ پھر پوچھا کہ کِس سے روایت کرتے ہو"۔ میں نے جواب دیا کہ" جس قدر اہل
فن گزرے ہیں اور جن کے کلام میں شیرینی ہے" یہ جواب سنکر کہا کہ اچھا بتاؤ "انصف
القارۃ من راماھا" اس مثل کے کیا معنے ہیں میں نے عرض کیا کہ" اس میں دو قول
ہیں ایک یہ کہ قارہ ایک قبیلہ کا نام ہے جس کی تیراندازی مشہور ہے اور جو ٹھیک آنکھوں
پر تیر مارتے تھے اور رُماۃ الحدق کہلاتے تھے۔ یہ قبیلہ ملوک یمن کے عہد میں تھا اور جنکے
اعزاز کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ کے ہم پہلو بیٹھا کرتے تھے۔ اور سلطانی موکب میں یہی لوگ
سب سے آگے ہوتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے میدان کارزار میں نعرہ
پکارا "این رماۃ الحدق" یعنے وہ تیرانداز کہاں ہیں اس وقت بادشاہ نے اُن بہادروں

ملہ عقد الفرید میں رماۃ الحرب لکھا ہے۔

سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔ "انصف القارة من راماہا" دوسرا قول یہ ہے کہ قارہ پہاڑ کی چوٹی۔ اور اس جگہ کو کہتے ہیں جو سطح زمین سے اونچی ہو۔ قائل کی یہ مراد ہے کہ جو لوگ حلم و ثبات اور شان میں بلند ہیں وہ اس سے آمادہ پیکار ہوں"۔ ہارون یہ جواب سنکر خوش ہوا اور کہا کہ خوب بتلایا۔ پھر کہا کہ کچھ عجاج کا کلام بھی یاد ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بہت کچھ۔ کہا اچھا وہ قصیدہ پڑھو جس کی ابتدا ہے "طارقا ہم طارقا" میں نے پڑھنا شروع کیا جب اس موقع پر پہنچا جہاں بنی امیہ کی مدح تھی تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور جہاں سے منصور کی مدح تھی وہاں سے پڑھنے لگا۔ تو ہارون نے پوچھا کہ بنی امیہ کی مدح کے اشعار قصداً چھوڑ دیئے ہیں یا سہواً میں نے عرض کیا کہ قصداً۔ کیونکہ جس قدر جھوٹ کا حصہ تھا وہ ان کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اور جو حصہ سچائی کا ہے وہ عرض کرتا ہوں میرا یہ جواب سنکر جعفر پھڑک اٹھا اور کہا احسنت بارک اللہ علیک۔ بعد ختم اس قصیدے کے حکم دیا کہ عدی بن رقاع کا وہ قصیدہ پڑھو جو ولید بن یزید بن عبدالملک کی مدح میں ہے۔ اور جس کا مطلع ہے عرف الدیار توھما فاعتادھا۔ چنانچہ میں نے تیزی اور بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا۔ جعفر نے کہا کہ ہلکے ہلکے پڑھو تاکہ انعام سے محروم نہ لوٹو۔ ہارون الرشید نے جعفر کی طرف دیکھ کر کہا کہ "اب تو صلہ دینا مجھے لازم ہو گیا ہے لیکن آپ کو بھی میری فیاضی میں شریک ہونا پڑے گا۔ یہ گفتگو سنکر مجھے نہایت مسرت ہوئی اور عرض کیا کہ آج مجھے عرب و عجم پر فخر کرنے کا موقع ملا ہے کیونکہ خلیفہ اور وزیر دونوں فیاضی میں ایک دوسرے کے

حاشیہ سلہ جو شخص قارہ سے تیر کی لڑائی لڑے گا اس کا انصاف کیا جائیگا۔

شریک ہیں یہ جملہ سنکر ہارون الرشید ہنس پڑا۔ اور کہا کہ اچھا اب ذوالرمہ کا قصیدہ پڑھو جس کا مطلع ہے " آمِنْ حذر الھجران قلبك مطلم " میں نے کہا امیرالمؤمنین یہ تو اسکے اشعار کی عروس ہے۔ کہا اگر یہ عروس ہے تو اُمرو اماد کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ وہ قصیدہ جس کا مطلع ہے۔ ما بال عینك منھا الماء ینسك " حکم ہوا کہ اچھا یہی سناؤ۔ جب میں اُس موقع پر پہنچا جہاں اونٹ کی تعریف تھی تو جعفر ناخوش ہوکر بولا کہ شاید دنیا میں اور کوئی مضمون اب نہیں رہا ہے کہ ہم اپنی قیمتی رات خارشتی اونٹ کے اوصاف سُننے سنانے میں بسر کردیں۔ جعفر کے اس فقرے سے ہارون کو غصہ آگیا اور تیور بدل کر کہنے لگا " بس۔ خاموش یہ وہی اونٹ ہے کہ جس نے تمہارے بادشاہوں کے (سلاطین عجم مراد ہیں) سر سے تاج اُتار کر پھینک دیا اور تخت سلطنت سے زمین پر ڈال دیا۔ اور بعد مرنے کے اُس کی کھال کے تازیانے بنائے گئے کہ جن سے تجھے اور تیری قوم کو مثل غلاموں کے سزا دیجاتی ہے " یہ سُنکر جعفر نے کہا کہ " مجھے بھی بے گناہ سزا دیجئی ہے۔ لیکن خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ ہارون الرشید نے کہا کہ " یہ دوسری غلطی ہے۔ الحمدللہ کہنے کا یہ کیا موقع تھا۔ ایسی کیا نعمت ملی تھی۔ جس کا شکریہ ادا کیا گیا؟" خیر دو ایک باتوں میں یہ معاملہ رفع ہوگیا۔ باقی رات قصہ گوئی میں کٹی جب سپیدۂ صبح قریب ہوا تو ہارون الرشید نے اصمعی سے کہا میرے یہاں ایک مہمان ٹھیرا ہوا ہے اب اُس کے پاس چل کر قصص و حکایات بیان کرو چنانچہ خادم نے جوتیاں سامنے لاکر رکھ دیں لیکن پہنتے وقت پاؤں میں کوئی چیز چبھ گئی تو خلیفہ خادم پر ناراض ہونے لگا۔ جعفر نے کہا کہ امیرالمؤمنین خدا کی قسم اگر آپ ہمارے ملک کی بنی ہوئی جوتی پہنتے تو ایسی تکلیف

نہ ہوتی۔ خلیفہ نے جھلا کر کہا کہ تم بار بار عجم کی مدح اور عرب کی ہجو کرتے ہو لیکن یاد رکھو کہ میں کبھی بند نہ ہونگا اور تمہاری ہر بات کا جواب دونگا" پھر جعفر کو حکم دیا کہ تیس ہزار درہم میری طرف سے اور اسی قدر خود اضافہ کر کے اصمعی کے پاس علے الصباح بھیج دینا۔ جعفر نے کہا کہ اگر امیرالمومنین کی مجلس نہ ہوتی تو ضرور میں اس قدر دیتا لیکن اس مجلس میں خلیفہ کی برابری کرنا داخل بے ادبی ہے لیکن میں انتیس ہزار درہم دیتا ہوں" چنانچہ صبح کی نماز سے ہنوز فراغت نہیں ہوئی تھی کہ دونوں عطیے میرے پاس پہنچ گئے۔ اور اُس روز سے دربار کا داخلہ میسر ہو گیا اور ایک دن کے صلہ و انعام سے میری حالت درست ہو گئی اور جعفر برمکی میرے حال پر خاص طور پر مہربانی کرنے لگا۔

(۲) عورات برامکہ کی علمی قدردانی

ابو سلم ولید انصاری جس کو مریع الغوانی کہتے ہیں یہ برامکہ کا مشہور شاعر ہے وہ کہتا ہے کہ جب یزید شیبانی کا زمانہ بگڑ گیا۔ تب میں محتاج ہو گیا۔ اور حالت بینوائی میں بغداد پہنچکر ایک کنیز کا مہمان ہوا جس کا نام سکینہ تھا۔ یہ کنیز نہایت سلیقہ شعار تھی اور تمام امرا کے محلات میں آیا جایا کرتی تھی ایک روز فاطمہ ملقب بہ عتبہ ام جعفر برمکی کی والدہ کی خدمت میں حاضر تھی کہ کسی کنیز نے ایک غزل چھیڑی ایک دو بیت فاطمہ نے بھی سُن لیئے۔ چونکہ مضمون عالی تھا۔ الفاظ فصیحت کی سُنکر بہت خوش ہوئی۔ سکینہ سے پوچھا یہ کس کا کلام ہے؟ اُس نے کہا کہ حضور یہ غزل مریع الغوانی کی ہے۔ اور یہ مشہور شاعر اتفاق روزگار سے محتاج ہو کر

حاشیہ لے عہد خلفاء عباسیہ میں تیار ہوا علاء مدح کا تھا اسکا شعر بھی شعرا برامکہ میں گزرا چاہیے اسکا دیوان لیڈن (ہالینڈ) سے چھپکر شائع ہوا ہے

ان دنوں میرا ہی مہمان ہے۔ یہ سُنکر عتابہ نے دس ہزار درہم سکینہ کو دیے اور کہا میری طرف سے یہ حقیر ہدیہ اُس کو دینا۔ اور کہدینا کہ اگر تیجئے اور جعفر کو تمہاری اطلاع ہوئی تو وہ بھی امداد کریں گے۔" چنانچہ اس عطیے سے میں نے اپنی حالت درست کی اور درباری لباس مرتب کیا۔ اور سہیل بن عبداللہ کے ہمراہ دربار وزارت میں جانے کی تیاری کی۔ اتفاقاً راستے میں ایک موقوف شدہ عامل سے ملاقات ہوئی۔ وہ میرا قدیم ملنے والا تھا۔ دیکھتے ہی کہا کہ" اگر جعفر برمکی کی مدح میں چند شعر کہو اور مجھے عہدے پر بحال کرا دو تو پانچ ہزار درہم شکرانہ میں ادا کرونگا" میں نے اقرار کرلیا اور چند مدحیہ اشعار لکھے جن کا مضمون مطابق اس حدیث نبوی کے تھا کہ اطلبوا الحاجات عند حسان الوجوہ یعنی حاجت برآری اچھے ہی لوگوں سے ہوا کرتی ہے اور دربار میں پہنچکر وہی اشعار میں نے نذرانہ میں جعفر کو پیش کئے اُس سے قبل مجھے جعفر نے نہیں دیکھا تھا لیکن اشعار پڑھتے ہی بولا کہ صریع الغوانی تیرا ہی نام ہے میں نے عرض کیا"ہاں" یہی خادم ہے چنانچہ فوراً بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر پوچھا کہ خاص مطلب کیا ہے میں نے اُس عامل کی سفارش کی۔ چنانچہ فوراً درخواست منظور ہوئی جب دیوان عام سے اٹھ گیا تو مجھے بھی مجلس خاص میں طلب کیا۔ منتخب احباب کا مجمع تھا مجلس کی ستھرائی اور آراستگی کا کیا کہنا ہے شاید کسریٰ اور قیصر کو ایسی مجلس میسر ہوئی ہو دوسروں کا تو کیا ذکر ہے۔ وہ رنگ دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔ چونکہ بے تکلف دوستوں کا مجمع تھا اس لئے ساز چھیڑا گیا اور دور شراب چلنے لگا جعفر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اپنا کلام سناؤ" میں نے حسب حال پڑھنا شروع کیا۔ چند ہی بیت پڑھے تھے کہ چاروں طرف سے نعرۂ تحسین بلند ہونے لگا۔ اس لطف صحبت

کے ساتھ دور برابر جاری تھا۔ جب ساقی مجھ تک پہنچا میں نے عرض کیا کہ "معافی چاہتا ہوں کیونکہ میں نے آج تک پی ہی نہیں ہے" یہ جعفر نے کہا "خوب۔ شراب کی تعریف میں سامری کھلانا اسکے خواص اور اندرونی اثرات کا بیان کرنا کیونکر ممکن ہے۔ جبتک کہ وہ منہ نہ لگائی گئی ہو۔ کچھ ہی ہو آج تو ایک گلاس پینا پڑیگا۔ چنانچہ جعفر کے اصرار سے طوعاً و کرہاً ایک ساغر چڑھا گیا۔ میرے اس فعل سے جعفر کو نہایت شرمندگی ہوئی اور کہا کہ "ابو مسلم میں تمہارے حسن ادب سے خوش ہوا اس کا صلہ ملیگا"۔ جب سب لوگ چلے گئے صرف جعفر اور میں باقی رہ گیا اس وقت جعفر نے کہا اب تم کو ایک کنیز دکھلاتا ہوں جس کی مثال نہیں ہے اور ایسی راگنیاں سنواتا ہوں جو تم نے کبھی نہ سنی ہونگی۔ چنانچہ ایک کنیز کو طلب کیا جس وقت وہ میرے سامنے آئی تو یہ معلوم ہوا کہ گویا سورج نکل آیا۔ اس کے حسن کا یہ عالم تھا کہ شعرا دیوان کے دیوان مدح میں لکھ ڈالیں تاہم اس کے حسن کی تعریف ختم نہ ہو سکے۔ جعفر نے حکم دیا کہ بربط پر کوئی عمدہ غزل سناؤ۔ اس کنیز نے اس کمال سے بربط بجایا کہ جعفر بے خود ہو گیا اس پر خوبی قسمت سے یہ طرہ ہوا کہ یہ غزل بھی میری ہی تھی۔ جب جعفر کو ہوش آیا تو پوچھا کہ یہ کس کی غزل تھی میں نے عرض کیا کہ بندہ صریع الغوانی کی۔ لیکن اس کی راگنیوں نے مجھے بھی بیچین کر دیا تھا اس لئے جعفر نے حکم دیا کہ مسلم اس کنیز کو دختر کہہ کر پکارو تاکہ تمہیں اس کا دیکھنا مباح ہو جائے۔ میں نے حکم کی تعمیل کی تب وہ مجھ سے ہم کلام ہوئی میں اس کی طباعی اور ذہانت کی تعریف نہیں کر سکتا ہوں کیونکہ اس نے ایک تھوڑی دیر میں میری بہت سی غزلیں یاد کر لیں اور اس غزل کو جس پر جعفر کو غشی کی نوبت

پہنچی تھی۔ کمال موسیقی سے سوطرز پر گایا۔ لیکن اتفاق سے اس غزل میں صرف چار ہی بیت تھیں۔ جعفر نے خوش ہو کر حکم دیا کہ "صریع الغوانی کو اس غزل کا صلہ چار سو دینار دیا جائے۔ یہ حکم سنکر مجھے اپنی تقدیر پر افسوس آیا کہ کاش یہ غزل طولانی ہوتی۔ جب مجھے انعام مل چکا تو کنیز نے عرض کیا کہ اے وزیر عالم پناہ! شاعر کو چار سو دینار اس غزل کا صلہ دیا گیا اور جس نے ان اشعار کو سو طرح پر سنایا۔ اس کو بھی اسی قاعدے کے مطابق صلہ ملنا چاہئے"!

چنانچہ جب مجھے انعام مل چکا تو میں رخصت ہوا۔ چلتے وقت کنیز نے کہا کہ اگر حکم ہو تو میں بھی اپنے باپ کی خدمت کروں۔ جعفر نے کہا کہ مناسب ہے۔ چنانچہ اس کنیز نے ایک ڈبہ گرانبہا جواہرات کا اور قیمتی لباس۔ اور ایک خوب صورت لونڈی پیش کی۔ میں نے یہ تحفے لیا اور رخصت ہوا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اس کنیز کا نام ریحان تھا۔ چنانچہ میں نے بھی ریحان کو عمدہ تعلیم دی۔ اور نہایت عمدہ اشعار اس کو یاد کرائے۔ پھر تو اس کا یہ حال تھا۔ کہ نہایت عمدہ شعر کہنے لگی۔ اور مجھ سے بہت کچھ سلوک کیا۔ چنانچہ علاوہ عطیات جعفر کے میں نے حساب کیا تو دو سو قیمتی جوڑے ۲۳ ہزار مثقال چاندی۔ ۱۰ دانہ مروارید گرانمایہ اور ایک ڈبہ قیمتی جواہرات کا ریحان سے وصول ہوا تھا۔

فصاحت و بلاغت خاندان برامکہ کی فصاحت و بلاغت عموماً تمام مورخوں کو تسلیم ہے لیکن جعفر برمکی کی خوش بیانی اور برجستہ گوئی کا مؤرخین نے خصوصاً اعتراف کیا ہے۔ ثمامہ بن اشرس کا قول ہے کہ میں نے جعفر برمکی اور

حاشیہ ۱ تاریخ الخلفاء سیوطی۔

مامون الرشید سے زیادہ فصیح کسی اور کو نہیں دیکھا۔ اور علامہ حصرؔی نے زہر الاداب میں اس روایت کو ان لفظوں میں لکھا ہے کہ جعفر برمکی وقت تقریر کے کسی موقع پر نہ رکتا تھا نہ سلسلۂ کلام میں الفاظ و معنے کی تکرار ہوتی تھی۔ لغو اور فضول باتوں کا تو کیا ذکر ہے۔ جس فن پر گفتگو کرتا تھا جب تک اس کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے دوسرے پہلو پر بحث نہ کرتا تھا اور ایک گفتگو کے بعد جب دوسری شروع کرتا تو پچھلی تقریر پہلی سے زیادہ مؤثر اور دل کش ہوتی تھی۔ غمگین کو ہنسا دینا۔ عابد و زاہد کے دل پر قبضہ کر لینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اعلےٰ درجے کے اشعار۔ نوادرات۔ ضرب المثل۔ قصص و حکایات میں اس کی معلومات انتہائی درجے پر تھی۔ باوجود اس کے فصاحت کا ابر برستا رہتا تھا۔ اور سہل[۱] بن ہارون کا قول ہے کہ اگر کلام کو موتی اور گفتگو کو جوہر فرض کیا جائے تو خدا کی قسم یحییٰ و جعفر برمکی کا کلام ہے میں نے اس زمانے کے بڑے بڑے شیوا بیان لوگوں کو دیکھا ہے وہ سب اس کے قائل تھے کہ بلاغت کی تکمیل انہیں دونوں سے ہوئی ہے اور انھیں پر اسکا خاتمہ ہو گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دنیا ان کے عہد زندگی پر فخر کرے تو کچھ نازیبا نہیں ہے۔" اور اسی فصاحت و بلاغت کا اثر تھا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے امین و مامون کو قبائل عرب میں نہیں بھیجا بلکہ فضل و جعفر کے سپرد کر دیا تھا۔ جن کی تعلیم سے ان کی فصاحت آج تک ضرب المثل ہے۔ ابو عثمان عمرو جاحظ[۲] لکھتا ہے کہ جعفر برمکی جب کسی مضمون

سلے صفحہ ۲۰۵۔ حاشیہ عقد الفرید جلد ۱ سلے صفحہ ۱۱ جلد ۳ و صفحہ ۳۰۵ جلد اول عقد الفرید ۴ سلے اکرام الناس۔ ابو عثمان عمر بن بحر بن محبوب الجاحظ بصری علمائے ادب میں بہت بڑا فصیح و بلیغ گزرا ہے ابو اسحاق نظام معتزلی کا شاگرد تھا۔

پر گفتگو کرتا تھا تو کسی عالم کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ اس کے مقابلے میں لم ولانسلم کہہ سکے بلکہ محویت ہو جاتی تھی اور نہایت خاموشی سے اس کی تقریر سنا کرتے تھے۔

جعفر برمکی کے توقیعات۔ اور خطبے اگرچہ کمیاب ہیں۔ لیکن اس کے بعض اقوال جو کتب ادب میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے ہر ہر فقرے سے شستہ بیانی کی شہادت ملتی ہے۔ ایک موقع پر کسی نے ایک عامل کی شکایت میں ایک درخواست پیش کی اس پر جو حکم لکھا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔

قد کثر شاکوك وقل شاکروك	تیرے شاکی بہت ہیں اور شکر گزار کم۔
فاما اعتدلت واما اعتزلت	یا تو اعتدال اختیار کر یا الگ ہو جا

ثمامہ[۲۴۵] کا قول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے جعفر برمکی سے سوال کیا کہ بیان کی کیا تعریف ہے اسکے جواب میں کہا

بقیہ حاشیہ ۲۳۲ - اور خود بھی ائمہ معتزلہ میں تھا۔ اس کے مفید تصنیفات میں سے کتاب البیان والتبیین نہایت مشہور ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ اول درجہ کا بدشکل تھا۔ اور اس کی آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ جس کو دیکھ کر لڑکے سہم جاتے تھے۔ آخر عمر میں مفلوج ہو گیا تھا۔ ۹۰ سال کی عمر میں بمقام بصرہ ۲۵۵ہجری میں فوت ہوا۔ ایام مرض میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

اترجو ان تکون وانت شیخ	جیسا تو عالم شباب میں تھا کیا پیری میں بھی ویسا ہی
کما قد کنت ایام الشباب	ہونے کی امید رکھتا ہے۔
لقد کذبتك نفسك لیس ثوب	تیرے نفس نے اب تجھکو فریب دیا ہے اور یہ ظاہر ہے
خلیق کالجدید من الثیاب	کہ پرانا کپڑا نئے کے برابر نہیں ہوتا ہے۔

(نزہۃ الالبا صفحہ ۲۵۵) سلہ ابن خلکان صفحہ ۱۳۰ سلہ کامل اثیر نے جو الفاظ لکھے ہیں اس پر علامہ مصری نے لکھا

ان یکون الاسم محیطا بمعناک مخبرا عن مغزاک مخرجا من الشرکۃ غیر مستعان علیہ بالفکرۃ ۔	لفظ مطلب پر احاطہ کرے اور مقصود کو بتا دے۔ اور دوسرے پہلو کا احتمال نہ رہنے دے اور تفکر سے اعانت نہ لی گئی ہو۔ (لیسنے آورد نہو)

کتابت علم انشا اور کتابت میں بھی جعفر برمکی عمر بن[1] مسعدہ وغیرہ سے بڑھکر تھا تمام فرامین احکام۔ توقیعات۔ سلطنتہائے غیر کے معاہدے اپنے قلم سے لکھتا تھا۔ اور اس فن میں اس قدر کمال بہم پہنچایا تھا کہ جعفر برمکی کے عام توقیعات بازاروں میں ایک ایک اشرفی کو بکتی تھیں اور فن انشا کے شائق بڑے شوق سے مول لیتے تھے۔ چونکہ خود اہل فن تھا اس وجہ سے کتاب اور خوشنویسوں کی عزت افزائی کرتا تھا۔ اور انکے کمال کا معترف ہوتا تھا۔ ایک عمدہ تحریر دیکھ کر جعفر بہت خوش ہوا چنانچہ اس کا یہ قول[2] مشہور ہے۔

الخط خیط الحکمۃ ینظم فیہ منثورھا ویفصل فیہ شذورھا	خط حکمت کا دھاگا ہے جس میں حکمت کے بکھرے ہوئے موتی گوندھے جاتے ہیں اور اس سے ریزہ ریزہ دانے ممتاز رہتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ ۲۳۳ زہر الآداب نے اس قدر اور اضافہ کیا ہے ویکون سلیما من التکلف بعیدا من الصنعۃ۔ بریا من التعقید غنیا من التاویل صفحہ ۱۰۰ حاشیہ عقد الفرید جلد اول

[1] عمرو بن مسعدہ المتوفی ۲۱۷ھ ہجری فن کتابت میں بے مثل و یگانۂ روزگار تسلیم کیا گیا ہے اس کی یہ صفت تمام فاضلوں کو تسلیم ہے کہ بڑے سے بڑے مضمون کو مختصر الفاظ میں اس خوبی سے ادا کرتا تھا کہ مضمون کا اصلی اثر اور زور پورا قائم رہتا تھا۔ امون الرشید کا کاتب تھا۔ زہر الآداب میں جابجا اس کے علم انشا کے نمونے لکھے ہیں۔ لیکن جعفر برمکی عمرو کی تحریروں کو اکثر مہمات دیا کرتا تھا۔ اور بطور ہدایت کے اسی کاغذ کی پشت پر لکھ دیا کرتا تھا۔ چنانچہ عمرو نے جو خط عمرو تہ الخوری کے نام لکھا تھا اسکو پڑھکر جعفر نے یہ الفاظ لکھ دئے تھے اذا کان الاکثار ابلغ۔ کان الایجاز مقصرا واذا کان الایجاز کافیا کان الاکثار عیّنا۔ زہر الآداب حاشیہ عقد الفرید صفحہ ۱۶۰ جلد ۲ [2] الاسرار حصہ دوم صفحہ ۱۵ [۵] شریسی جلد صفحہ ۲۰۰ اور کامل اثیر میں بھی لکھا ہے مگر اسکے یہ الفاظ ہیں الخط سمط الحکمۃ بہ تفصل شذورہا۔ وینتظم منثورہا جلد ۶ صفحہ

اور اپنے کتاب[1] کو ہمیشہ یہ نصیحت کیا کرتا کہ " اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا کل کلام توقیع کے درجہ پر پہنچ جاوے تو ابتدا ہی سے ایسی کوشش کرو " اور اس سے بڑھ کر فن کتابت کا کمال اُس تحریر سے معلوم ہوتا ہے جو جعفر نے اپنے پیر منشی محمد بن اللیث کے نام لکھی تھی لہذا اسکے چند فقرے ہم بھی نقل کرتے ہیں جس سے جعفر کے علم انشا اور کتابت کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ تحریر حقیقت میں محمد بن اللیث کے اُس خط کا جواب ہے جس میں اُس نے جعفر سے پوچھا تھا کہ خط کی پاکیزگی کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں۔

اما بعد فلیکن قلمك محرفا لا مستینا ولا رقیقا
ضیق القلب فابره بریا مستویا کمنقار الحمامة
اعطف لطنه ورقق شفرتیه ولیکن
مدادك فارسیا خفیفا اذا وزنته فانقعه
لیلة ثم صفه فی الدواة ولیکن قرطاسك
رقیقا مستوی النسج مخرج السحاة مستویا
من احدی الطرفین الی آخره فلیست تستقیم
السطور الا فیما کان کذلك ولیکن اکثر
مطك فی اطراف القرطاس الذی فیه
بیاضك واقله فی الوسط ولا تمط

حمد و نعت کے بعد معلوم ہو کہ اول تو قلم ایسا بنانا چاہئے جو ترچھا ہو لیکن زیادہ سخت اور نازک نہ ہو شگاف تنگ ہو اور برابر سے اس طرح پر تراشا جائے جیسے کبوتر کی چونچ ہوتی ہے گڑ کو کیطرف ذرا جھکا ہوا ہو اور قط کی جگہ باریک ہو اور روشنائی فارسی ساخت کی وزن میں ہلکی ہو اور تمام رات اسکو بھگو کر صبح کو دوات میں چھوڑ دو - اور کاغذ باریک ہو - اور بناوٹ میں برابر اور اسکو اس طرح پر موڑو کہ ایک جانب کی موڑائی اسکے آخر تک برابر ہو ورنہ سطریں سیدھی نہ آئینگی - اور یہ بھی ضرور ہے کہ لکھتے وقت زیادہ کھینچاؤ کاغذ کے بائیں جانب ہونا چاہئے - پھر وسط میں کم اور دوسری جانب

حاشیہ [1] صفحہ ۱۰۴ العقد الفرید جلد اول [2] شریشی جلد ۱ صفحہ ۸۲۔

فی الطرف الآخر والمطا نصف الخط ولا یقوی علیہ الا العاقل ولا احسب العاقل یقوی علیہ ایضاً الا بالنظر الی الید فی استعمالہا الحرکۃ۔ والسلام

بالکل نہو۔ کیونکہ یہ کشش نصف تحریر کے مابہ ہے۔ لیکن ان امور پر دانشمند آدمی قابو پا سکتا ہے۔ اور وہ بھی اُس وقت جب کہ اپنی ہاتھ کی حرکت کا خیال رکھے[1]۔ والسّلام۔

جعفر کی علمی مجلسیں اور اُس کے مناظرے کے حالات علم ادب کی جان ہیں۔ لیکن خاص خاص مناظرے۔ اور علمی بحثیں۔ جس سے جعفر کی وسعت نظر۔ ذکاوتِ ذہنی۔ اور زورِ تقریر کا حال معلوم ہو کمیاب ہیں۔ کسی قدر حالات

مناظرہ اور علمی مجلسیں

جعفر کے علمی کمالات کے اُس مناظرے سے معلوم ہو سکتے ہیں جو دربار ہارون الرشید میں شعر کی فصاحت و بلاغت اور تشبیہات پر ہوا تھا اور جس کو شارح مقامات حریری نے بجنسہ نقل کیا ہے جعفر کو مناظرہ اور مباحثہ کی یحییٰ نے خاصکر تعلیم دی تھی۔ اور اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے ایک خاص علمی مجلس[2] قائم تھی۔ جس میں اکثر مباحثات ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی انجمن کی مشق کا نتیجہ تھا کہ جعفر کی زبان ان مناظروں میں بھی جس میں اصمعی اور ہارون الرشید وغیرہ ایک فریق ہوتے تھے نہیں رکتی تھی۔ اور برجستہ جوابات دیتا تھا۔

سعید[3] بن ہرثمہ ادیب (علمائے عراق سے تھا) کا قول ہے کہ فضل بن ربیع اگرچہ ایک کامل

حاشیہ [1] جلد دوم صفحہ ۲، العقد الفرید میں یہ خط مفصل موجود ہے جس میں علاوہ ہدایات مذکورہ کے مفردات و مرکبات حروف کے لکھنے کی خاص ہدایتیں ہیں۔ [2] اس مجلس کا ناظم (سیکرٹری) ہشام ابن الحکم تھا۔ کتاب الفہرست ابن الندیم [3] اکرام الناس صفحہ ۱۰۵ و ابن خلکان ۱۱ھ۔

مناظرہ فضل بن ربیع و جعفر برمکی

شخص تھا۔ لیکن برامکہ سے اس کو کوئی نسبت نہ تھی اور فضل کی ہمیشہ یہ آرزو رہی کہ برامکہ کا تمام امور میں حریف مقابل بنا رہے اس وجہ سے فضل و یحییٰ سے بھی چھیڑ چھاڑ کیا کرتا تھا لیکن جعفر، فضل کو منہ نہیں لگاتا تھا بلکہ فضل سے مناظرہ کرنا خلاف شان سمجھتا تھا۔ لیکن اتفاق سے ایک دن دونوں میں مناظرہ شروع ہو گیا۔ ہارون الرشید خاموشی سے دونوں کی بحث سن رہا تھا۔ جعفر کی تقریر میں اس بلا کا جادو تھا کہ اس کا اثر کل دربار پر پڑتا تھا۔ لیکن فضل کی تقریر الجھی ہوئی تھی۔ اور مناظرے میں ادب کا پہلو بالکل چھوٹ گیا تھا اور بہت ہی بے باکانہ گفتگو کر رہا تھا۔ جب فضل چیختے چیختے تھک گیا اور اس کا گلا بالکل خشک ہو گیا اور مناظرے میں بند ہو گیا۔ تب سلیمان بن جعفر (ہارون الرشید کا ایک مصاحب) نے فضل کی حمایت میں گفتگو کرنا شروع کی۔ ہارون الرشید نے فوراً سلیمان کو روک دیا اور کہا کہ یہ موقع دونوں کے امتحان کا ہے۔ کسی کی حمایت نہ ہونا چاہئے۔ مجھے یہ دیکھنا منظور ہے کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے اور دونوں میں کس قدر تفاوت ہے تھوڑے وقفہ کے بعد فضل نے پھر مباحثہ شروع کیا اس مرتبہ جعفر نے غصے ہو کر فضل کو مخاطب کر کے کہا کہ "اے لقیط[1] چپ رہ" یہ سنکر فضل جھلا اٹھا۔ اور کہنے لگا کہ امیر المومنین! آپ گواہ رہیں۔ جعفر نے بڑی سخت کلامی کی ہے۔" جعفر نے خلیفہ کو مخاطب

[1] جو بچہ راستہ میں پڑا ہوا ملے اور کوئی اس کو پرورش کرے تو وہ لقیط کہلاتا ہے گویا اس کا یہ مطلب تھا کہ فضل کے باپ کا پتہ نہیں ہے اور وہ گمنام ہے جس کو کوئی نہیں جانتا۔

کرکے کہا کہ ملاحظہ کیجئے ''معلوم نہیں کہ یہ جاہل آپ کو گواہ بنا کر کس عدالت میں کھڑا کرے گا۔ حالانکہ یہ نہیں سمجھتا کہ حاکم الحکام تو حضور ہیں'' جعفر کے اس برجستہ جواب پر زور سے قہقہ لگا اور فضل شرمندہ ہو کر چپ ہو رہا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ جو شخص اپنا رتبہ نہ جانتا ہو۔ اور جس کو اپنے علم کا بھی علم نہ ہو اس کو ہمیشہ ایسی ہی خجالت ہو گی جیسی آج سر دربار فضل بن ربیع کو ہوئی۔ چونکہ علمی بحث کا اب خاتمہ ہے لہذا اس کے حکیمانہ اقوال سے صرف ایک دو قول نقل کیے جاتے ہیں جس سے جعفر کی بیدار مغزی اور معاملات سلطنت میں کمال ہوشیاری پائی جاتی ہے۔

جعفر کے حکیمانہ اقوال

الخراج[1] عماد الملوک۔ وما استغزر بمثل العدل وما استنزر بمثل الظلم واسرع الامور فی خراب البلاد تعطیل الارضین وهلاک الرعیة۔ ومثل السلطان اذا اجحف باهل الخراج حتی یضعفوا عن عمارة الارضین مثل من یقطع لحمه ویاکله من الجوع فهو ان شبع من ناحیة فقد ضعف من ناحیة اخری وما ادخل علی نفسه من الضعف والوجع

خراج بادشاہوں کا ستون ہے۔ عدل سے بڑھ کر کسی بات میں زیادتی اور ظلم سے زیادہ خوف بادشاہوں کو نہیں ہوتا ہے۔ رعایا کے ہلاک کرنے اور اراضی کی پرتی ڈال دینے سے بہت ہی جلد ملک تباہ ہو جاتا ہے۔ جو بادشاہ اپنی رعایا کو یہاں تک ستاوے کہ وہ زمین کے آباد کرنے میں عاجز ہو جائیں اس کی مثال اس شخص جیسی ہے کہ جو بھوک سے تنگ ہو کر اپنے ہی بدن کا گوشت کاٹ کر کھانا شروع کرے اگرچہ ایک طرف سے اسکا پیٹ بھر جائیگا لیکن دوسری طرف سے وہ ضعیف ہو جائے گا

حاشیہ [1] مستطرف فی کل فن مستظرف جلد اول صفحہ ۹۰ مطبوعہ مصر۔ عقد الفرید صفحہ ۱۰ جلد اول۔

أعظم مما دفع عن نفسه من ألم الجوع ومثل من كلف الرعية فوق طاقتهم كالذي يطين سطحه بتراب أساس بيته وإذا ضعف المزارعون عجزوا عن عمارة الارضين فيتركونها فتخرب الارض ويهرب المزارعون فتضعف العمارة ويضعف الخراج وينتج من ذلك ضعف الاجناد۔ وإذا ضعف الجند طمع الاعداء في السلطان۔

(۳) إذا أحببت انسانا من غير سبب فارج خيره وإذا أبغضت انسانا من غير سبب فتوق شره

اور یہ درد و تکلیف اسپر بھوک کی مصیبت سے کہیں زیادہ سخت ہوگی۔ اور جس نے رعایا کو اُنکی طاقت و قوت سے زیادہ ستایا اُسکی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے مکان کی بنیاد سے مٹی کھود کر دیواروں کی کہگل کرے۔ اور جب کاشتکار کمزور ہو جاتے ہیں تو زمین کے آباد کرنیسے معذور ہوتے ہیں۔ اور اسکو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تب زمین خراب ہو جاتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کی آبادی کم ہو جاتی ہے اور خراج گھٹ جاتا ہے اور اس کل کا یہ اثر ہوتا ہے کہ آخر کو فوج کمزور ہو جاتی ہے۔ اور جب فوج کمزور ہوتی تو دشمن بادشاہ کو لالچ کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔

جب کوئی شخص کسی سے بلا سبب محبت کرتا ہے تو فائدے میں رہتا ہے اور جب بلا سبب عداوت کرتا ہے تو نقصان اُٹھاتا ہے

سخاوت اور فیاضی کے متعلق اس خاندان میں سب کے مقولے مشہور ہیں۔ چنانچہ ابراہیم الموصلی کہتا ہے کہ فیاضی میں جعفر کا یہ قول تھا کہ کسی شخص کی حاجت روائی میں اگر توقف ہو جائے تو اُس سے معذرت کرنا چاہیئے۔ کیونکہ حاجتمند بدرجہ مجبوری مانگتا ہے اور یہ معذرت صدق نیت پر دلالت کرتی ہے۔

حاشیہ ۱؎ اعلام الناس صفحہ ۱۶۷ مطبوعہ بمبئی ۲؎ عقد الفرید جلد اول صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ مصر ۳؎ علم ادب کی کتابیں جعفر برمکی کے مقولوں سے لبریز ہیں لیکن اصل کا سونز جمہ کے کہنا خالی از لطف نہیں ہے ناظرین کتب ادبیہ کی سیر کریں۔ عقد الفرید سے چند مقولے اور لکھے جاتے ہیں
(۱) نوکر کی شکایت کے جواب میں خذ بإذنه در ماسه فهو مالك

جعفر کے عام اخلاق وعادات

فیاضی

جعفر کے عام اخلاق وعادات پر ریویو کرنے سے پہلے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عرب کے طبقۂ وزرا میں کوئی وزیر ایسا نہیں گزرا ہے کہ جو علم۔ تدبیر۔ دانائی۔ عالی حوصلگی۔ اخلاقی فضائل میں جعفر کا دعویدار ہو۔ اور اگر بفرض محال کسی صفت میں کوئی سہیم ہو بھی تو یہ دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ فیاضی میں بھی جعفر سے افضل ہوا ہو۔ ایک عجمی مؤرخ لکھتا ہے کہ زوال خاندان برامکہ کے بعد پچھلے زمانے میں اگر کوئی بغداد کا امیر کبیر مفلس ہو جاتا اور سخت مصائب کے بعد حصول مراد میں کامیاب ہوتا تو خدا سے یوں عرض کرتا تھا کہ اے خدا! معلوم نہیں زمانۂ اول میں میں نے تیرے حضور میں کیا قصور کیا تھا کہ جس کی یہ سزا دی گئی کہ بعد زمانہ برامکہ کے پیدا کیا گیا۔ جعفر کی خدا پرستی۔ حلم۔ تواضع۔ اور بے ریا سخاوت بھی مذکورۂ بالا قول کی حقیقت میں مصداق ہے۔ فضل برمکی بھی اگرچہ فیاض تھا مگر اس میں کبر۔ اور غرور بھی تھا لیکن جعفر میں علاوہ فیاضی کے عفو و ترحم۔ اور خاکساری اعتدال سے بڑھ کر تھی بعض خدام اور شعرا بدزبانیاں کرتے تھے مگر وہ اپنی فیاض طبیعت سے درگزر کرتا تھا۔ اور انعام اور صلات سے

حاشیہ صفحہ ۲۳۹ (۲) ایک شخص کی سفارش عامل سے
(۳) قیدی کی مرضی پر حکم
(۴) بجز دی کی شکایت
(۵) بار بار اعانت کی درخواست
(۶) ایک عامل کو ہدایت

کن لہ کابیہ ولو کان مکانک
الجنایۃ جبستہ والتوبۃ تطلقہ
الصوم لک وجاء
دع الضرع یدر لغیرک کما در لک
اجمل وسیلتک الینا ما یزیدک عندنا

اُن کی زبانیں بند کرتا تھا۔ علامہ سیوطی اپنے رسالہ **مشتہے العقول فی منتہی النقول** میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک شاعر نے جعفر کی ہجو میں ایک قصیدہ لکھا سنکر قصور معاف کر دیا۔ اور پانچہزار دینار صلہ دیکر رخصت کیا۔ اور اسی موقع پر علامۂ موصوف لکھتے ہیں کہ علما۔ حکما۔ عظما۔ اور ندما۔ میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جو جعفر کی فیاضی سے محروم رہا ہو۔ جعفر اُن کے حق میں اَبر رحمت تھا۔ جو ہمیشہ فیاضی کی بارش کیا کرتا تھا۔"

اپنے زمانہ حکومت میں اکثر جعفر نے پچاس پچاس ہزار دینار لوگوں کو بلا غرض بانٹ دئے۔ چنانچہ عرب کی یہ مثل "تبرمک فلان" جعفر کی فیاضی سے قائم ہوئی ہے۔ جعفر کی یہ علمی فیاضی بھی

علمی فیاضی

یادگار ہے کہ اُس نے ایک مجمع میں جس میں ایک ہزار شاعر موجود تھے سب کو ایک ایک ہزار درہم مرحمت فرمائے۔ بلاشبہ اسی قسم کے انعامات تھے۔ جس نے شعرا کی زبان مدح میں کھول دی تھی۔ اشجع سلمی کہتا ہے۔[۲]

یرید الملوك مدى جعفر	سلاطین جعفر کی ریس کرنی چاہتے ہیں۔
ولا يصنعون كما يصنع	لیکن کام ویسے نہیں کر سکتے جیسے جعفر کرتا ہے۔
وليس باؤسعهم فى الغنى	جعفر اوروں سے دولتمندی میں زیادہ نہیں۔
ولكن معروفه اوسع	لیکن فیاضی میں زیادہ ہے۔
بداهته مثل تفكيره	اس کا فی البدیہہ اور فکر کرنا دونوں یکساں ہے۔
متى رتلقه فهو مستجمع	جب تم اُس سے ملو تو وہ تمام صفات کا جامع ثابت ہوگا۔

حاشیہ [۱] اعلام الناس صفحہ ۱۴۷ [۲] شریشی شرح مقامات حریری جلد اول صفحہ ۲۹۴ مطبوعہ مصر خیریہ پریس۔

جعفر کی فیاضی کی شہرت عالمگیر تھی۔ عرب کا ایک ایک قبیلہ۔ اور ہر ہر قبیلے کے مرد و عورت دونوں جعفر کے نام سے واقف تھے۔ اکثر اعراب ریگستان کی کڑی منزلیں طے کر کے آتے تھے مدحیہ قصائد اور زمانہ جاہلیت کے اشعار سنا کر گراں بہا خلعت اور انعام حاصل کر کے لوٹ جاتے تھے۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر حجاز میں جب جعفر کا قافلہ وادی عقیق میں پہنچا۔ تو ایک عورت قبیلہ بنی کلاب کی جعفر کے سامنے حاضر ہوئی اور برجستہ یہ دو شعر پڑھے۔

انی مررت علی العقیق واھلہ	عقیق اور عقیق والوں پر میرا گذر ہوا۔
یشکون من مطر الربیع نزورا	تو وہ مینہ کے کم ہونے کے شاکی تھے۔
ما ضرھم اذا جعفر جار لھم	جعفر جس کا ہمسایہ ہو۔
ان لا یکون ربیعھم ممطورا	اس کو اس کی کیا پرواہ ہے کہ مینہ نہ برسے۔

جعفر نے اُس کے اشعار سنکر ایک کثیر انعام دیا۔ جس سے وہ خوش خوش رخصت ہو گئی کیونکہ جعفر کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اس جگہ مدت سے بارش نہیں ہوئی ہے اور تمام قبیلہ قحط سالی کی آفت میں مبتلا ہے

بزرگان دین کی خدمت ربیع بن سلیمان امام شافعی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر عید کے دن امام صاحب کے پاس کچھ نہ تھا۔ اور حضور تمام اس دن ستر دینار قرض لئے تھے کہ قبیلہ قریش کا ایک شخص حاضر آیا اور اپنی حاجت ظاہر کی۔ چنانچہ امام صاحب نے بھی اپنا حال سنایا اور کہا کہ میرے

حاشیہ: ۱؎ ابن خلکان صفحہ ۱۰۱۔ مرآۃ الجنان یافعی ۲؎ شربینی جلد دوم صفحہ ۱۱۹

پاس اس وقت ستر دینار موجود ہیں اس میں سے بقدر ضرورت لے لو۔ قریشی نے کہا کہ یہ کل رقم بھی میری ضرورت کو کافی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ سب دینار اس کو دے کر رخصت کیا۔ اسی وقت جعفر کا ایک خادم آیا اور عرض کیا کہ حضور کو وزیر السلطنۃ نے یاد فرمایا ہے۔ امام صاحب تشریف لے گئے۔ جعفر نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے۔ کیونکہ رات کو میں نے یہ آواز سنی ہے کہ کوئی شخص کہتا ہے **الشافعی الشافعی**" چنانچہ امام صاحب نے سارا قصہ بیان کیا۔ رخصت کے وقت پانچسو دینار دئے۔ پھر پوچھا کہ اور اضافہ کروں۔ یہاں تک کہ خود ہی سوال کرتا جاتا تھا اور رقم بڑھاتا جاتا تھا۔ جب پوری دو ہزار کی رقم ہو گئی تب اجازت رخصت کی دی گئی۔ اس واقعہ سے جعفر کی بزرگان دین سے ارادت مندی اور جوش محبت کا حال معلوم ہوتا ہے۔

ترحم اور رقت طبع کی مثالیں۔

ایام[1] سفر میں ایک موقع پر جعفر کے روبرو ایک ایسا غلام پیش کیا گیا جسکے مالک کی کل جائداد حکم شاہی سے قرق ہو کر برسر نیلام تھی۔ یہ غلام نہایت خوب صورت تھا۔ جعفر نے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام "ماہر" ہے پھر پوچھا کہ کیا جانتے ہو؟ کہا ادب۔ شعر۔ موسیقی اور علاوہ اس کے جو حکم ہو اس کی تعمیل کر سکتا ہوں۔ ماہر کا کمال سنکر جعفر نے اسکے مالک سے پوچھا کہ اس غلام کی کیا قیمت ہے؟ کہا کہ علے الضرورت پانسو دینار اس کا مول ہے چنانچہ فوراً قیمت ادا کر دی گئی۔ چونکہ ماہر نے کہا تھا کہ موسیقی اور ادب سے واقف ہوں اسلئے

حاشیہ [1] شریشی جلد دوم صفحہ ۱۴۳۔

استحاناً حکم دیا کہ اچھا کچھ اشعار سناؤ۔ چنانچہ غلام نے عود بجانا شروع کیا۔ اور حسب ذیل اشعار سنائے۔

حملتم جبال الحب فوقی وانني	تم نے میرے اوپر عشق کا پہاڑ رکھ دیا۔
لاعجز عن حمل القمیص وضعف	اور میں تو ضعف سے قمیص کا بھی متحمل نہیں۔
طفر تم ملتمان اللسان فمن لکم	اس میں تو تمہاری جیبت ہی کی زبان کچھ ظاہر نہیں کرتی
بکتمان عین دمعها الدهر یذرف	لیکن آنکھ کا تم کیا کرو گے جنکے آنسو ہمیشہ جاری رہتے ہیں

جعفر کو یہ سنکر نہایت افسوس اور تعجب ہوا۔ اور اس کے مالک کو علاوہ قیمت کے ایک خلعت اور مرحمت کیا۔ اور اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ جب اپنے گھر سے ایک میل آگے بڑھ گیا۔ تو اس غلام نے نہایت سوز و گداز سے اس طرح پر گانا شروع کیا۔

وماکنت اخشی معبدان یبعنی	مجھ کو یہ خوف نہ تھا کہ معبد مجھ کو کسی چیز کے معاوضے میں بیچ ڈالیگا
بشئ ولو اضحت انامله صفرا	گو اس کا ہاتھ بالکل خالی ہو جائے۔
اخوهم ومولاهم وحافظ سرهم	میں ان کا بھائی ہوں۔ غلام ہوں۔ رازدار ہوں۔
ومن قد ثوی فیهم وعاشرهم دهرا	مدتوں ان میں رہا ہوں اور ان کی صحبت اٹھائی ہے۔
اشوقا ولما ینقض لی غیر ساعة	ابھی تو گھنٹہ بھر نہیں گزرا ابھی سے شوق کی یہ حالت ہے
فکیف اذا خب المطی بنا شهرا	اس وقت کیا حال ہوگا جب سواری مہینہ بھر کی راہ طے کریگی

یہ اشعار سنکر جعفر نے پوچھا کیوں ماہر! تم اپنے مالک کا گھر جانتے ہو۔ اور اس جگہ سے جا سکتے ہو؟ کہا افسوس!! کیا عشق کی علامتیں بھی چھپی رہتی ہیں۔ جعفر اس کا یہ برجستہ جواب سنکر

خوش ہوا اور کہا کہ "تو آزاد ہے خدا کی راہ پر"۔ چنانچہ اُسی جگہ سے ایک ہزار دینار دیکر رخصت کر دیا۔ جعفر کے ایک ہمراہی نے پوچھا۔ کیا ایسے غلام بھی آزاد کر دیئے جاتے ہیں اُس نے جواب دیا کہ "اگر آزاد نہیں ہوتے ہیں تو مملوک بھی نہیں بنائے جاتے ہیں۔" غلام رخصت ہو کر چلا گیا۔ وداع کے وقت کسی شاعر کا یہ قول بطور طنز کے اُس نے پڑھا:

لا یوجد الخیر الا فی معادنه والشر حیث طلبت الشر موجود		نیکی تو صرف اپنی جا پیدائش ہی میں ملے گی۔ اور برائی کو جہاں ڈھونڈھو موجود ہے۔

۲۔ اسحق بن ابراہیم الموصلی راوی ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید نے ایام حج میں بمقام بصرہ قیام کیا تو جعفر برمکی نے مجھ سے کہا کہ "آج لوگوں نے مجھ سے ایک کنیز کی بہت ہی تعریف کی ہے جو علاوہ شکل و شمائل کے موسیقی میں یکتائے روزگار ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ اُس کا مالک گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ جسے خریداری کا شوق ہو اُس کے مکان پر جا کر البتہ دیکھ سکتا ہے چنانچہ میں بھی اُس کے دیکھنے کا مشتاق ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ سوداگری لباس پہنکر بازاری لوگوں کے ڈھنگ پر اُس کے مکان پر جاؤں کہ کوئی شناخت نہ کر سکے لیکن چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ ہو۔" میں نے عرض کیا کہ بسر و چشم حاضر ہوں" چنانچہ دوپہر کے وقت جب کہ لوگوں کی دھوم دھام کم ہوگئی اور بازاروں میں سناٹا ہوگیا۔ اُس وقت دلال (بردہ فروش) حاضر

حاشیہ [۱] جامع الحکایات مولانا حسین ابن اسعد دہستانی مفصلاً۔ وابن خلکان صفحہ ۹۴ مختصراً۔ مرآۃ الجنان یافعی۔

ہوا۔ چنانچہ ہم دونوں عربی سوداگروں کا لباس پہنکر اُسکے ساتھ ہولئے۔ تھوڑی دیر میں ایک مکان پر پہنچے جس کی رفعت وشان اور موجودہ حالت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی بگڑے ہوئے امیر کا مکان ہے دلال نے دروازے پر دستک دی اندر سے ایک خوبصورت جوان نکلا لیکن اُس کے موٹے کپڑوں اور ظاہری حالت سے فقر وفاقہ کے آثار معلوم ہوتے تھے۔ ہم لوگ مکان کے اندر داخل ہوئے۔ اور دہلیز میں ایک پُرانی چٹائی پر جاکر بیٹھ گئے۔ دلال نے فرمائش کی کہ کنیز سامنے لائی جائے۔ چنانچہ اُس کے مالک نے لاکر حاضر کیا۔ جیسی اُس کی تعریف سُنی تھی اُس سے ہزار درجہ حسن وجمال میں بڑھ کر تھی۔ جب جعفر نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو اُسی جگہ پر بیٹھ گئی لیکن اُس کی صورت سے حیرانی برستی تھی۔ جسم پر اگرچہ کسی قسم کا قیمتی لباس نہ تھا۔ لیکن وہ موٹے کپڑے جو پہنے ہوئے تھی۔ اُس میں بھی ایک عجیب شان معلوم ہوتی تھی۔ اُس کے حسن وجمال کی طرف سے تو اطمینان ہوگیا لیکن موسیقی کا امتحان ہنوز باقی تھا اس لئے جعفر نے فرمائش کی کہ کوئی عمدہ غزل سناؤ کنیز نے بربط پر ایک غزل گائی جس کا لفظی ترجمہ فارسی میں ایک عجمی شاعر نے حسب ذیل کیا ہے۔

چرا ز بندہ بریدی بہ عہدِ وصل رواں	چماز خانۂ خویشم ہمے کنی مہجور
بہ وصل تو نہ بپائے آوریدہ ام شب و روز	بخدمت نہ بسر بردہ ام سنین و شہور
بجز ز دیدن تو نیست جندوات شادان	بجز بخدمتِ تو نیست عاشقت مسرور
بدل ز منزل تو مے نگیرم از جنت	عوض ز روئے تو کے خواہم ار بود مہ و حور

چو آرزوے دلی و عزیز تر ز ہمہ   بگو چگونہ بسازم من از جمالِ تو دور

اچھی طرح پر اس غزل کے اخیر مصرع کو ادا بھی نہیں کیا تھا کہ اس کنیز نے بے ساختہ رونا شروع کیا۔ اور غم کے آثار اس پر چھا گئے۔ اتنے میں مکان کے اندر سے ایک نوجوان کے چیخنے کی آواز آئی یہ آواز (بقول ایک ظریف کے) گویا کہ ندا کی صدا تھی جس نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور فوراً وہ کنیز مکان کے اندر چلی گئی۔ اور دونوں نے ملکر اپنی آہ وزاری سے ایک ماتم برپا کر دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ نوجوان اندر سے نکلا اور عرض کیا۔ کہ "بزرگان من۔ امجھ سے جو گستاخی اور بے ادبی ہوئی ہے اسکی معافی چاہتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس کنیز سے عہد کر چکا ہوں کہ تجھے فروخت نہ کرونگا۔ اور تیرا زر ثمن مجھپر حرام ہے۔ اس وقت لوجہ اللہ اس کو آزاد کرتا ہوں۔ آپ بھی گواہ رہیں اور مجھے اجازت دیں کہ مطابق سنت نبوی کے اس کنیز سے نکاح کروں۔ نوجوان کی ان باتوں کا جعفر کو نہایت افسوس ہوا کیونکہ وہ خود اس پر فریفتہ ہو چکا تھا لیکن جب اس نوجوان نے اپنی گذشتہ سوانح عمری بیان کی تو جعفر مجبور رہا۔ اور ہم لوگ واپس آئے چونکہ مجھے اس غریب کی حالت پر نہایت افسوس تھا لہذا جعفر کے سوار ہونے کے قبل میں نے عرض کیا کہ "مجھے اس شخص کے حال پر رونا آتا ہے اور میرے رونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ آپ کی فیاضی سے یہ محروم رہا جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اس سے زیادہ اعانت کا اور کون محتاج ہوگا۔"

جعفر نے کہا ہاں سچ ہے وہ ضرور مستحق ترحم ہے مگر مجھے اس کنیز کے نہ ملنے کا غصہ

ہے۔ میں نے عرض کیا کہ" دستگیری ستمنداں۔ ترحم بر بیچارگاں شفقت بر اہلِ استحقاق۔ یہ تو آپ کا خاصہ ہے ان کو نہ چھوڑنا چاہئے۔ یہی وہ احسان ہے جو عمر بھر باقی رہے گا۔ تمام عمر کی نیک نامی۔ اس بدنامی سے تبدیل کرنا مناسب نہیں ہے"! میری تقریر سنکر جعفر نے حکم دیا کہ اچھا چالیس ہزار دینار قیمت جو اوّل طے ہوچکی ہے وہ اس نوجوان کو دیدیئے جاویں۔ اور آئندہ کے واسطے امید تو بجاوے۔ چنانچہ حکم کی فوراً تعمیل ہوگئی۔ اور جعفر کے صدقے میں بصرے کے اہلِ دول میں وہ نوجوان بھی شامل ہوگیا۔

طباعی و ذہانت

طباعی اور ذہانت میں جعفر کے بہت سے اقوال مشہور ہیں لیکن اس موقع پر صرف وہ واقعہ جس کو اکثر مؤرخین نے لکھا ہے ہم بھی لکھتے ہیں خلیفہ ہارون الرشید چونکہ علم و فضل کا حامی تھا۔ اس وجہ سے اس کے دربار میں ماہرین اور مجتہدین فن ہر وقت موجود رہتے تھے ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک یہودی منجم دربار میں حاضر ہوا معلوم نہیں کس خیال سے ہارون الرشید نے منجم سے پوچھا کہ اچھا میں ایک سوال کرتا ہوں تم اسکا جواب دے سکتے ہو؟ نجومی نے بڑے دعوے سے عرض کیا کہ" وہ کونسی بات ہے جس کا جواب میں نہیں دے سکتا ہوں"! تب خلیفہ نے پوچھا کہ اچھا بتاؤ۔ میری عمر اب کس قدر باقی ہے؟ نجومی نے فوراً زائچہ تیار کیا اور بے دھڑک کہہ گزرا کہ یہ سال امیر المومنین پر کسی طرح بخیر و عافیت گزرتا معلوم نہیں ہوتا ہے۔ حضور کی عمر کا اخیر یہ مرحلہ ہے جو طے ہونے کو باقی ہے۔ ہر چند مثل خلیفہ منصور وغیرہ کے ہارون کو نجوم کے اقوال پر اعتقاد نہ تھا۔ لیکن پھر بھی بمقتضائے فطرت انسانی گھبرا گیا اور افسوس کرکے سناٹے میں چپ رہ گیا۔ چنانچہ اس واقعہ سے جعفر کی

وزیر السلطنتہ کو اطلاع دی گئی کہ اس وقت دربار میں ایک یہودی نجومی نے اسطرح کی بیباکانہ پیشین گوئی کی ہے اور وہ ہنوز دربار میں موجود ہے۔ یہ غمناک واقعہ سنکر جعفر فوراً حاضر ہوا۔ خلیفہ ہارون الرشید کو مغموم دیکھ کر نجومی سے پوچھا کہ کیا تیرا خیال ہے کہ حقیقت میں امیرالمومنین کی حیات کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اور یہ اخیر سال ہے؟ نجومی نے کہا کہ "ہاں"۔ تب جعفر نے پوچھا کہ اچھا بتاؤ تم کب مروگے؟ نجومی نے کہا کہ ابھی میری عمر بہت باقی ہے اور اس قدر مدت تک میں زندہ رہونگا۔ اس کا یہ جواب سنکر جعفر نے خلیفہ سے عرض کیا کہ "امیرالمومنین اس نجومی کے قتل کا حکم صادر فرمائیں تو ابھی اس کی پیشین گوئی کا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ یہ کہتا ہے کہاں تک سچ ہے"۔ چنانچہ جعفر کے اصرار سے نجومی کو سولی دیگئی۔ اور جعفر کی اس کارروائی سے جو غلط جاں فرسا خیال خلیفہ کے دل میں پیدا ہو گیا تھا وہ نکل گیا اور غم سے نجات پائی۔ ہارون الرشید نے جعفر کی اس عاقلانہ تدبیر کا شکریہ ادا کیا۔ تمام اہل دربار بھی خوش ہوگئے۔ اور یہ واقعہ عام طور پر مشہور ہو گیا چنانچہ اشجع سلمی نے اس عبرت خیز واقعہ کو نظم میں اس طرح پر ادا کیا ہے۔

سل الراکب الموفی علی الجذع ھل رأی	سولی پر چڑھنے والے سے پوچھو کہ اس نے
لراکبہ نجما بدا غیر اعوس	اپنا ستارہ دیکھا ہے؟
ولو کان نجم مخبرا عن منیۃ	اگر کوئی ستارہ موت کی خبر دے سکتا تو

حاشیہ سلہ ابن خلکان صفحہ ۱۳۰ و مرآۃ الجنان یافعی۔

لاخبر عن رأسه المغير	تو اس کے سر کا حال بتاتا جو حیرت زدہ ہے۔
يعرفنا موت الامام كانه	یہ ہم کو خلیفہ کی موت کی خبر دیتا ہے۔
يعرفنا ابناء كسرى و قيصر	گویا کسرے اور نوشیروان کی اولاد کا حال بیان کر رہا ہے
اتخبر عن نحس لغيرك شومه	تو دوسروں کی بدبختی کی خبر دیتا ہے۔
و نجمك بادى الشر يا شر مخبر	لیکن اے بدترین پیشین گویان تیرا ستارہ تو صریح نحوست

فہم و فراست

معاملہ فہمی اور تصفیۂ مقدمات میں جعفر کا ذہن رسا قاضی ابو یوسف اور بڑے بڑے ائمہ وقت کے ہمپایہ تھا۔ اہم مطالب اور پیچیدہ مقدمات کا فیصلہ منٹوں میں سنا دیتا تھا۔ چنانچہ ہارون الرشید کے عہد کا واقعہ ہے کہ قاضی بصرہ کی عدالت میں ایک مقدمہ دائر ہوا۔ اس مقدمے کے فریقین نہایت معاملہ فہم اور قانون دان تھے۔ ایک فریق کے اعتراض کا جواب دوسرا ایسا دیتا تھا کہ حاکم کو ترجیح کا پہلو نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ اسی ردو قدح میں ڈیڑھ برس تک یہ مقدمہ دائر رہا اور کسی کے حق میں فیصلہ نہیں ہوا۔ تب بہ مجبوری عدالت ماتحت نے قاضی ابو یوسف سے جو قاضی القضاۃ چیف جسٹس کے عہدے پر ممتاز تھے۔ استصواب کیا۔ اور روئداد مقدمہ لکھ کر بھیج دی اور یہ استدعا کی کہ "یا تو مقدمہ عدالت العالیہ میں پیش ہو۔ یا کوئی مشہور عالم جو فقہ کے اصول روایت و درایت سے واقف ہو بصرہ روانہ کیا جائے کہ وہ اس مقدمہ کو فیصلہ کرے۔"

حاشیہ سلہ افسوس ہے کہ لائق مؤرخ نے اصل مقدمہ کو نہیں لکھا ہے کہ کیا دعوے تھا جسکا جعفر نے فیصلہ کیا۔

قاضی صاحب نے خواجہ عتبہ کو جو اُن کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے اس کام کے واسطے انتخاب کیا۔ اور بصرے کو بھیج دیا۔ خواجہ صاحب نے عرضی دعوے اور جواب دعوے ملاحظہ کیا۔ اور فریقین کے عذرات کی سماعت کی۔ اور کل بحث مقدمہ کی سُنی۔ لیکن نفس مطلب بالکل سمجھ میں نہ آیا۔ اور بہ سبب پیچیدگی کے فیصلہ نہ ہوسکا۔ مجبوراً چند روز بصرے میں قیام کرکے یہ فقیہ واپس آیا۔ تب قاضی بصرہ نے امیرالمومنین ہارون الرشید کے حضور میں ایک درخواست مفصل بھیجی اور بابت فیصلہ مقدمہ کے دریافت کیا۔ چنانچہ خلیفہ نے فریقین کو اپنے دربار میں طلب کیا اور روئداد مقدمہ سُنکر حکم دیا کہ دربار خاص میں تمام علما کے سامنے اس مقدمے کی سماعت کی جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ لیکن فریقین کے دلائل کی تردید اور اُن کی تشفی نہوئی تب خلیفہ نے قاضی ابو یوسف کو حکم دیا کہ "یہ مقدمہ آپ کے سپرد کیا جاتا ہے مطابق احکام شریعت کے اس کا فیصلہ کرکے تجویز پیش کیجئے اور ہر دو فریق میں سے کسی کو شکایت کا موقع نہ ہو۔ اور رضامندی باہمی سے یہ معاملہ طے ہوجائے۔" چنانچہ امام صاحب کے یہاں یہ مقدمہ برابر ایک ماہ تک پیشی میں رہا۔ لیکن حسب دلخواہ معاملہ طے نہوا۔ تب بہ مجبوری امام صاحب نے خلیفہ سے اطلاع کی کہ یہ معاملہ ایسا اہم اور پیچیدہ ہے کہ مجھے امید نہیں ہے کہ کوئی فقیہ یا دانشمند اس کو طے کرسکے۔ چنانچہ سب سے آخر میں یہ مقدمہ خلیفہ نے جعفر برمکی کے سپرد کیا اور یہ کہا کہ "مجھ کو امید ہے کہ اس کا فیصلہ آپکے ہاتھ سے ہوجائے گا۔ اور جہاں تک عقل و دانش سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اس مقدمے میں لینا چاہئے۔" جعفر نے فریقین کو حکم دیا کہ وہ مکان پر حاضر ہوں۔ اور جب وہ حاضر

ہوئے تو ان کے ساتھ کمال مہربانی سے پیش آیا۔ اور مقدمے کے حالات سُنے۔ چنانچہ تین روز کے مختلف اجلاسوں میں فیصلہ مقدمہ کا سنا دیا۔ اور ایسا فیصلہ کیا کہ جس میں فریقین رضامند رہے۔ جب خلیفہ نے مقدمے کے حالات اور فیصلہ جعفر کا سنا کمال خوش ہوا۔ بلکہ جوش مسرت میں یہ حکم دیا کہ "دوبارہ اس فیصلہ کی مجمع علما میں سننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ایک تاریخ میں امام قاضی ابویوسف۔ امام محمد شیبانی۔ ابومطیع بلخی وغیرہ مشہور علما کا جلسہ ہوا۔ اور جعفر نے سب کے سامنے روداد مقدمہ بیان کرکے اس کا فیصلہ سنایا جس کو تمام علما نے تسلیم کیا۔ اور کہا انصاف کی بات یہ ہے کہ "اگر جعفر برمکی چند روز اصول و فروع فقہی مسائل پر توجہ کرے تو تمام فقہا سے اس کا رتبہ بلند ہو جائے"

ظرافت

باوجود ان فضائل کے جعفر برمکی بالکل زاہد خشک نہ تھا۔ بلکہ نہایت زندہ دل اور ظریف تھا۔ ہر وقت خندہ پیشانی رہتا۔ اس کی بذلہ سنجیوں اور بے تکلفی کی گفتگو سے اکثر خلیفہ ہارون الرشید ہنستے ہنستے لوٹ جاتا تھا۔ ایک دو مضمون ہم نے ایسے بھی پڑھے ہیں کہ جس کے لکھنے سے تہذیب مانع ہے۔ لیکن ایک چٹکلہ اس کی زندہ دلی کا لکھا جاتا ہے "خلیفہ ہارون الرشید۔ ابو یعقوب الندیم۔ ابو نواس اصمعی۔ اور جعفر برمکی ایک روز تفریح کی غرض سے صحرا میں جا نکلے۔ ایک بوڑھا آدمی خچر پر سوار منزل مارے ہوئے کہیں سے چلا آ رہا تھا۔ خلیفہ نے کہا جعفر ذرا پوچھو تو سہی کہ یہ کون شخص ہے؛

حاشیہ سلے تاریخ اسحاقی صفحہ ۹۰ مطبوعہ مصر۔

جعفر (بوڑھے سے مخاطب ہوکر) حضرت آپ کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟

مسافر۔ بصرے سے آرہا ہوں۔

جعفر۔ کدھر کا قصد ہے؟

مسافر۔ بغداد کو جارہا ہوں؟

جعفر۔ آخر بغداد کو کیوں جاتے ہو کیا کام ہے۔

مسافر۔ اپنی آنکھوں کا علاج کرنا ہے۔

یہ گفتگو سنکر خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ ذرا اس کو چھیڑنا چاہئے۔ جعفر نے کہا مجھے خوف ہے کہ کچھ ایسی باتیں نہ سننا پڑیں جو ناگوار طبیعت ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ "نہیں تم کو ہماری قسم کچھ تو ضرور کہو" مجبور ہم پھر اس بوڑھے سے جعفر نے پوچھا شیخ صاحب اگر میں آپ کو ایسی دوا بتلادوں کہ جس سے صحت ہوجائے تو یہ آپ کو منظور ہے؟

مسافر۔ واہ سبحان اللہ! اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا ہے۔

جعفر۔ اچھا سنئے یہ عجیب غریب نسخہ ہے جسکو آج سے پہلے میں نے کسی کو نہیں بتلایا ہے۔ خوب یاد کرلیجئے نسخے کے یہ اجزا ہیں سورج کی کرن۔ چاند کی چمک۔ ہوا کے جھونکے۔ چراغ کی لو یہ چاروں چیزیں تین تین اوقیہ[1] لیجے۔ اور سب کو ملاکر اس کھرل میں جس میں گہرائی (عمق) نہو تین مہینے تک کوٹکر ایک ٹوٹے ہوئے برتن میں جمع کیجئے اسکے بعد تین مہینے تک ہوا میں رکھئے پھر اونٹ کی پنڈلی کی سلائی سے سوتے وقت تین سو مرتبہ آنکھوں میں لگائیے۔ بلاناغہ تین مہینے کے استعمال میں اس سرمے سے انشاءاللہ شفا ہوجائیگی۔

حاشیہ سلہ ایک اوقیہ برابر ۱۰ تولہ ۳ ماشہ چھ رتی کے ہوتا ہے۔

مسافر اس عجیب و غریب نسخے کو سنکر جھلا اُٹھا- اور خچر سے اُتر کر جعفر کی طرف جھکا اور بزور سے گھونسا مارا اور کہا تمہارے نسخے کی یہ اُجرت ہے اور چل کھڑا ہوا- خلیفہ ہارون الرشید کو اُس پیر بالغ کی اس حرکت پر بہت ہی ہنسی آئی مگر تین ہزار درہم دے کر رخصت کیا +

جعفر کے قتل کا افسانہ

جعفر کی سوانح عمری میں جس قدر لکھا جا چکا ہے- وہ اُس کے حالات زندگی کا ایک مختصر خاکہ ہے- لیکن سب سے زیادہ مہتم بالشان اُسکے قتل کا واقعہ ہے- اور قتل میں بھی صرف وہ حصہ جو حضرت عباسہ کے متعلق ہے- محققین تاریخ کے نزدیک حضرت عباسہ کا واقعہ بھی منجملہ اُن افسوسناک غلطیوں کے ہے جو تاریخ اسلام میں بطور قصہ کہانی کے مشہور ہیں- اور قبول عام اور امتداد زمانے سے تمام تاریخوں میں نقل ہوتی چلی آئی ہیں- اور شہرت عام نے اُن غلط اور بیہودہ روایتوں کو ضرب المثل کے ایسے بلند درجے پر پہنچا دیا ہے کہ بعض مستند مورخین نے بھی باوجود شک و شبہ کے اپنی تاریخوں میں وہ واقعات لکھے ہیں- چنانچہ اُن تحریرات کا (جن کو لکھے ہوے صدیاں گزر چکی ہیں) آج بھی یہ اثر ہے کہ قوم کے اکثر افراد اپنی محال پسندی کی عادت- یا بزرگانہ عقیدت کے جوش سے غلط افسانوں کو تاریخ کے سچے واقعات سمجھ کر فخریہ استعمال کرتے ہیں- اور بجائے اس کے کہ تاریخ کے دامن پر جو بدنما داغ ہے مٹا دیں اُس کو اپنی میناکاری اور نقاشی سے ایک خوشنما پھول بنا دیتے ہیں- لیکن موجودہ تحقیقات سے آہستہ آہستہ اس قسم کی غلطیاں کم ہوتی جاتی ہیں- بلکہ وہ زمانہ قریب ہے کہ یورپ کی تاریخوں- ناولوں- اور کتب فلسفہ میں جو

غلط مضامین مذہب اور معاشرت اسلام کے متعلق عہد ظلمت سے لکھے ہوئے چلے آتے ہیں وہ
بھی مٹ جاویں۔ کیونکہ یورپ کے بعض آزاد خیال مؤرخ اس قسم کے واقعات سے انکار کرتے
جاتے ہیں۔ جبکہ یورپ کا یہ خیال ہے کہ جو غلط الزام تاریخ اسلام پر متعصب عیسائیوں نے لگائے
ہیں ان کی تصحیح کیجائے تو مسلمانوں پر بدرجۂ اولے فرض ہے کہ وہ بھی تحقیقات سے کام لیں۔
اور ایسے واقعات کو حرف غلط کی طرح اپنی تاریخوں سے مٹاویں۔ حضرت عباسہ کی شادی کی
روایت جس بلند آہنگی سے مشہور ہوئی ہے اگرچہ اس کی شہرت ہمارے زمانے میں تعجب انگیز
ہے۔ لیکن جس زمانے میں اسلامی تاریخیں لکھی جانا شروع ہوئیں اس وقت ہر واقعہ کی تنقید اور
تحقیق کرنے کا دستور نہ تھا۔ اسلئے تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری کا یہ واقعہ خاص و عام میں مشہور
ہوگیا۔ اور تیسری صدی سے آج تک برابر تاریخوں میں نقل ہوتا رہا۔ اور یہاں تک مشہور ہوا کہ
عربی فارسی تاریخوں سے اردو میں بذریعۂ اخبارات و رسائل کے پھیل گیا۔ اور قصہ (ناول) نگاروں نے
جھوٹ سچ ملا کر بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اس معاملے میں جس قدر حصہ غلطی کا ہے۔ وہ
مسلمانوں ہی کا ایجاد کردہ ہے کوئی غیر قوم اس میں شریک نہیں ہے۔ علاوہ بریں اس واقعہ
کا ماخذ بھی صرف ایک ہی تاریخ طبری ہے لہذا اس بات کا فیصلہ آسان ہے اور اصول روایت
اور درایت دونوں سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے لیکن جب تک مفصل واقعات جو غلط مشہور ہیں۔
معلوم نہ ہو جائیں اس پر تاریخی حیثیت سے استدلال نہیں ہو سکتا ہے لہذا اول وہ حالات ذیل
میں لکھے جاتے ہیں۔ اسکے بعد محققین تاریخ کے اقوال لکھے جائیں گے جس سے انشاء اللہ اصلیت
واقعہ کی معلوم ہو جائیگی و باللہ التوفیق +

جعفر کا عشق عباسہ سے! اور اُس کا سبب

طبری کی سب سے پہلی روایت

علامہ ابو جعفر جریر طبری المتوفی سنہ ۳۱۰ ہجری نے زوال برامکہ کے جو اسباب لکھے ہیں منجملہ[1] اُسکے ایک یہ بھی ہے

قد حدثني احمد بن زهير احسبه عن عمه زاهر بن حرب ان سبب هلاك جعفر والبرامكة ان الرشيد كان لا يصبر عن جعفر وعن اخته عباسة بنت المهدي وكان يحضرهما اذا جلس للشرب. فقال لجعفر ازوجكها ليحل لك النظر ولا يكون منه شيء مما يكون للرجل الى زوجته فزوجها منه على ذلك

کہ احمد بن زہیر بروایت اپنے چچا[2] زاہر بن حرب کے کہتا ہے کہ جعفر برمکی اور آلِ برمک کے خاندان کی ہلاکت کا سبب یہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کو بغیر اپنی بہن عباسہ اور وزیر جعفر کے ایک دم بھی صبر نہ آتا تھا۔ جب مے نوشی کے جلسے ہوتے تو یہ دونوں بھی شریک ہوا کرتے تھے اسلئے جعفر سے خلیفہ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں کا عقد کر دوں تاکہ شرعاً ایک دوسرے کا دیکھنا مباح ہو جائے لیکن[3] زن و شو کے تعلقات نہوں۔ اور اسی شرط پر عباسہ کا نکاح جعفر سے کر دیا

چنانچہ اس افسانہ کا جس قدر سرمایہ ہے وہ صرف مذکورۂ بالا الفاظ ہیں۔ اور صرف اس بنیاد پر بعض مورخین نے بڑی بڑی عمارتیں قائم کر لی ہیں لیکن اس روایت کے ساتھ ہی مورخ مذکور نے

حاشیہ [1] تاریخ کبیر طبری مطبوعہ الیڈن صفحہ ۶۷۰ ۔ جلد سوم ذکر ایقاع الرشید بالبرامکہ۔

[2] اعلام الناس میں بروایت ابراہیم بن اسحٰق اصلی راوی کا نام ابو ثور زاہر بن صقلاب لکھا ہے۔

[3] بجنسہٖ یہی الفاظ کامل ابن اثیر کے بھی ہیں دیکھو صفحہ ۵ ۷ جلد ۶۔ اسباب زوال۔

اسباب بھی لکھے ہیں (جو اپنے موقع پر لکھے جائینگے) مگر لطف یہ ہے کہ کسی حیثیت سے کسی روایت کو ترجیح نہیں دی ہے۔

بہرحال اس متن کی شرح میں مصنف روضۃ الصفا وضیاء الدین برنی و محمد دیاب الاتلیدی (مصنف اعلام الناس) و دیگر عرب و عجم کے مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کا دستور تھا کہ سلطنت کے تمام کاموں کے بعد شب کو عیش و طرب کے جلسوں میں بیٹھا کرتا تھا۔ باوجودیکہ صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا تاہم اس کی یہ مجلس رندانہ ہوتی تھی۔ پری پیکر نازنینوں کا جھرمٹ ہوتا۔ بے تکلف احباب جمع ہوتے۔ اور نبیذ[ؔ] کا دور دورہ چلتا۔ اس قسم کے خاص جلسوں میں خلیفہ کی بہن عباسہ

ہارون اور عباسہ کی محبت کا سبب

بھی شریک ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ عباسہ میں علاوہ کمال حسن کے سلیقہ شعاری۔ اور علم و ادب تمام بیگمات شاہی سے زیادہ تھا۔ اس لئے ہارون الرشید کو کمال محبت تھی۔ اور فطرتی محبت کے علاوہ خاص اتحاد کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ خلیفہ ہادی اپنے عہد حکومت میں ہارون کو تخت سلطنت سے محروم کرنا چاہتا تھا۔ اور رو عویدار خلافت سمجھ کر طرح طرح کی سختیاں کرتا تھا۔ اس وقت یہ عزیز بہن ہادی کو سمجھاتی تھی۔ کہ "بھائی جان! ہارون پر اس قدر سختیاں کرنا خلاف مصلحت ہے۔ آپ کے بعد خلافت کا وارث ہارون ہے" چنانچہ اس وقت کی سفارشوں کا بھی کچھ اثر تھا کہ جو ہارون کے دل پر قبضہ کئے ہوئے تھا۔ غرضکہ از حد محبت تھی۔ لیکن جیسی

حاشیہ[ؔ] خلیفہ ہارون الرشید کی مے نوشی سے علامہ ابن خلدون نے انکار کیا ہے۔ لیکن نبیذ کا پینا اُن کو بھی

بہن عزیز تھی ویسا ہی جعفر برمکی وزیر السلطنۃ بھی پیارا تھا۔ ایسے جلسوں سے
جعفر کی غیر حاضری بھی ہارون کو شاق گزرتی تھی۔ کیونکہ جعفر کی بذلہ سنجیاں اور ہر موقع پر
عمدہ اشعار پڑھنا بھی اس جلسے کی ایک قابل قدر چیز تھی۔ اس لئے ہارون کی یہ خواہش
تھی کہ اس بزم عیش میں بلاناغہ جعفر، اور عباسہ دونوں شریک ہوا کریں لیکن مشکل یہ تھی کہ یہ عفت
مآب۔ پارسا، شہزادی جعفر کے سامنے آتے ہوئے جھجکتی تھی اور ایک جگہ بیٹھنا ناپسند کرتی
تھی۔ لیکن مجبوراً پھر بھی بھائی کے حکم کی تعمیل کرتی تھی۔ اس حجاب کے رفع کرنے کی ہارون نے
یہ تدبیر نکالی کہ دونوں کا عقد کر دیا جائے تاکہ جو مغائرت اس وقت ہے وہ جاتی رہے۔ چنانچہ
اپنے اس خیال کو ایک مرتبہ جعفر سے بایں الفاظ ظاہر کیا کہ جو دلی محبت تم سے ہے وہ ظاہر ہے
اور یہ بھی معلوم ہے کہ عباسہ سے مجھکو کس قدر انس ہے۔ لہذا میری خواہش ہے کہ میں تم دونوں
کا چپ چاپ عقد کر دوں۔ کیونکہ شہرت اس کام کی منظور نہیں ہے اس طور پر ایک دوسرے
کا دیکھنا مباح ہو گا لیکن شرط صرف اس قدر ہے کہ خلوت صحیحہ نہو" خلیفہ کا یہ انوکھا سوال
سنکر جعفر حیرت زدہ رہگیا۔ اور خلیفہ کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ "امیر المومنین!
باوجود اس مہربانی کے جو میرے حال پر ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری جان اور مال اور
میرے خاندان کی تباہی کبھی پسند نہ فرماویں گے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی غلام

حاشیہ بقیہ۔ تسلیم ہے۔ یہ نبیذ کھجور کی تاڑی ہوتی تھی۔ جس کو رنگین طبع بجائے شراب کے استعمال کرتے تھے۔ اور علمائے
عراق نے اس کی حلت کا فتوے دیدیا تھا چنانچہ ابو نواس لکھتا ہے۔ سہ اباح العراقی النبیذ وشربه عراقی
سے امام ابو حنیفہ مراد ہیں (قرات العراق) اور اس قسم کے جلسے اور علاوشی ۔۔۔ میں عام طور سے تھی۔ بلکہ اس وقت کی عام معاشرت
کا یہ جزو تھا۔ اور بے وشی سے ہرجگہ نبیذ کا دور رہا ہے سے ابن خلکان صفحہ ۱۰۰ و ۱۰۰ ۔۔۔ ر ربی صفحہ ۳ و روضۃ الصفا جلد ۳۔

اور خادم نے اپنے ولی نعمت کے خاندان میں شادی نہیں کی ہے۔ اگر کسی نے ایسا خیال بھی کیا تو وہ خانماں برباد ہوا۔ اور قیامت تک بدنامی اور رسوائی کے داغ سے نہ چھوٹا۔ ام میں نے کیا گناہ کیا ہے کہ خلیفہ میرے خون کا پیاسا ہے۔ کیا میری خدمت گزاری کا یہی صلہ ہے کہ خاندان برامکہ تباہ و برباد کر دیا جاوے۔ علاوہ بریں میں ایک عجمی۔ آتش پرست (باعتبار خاندان) اور محتاج آدمی ہوں۔ مجکو خاندان رسالت سے (روحی فداہ) نسبت ہی کیا ہے اس رشتہ کے ہرگز لائق نہیں ہوں۔ میرے ماں۔ باپ۔ بھائی جس وقت اس خبر کو سنینگے تغیر مزاج امیرالمومنین سے فوراً ہلاک ہو جاینگے۔ میرے دشمن اس خبر کو سنکر خوش ہونگے اور اس کو میرے اقبال کا خاتمہ سمجھیں گے۔ امیرالمومنین ابجم کی تواریخ پر غور فرمائیں کہ سلطنت اکابرہ کی سات سو برس کی مدت میں کوئی واقعہ بھی ایسا گزرا ہے کہ کسی نے اپنی بہن یا بیٹی کا عقد ایک ادنے نوکر یا غلام سے کر دیا ہو، بلکہ اس قسم کی قرابت میں بہت احتیاط کی ہے اور بلا سوچے سمجھے کبھی ایسی جرأت نہیں کی ہے۔ اگر کسی غلام نے حرم میں دست درازی کی ہے تو وہ نمک حرام کہلایا ہے۔ اور تباہ ہو گیا ہے۔ بلحاظ تقدس نسب یہ کیونکر جائز ہے کہ شہزادی عباسہ کے شوہر ہونے کی عزت میرے لئے شایان ہو۔ چنانچہ جعفر کو اس خیال سے اس درجہ پریشانی ہوئی کہ چند روز کے واسطے طعام و شراب سبھی کچھ چھوٹ گیا۔ لیکن قضائے الٰہی سے کوئی چارہ نہ تھا۔ ہرون الرشید کے جاہ و جلال کے مقابلے میں جعفر کا کوئی عذر نہ سنا گیا اور شرط مذکورہ بالا پر نکاح ہو گیا۔ جب اس نکاح کی یحییٰ و فضل وغیرہ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے ایک مجلس ماتم منعقد کی اور خوب روئے اور تمام خاندان سوگوار بن گیا۔

اور یحییٰ وغیرہ کا اُس وقت یہ خیال تھا کہ "جب تمام دنیا میں ہماری شہرت ہو گئی۔ اور ہمارے جود و سخا نے تمام عالم کو گھیر لیا۔ تو ہارون کو ہم پر رشک آیا ہے اور اس فکر میں ہے کہ ہمارے خزانے لوٹ لے۔ اور جاگیریں ضبط کرے۔ یہی عباسہ سبب ہماری ہلاکت کا ہو گی۔ بس خاندان کا اب خاتمہ ہے۔ موت کا زمانہ قریب ہے جس کا انتظار ہر وقت کرنا چاہئے" جب نکاح کے بعد عباسہ و جعفر جلسوں میں شریک ہونے لگے تو ایک دفعہ پھر دونوں کو ہارون الرشید نے مخاطب کر کے کہا "دیکھو! خدا کی قسم میں پھر تم کو سمجھائے دیتا ہوں جس فعل سے میں نے تم کو روکا ہے کبھی بھولے سے بھی اس کا خیال نہ کرنا۔ کسی چھت کا سایہ تم دونوں پر نہ پڑے جب تک ہارون وہاں موجود نہ ہو۔ کبھی ایسا نہ ہو کہ بغیر میری موجودگی تم دونوں ایک جگہ جمع ہو۔" چنانچہ دونوں نے اس نصیحت کو سنا اور جہاں تک ممکن ہوا جعفر اپنے قول میں عرصے تک ثابت قدم رہا۔ نکاح کے بعد اب کوئی امر مانع نہیں تھا۔ اس لئے ہارون الرشید کی مجلس خلوت میں بے تکلف دونوں شریک ہونے لگے۔ جب روزانہ نشست سے ہر ایک کو دوسرے کے حسن خداداد کے نظارے کا موقع ملا۔ تو طرفین میں محبت بڑھنے لگی۔ لیکن ہارون کی موجودگی میں سوائے معمولی گفتگو اور ظاہری نظارے کے اور کیا ہو سکتا تھا عباسہ کو بمقابلہ جعفر محبت کا بہت کچھ جوش تھا اور یہ جوش روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ جب اشارۃً کنایۃً ہارون کو افراط محبت کا حال معلوم ہو گیا۔ تو اُس کو اس نکاح پر نہایت افسوس ہوا۔ اور کسی قدر جلسے کی آمد و رفت میں بھی کمی کر دی۔ کیونکہ ایک دم سے تفرقہ کرنا بھی مصلحت نہ تھا۔ جب کسی قدر روک ٹوک ہوئی تو عباسہ نہایت بے چین ہوئی اور حالت بے صبری میں اپنی دلی حالت بذریعہ

تحریر جعفر تک پہنچائی۔ لیکن جعفر نے قاصد کو حقارت سے نکال دیا۔ اور خط کا کچھ جواب نہ دیا۔ جب اس تدبیر میں کامیابی نہ ہوئی تو اُس نے دوسری تدبیر یہ سوچی کہ عتابہ[۱] مادر جعفر برمکی سے میل جول بڑھایا۔ اور نہایت قیمتی جواہرات اور تحائف عتابہ کے نذر کئے جب کسی قدر اپنے موافق کر لیا۔ تو ایک دفعہ عباسہ نے عتابہ کے پاس یہ پیام بھیجا کہ "خاندان عباسیہ سے جو جدید تعلقات خاندان برمکی کے ہوئے ہیں۔ وہ جعفر کے واسطے باعث فخر ہیں اور یہ رابطہ دن بہ دن قوی ہونا چاہیئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ یہ تعلق باعث زوال برامکہ ہوگا۔ اور جعفر کو کسی قسم کا نقصان پہنچیگا۔ جہاں تک ہو سکے آپ کو میری مواصلت میں سعی کرنا چاہیئے" چنانچہ عتابہ نے عباسہ کا کہنا مان لیا۔ اور وعدہ کیا کہ کسی حیلے سے میں تم کو جعفر سے خلوت میں ملا دونگی۔ اب عتابہ نے حیلے ڈھونڈھنا شروع کئے اور جعفر سے کہا کہ سنتی ہوں ان دنوں ایک کنیز بکنے واسطے[۲] آئی ہے۔ جو ملاحت صباحت کے علاوہ نہایت ہوشیار و سلیقہ شعار ہے۔ بلکہ آج اُسکا

حاشیہ[۱] یہ مضمون بہ روضۃ الصفا لکھا ہے لیکن مصنف اعلام الناس لکھتا ہے کہ ایک مشاطہ جو جعفر کے محل کی کنیزوں کا بناؤ سنگھار کیا کرتی تھی۔ عباسہ نے بذریعہ رشوت کے اُس کو اپنی طرف ملا لیا۔ اور لونڈیوں کے روپ میں اُسی کے ذریعے سے جعفر تک عباسہ پہنچ گئی۔ اعلام الناس صفحہ ۳۰۱۔ [۱] ابن خلکان میں لکھا ہے کہ ہر جمعہ کو ایک باکرہ کنیز جعفر کے پاس خلوت میں بھیجی جاتی تھی۔ چنانچہ عباسہ نے عتابہ سے یہی درخواست کی تھی کہ ایک جمعہ کو لونڈی کے روپ میں مجھے بھیج دو۔ لیکن عتابہ نے اس شرط کو اول نہیں مانا۔ تب عباسہ نے عتابہ سے کہلا بھیجا کہ اگر میری یہ شرط نا منظور کی تو میں ہارون سے کہدونگی کہ مجھ سے ایسا ایسا سلوک کیا گیا ہے۔ اور اگر میں جعفر سے حاملہ ہو گئی تو تمہارے حق میں اچھا ہوگا۔

[۲] ایسی گل اندام کنیزیں جس سے خلفاء عباسیہ کی مجلس کا رنگ دوبالا ہو جاتا تھا۔ وہ روم۔ ایشیائے کوچک کی خوب صورت لڑکیاں ہوتی تھیں جو لڑائی کی لوٹ میں پکڑ آتی تھیں۔ دلال اُن کو سننے والوں پر خرید لیتے تھے۔ اور موسیقی۔ شاعری۔ ایام العرب۔ ادب۔ خوشنویسی۔ ظرافت۔ اور حاضر جوابی کی تعلیم دلاتے تھے۔ ان فنون میں کامل ہو کر وہ نہایت گراں قیمت پر بازار میں بکتی تھیں۔ المامون حصہ دوم صفحہ ۲۳۹

مثل نہیں ہے۔ اور اس درجہ اس کی تعریف کی کہ جعفر غائبانہ مشتاق ہو گیا۔ اور بے صبر ہو کر اُس سے کہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہ کنیز خرید ہی جائے۔ چنانچہ عتابہ نے اقرار کیا کہ فلاں شب کو وہ آ جاوگی اور عباسہ کو اس حال سے مطلع کر دیا۔ لیکن عباسہ نے عتابہ کی ہدایت پر عمل نہیں کیا بلکہ اس ملاقات کے واسطے خود ہی یہ تدبیر سوچی کہ خلیفہ ہارون الرشید کی باغ میں دعوت کی جائے۔ عباسہ کا یہ باغ دجلہ کے کنارے نہایت عمدہ موقع پر واقع تھا۔ اور ہر قسم کے درختوں سے سرسبز تھا۔ چنانچہ عباسہ نے ہارون سے درخواست کی کہ اگر آپ مع مصاحبین اور ارکان سلطنت کے میری دعوت قبول فرمائیں تو کمال مہربانی اور بندہ نوازی ہے۔ اور میری یہ آرزو ہے کہ دس شبانہ روز تک باغ میں جشن کا جلسہ قائم رہے۔ ہارون نے اپنی عزیز بہن کی دعوت کو نہایت خوشی سے قبول کیا۔ عباسہ نے شاہانہ تکلف سے دعوت کی۔ اور مہمانداری کی کوئی شرط فروگذاشت نہیں ہوئی دستور کے موافق ہر روز ایک حسین کنیز خلیفہ کی خوابگاہ میں بھی بھیجی جاتی تھی۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو عباسہ نے ہارون سے کہا کہ آج تیسری رات ہے جعفر تنہا سوتا ہے کوئی کنیز بھی خدمت کے واسطے نہیں بھیجی گئی۔ اور میں بلا اجازت نہیں جا سکتی ہوں۔ اگر اجازت ہو تو ایک کنیز بھیج دی جائے۔ ہارون نے پوچھا کہ گزشتہ شبوں میں کیوں نہیں بھیجی گئی۔ عباسہ نے کہا کہ بلا اجازت کیونکر بھیجتی۔ ہارون نے کہا غلطی ہوئی آج ضرور بھیجنا چاہئے۔ اگرچہ عباسہ نے ہر روز ایک کنیز جعفر کے پاس بھیجی تھی مگر مصلحتاً انکار کر گئی۔ جب ہارون سے کنیز کے بھیجنے کی اجازت مل گئی تو عباسہ نے آج خود لونڈیوں کا سا روپ بھرا۔ اور شب خوابی کا لباس پہن کر جعفر کے پاس پہنچی ۔ اگرچہ عباسہ نے پہلے

بات کی کوشش کی تھی کہ جعفر اُس کو نہ پہچان سکے لیکن جعفر نے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اور ہارون کے خوف سے کانپنے لگا اور عباسہ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ اے سیّدہ میری ہلاکت میں کوشش نہ کر۔ میرے خاندان کی ذلت اور تباہی کا باعث نہو۔ تمہارے اور میرے دشمن بہت ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ یہ حال ظاہر نہو۔ صلۂ رحم اور محبت کا جوش ہارون سے سفارش کرکے تم کو قتل سے بچا لیگا لیکن میرے بھائی اور باپ ضرور قتل کرڈالے جائینگے۔ اور یہ تم کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ خلیفہ ہمارا دشمن ہے اور اس قسم کے بہانے ڈھونڈھ رہا ہے۔ عباسہ نے جعفر کی باتوں پر کچھ لحاظ نہ کیا۔ اور مذاق میں اُڑا دیا۔ اور نہایت نرم اور شیریں الفاظ میں جعفر سے کہا کہ ”میرے پیارے شوہر! کیا شرعاً میں تجھپر حلال نہیں ہوں۔ میری طرف دیکھ! کیا میری نظیر دنیا میں ہے۔ میرے اوپر سے ہزاروں جانیں قربان ہوں۔ تجھکو کیا ہوگیا ہے۔ کیا تو میرا شوہر نہیں ہے۔ اور میں تو کبھی کبھی ملنے کی خواستگار ہوں۔ اور اس حال سے کسی کو خبر بھی نہو گی۔ جعفر کے دل پر عباسہ کی تقریر کا پورا اثر پڑا۔ نہ ہارون کے معاہدے کا کچھ خیال رہا۔ نہ خاندان کی بربادی کی پروا کی اور اُس خلوت کدے میں بمقتضائے فطرت وہ سب کچھ ہوگیا جس کا ہارون مانع تھا۔ اس دن کے بعد دعوت کا جلسہ ختم ہوگیا۔ اس بے تکلفی کی ملاقات کے بعد چوری چھپے سے دونوں کبھی کبھی ملا کرتے تھے۔ اس واقعہ کی اگرچہ کسی کو خبر نہیں ہوتی لیکن عباسہ کے حمل نے اس راز کو طشت از بام کردیا۔ اور وضع

حاشیہ [۱] ابن خلکان، اعلام الناس اور روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ جعفر نے عباسہ کو نہیں پہچانا تھا۔ صبح کو عباسہ کے کہنے پر معلوم ہوا کہ وہ کنیز نہیں تھی بلکہ خود شہزادی عباسہ تھی۔ تب عتابہ کا فریب جعفر کو معلوم ہوا اور صبح کو اس سے یہ شکایت کی کہ تونے مجھے کیسے داموں پر بیچ ڈالا۔ ابن خلکان صفحہ ۳۳۳ [۲] ضیاء برنی صفحہ ۲۲۔

حمل کے بعد بہ خیال بدنامی عباسہ نے اُس لڑکے کو مکہ معظمہ کو روانہ کردیا۔ اور سوا ے عباسہ کی کنیزوں کے اور کوئی اس حال سے واقف نہوا۔ لیکن آخر کب تک یہ واقعہ چھپ سکتا تھا اتفاق سے عباسہ کی ایک کنیز زبیدہ خاتون سے مل گئی اور اُس نے یہ تمام حالات زبیدہ سے بیان کردئے۔ چونکہ زبیدہ کو جعفر اور عباسہ دونوں سے ولی رنج تھا لہذا ہارون سے جعفر کی شکایت کا اب یہ اچھا موقع مل گیا اور قطع نظر عداوت سابقہ کے یحیٰی ناظر حرم کی بعض سختیاں بھی زبیدہ کو ناگوار خاطر تھیں اس وجہ سے عباسہ کے تمام پوشیدہ حالات ہارون سے صاف صاف کہدیئے ہارون یہ واقعات سُنکر سناٹے میں رہگیا۔ اور زبیدہ سے پوچھا

حاشیہ [۱] کہا جاتا ہے کہ جو غلام اس لڑکے کے ہمراہ گیا تھا اُس کا نام ریاش اور دایہ کا نام برہ تھا [۲] مصنف اعلام الناس لکھتا ہے کہ زبیدہ نے اول یہ حالات خود نہیں بیان کیئے بلکہ ارجوان خادم کی زبانی ہارون تک پہنچائے اور یہ خادم جعفر کے پاس بطور مخبر کے تعینات تھا۔ جب ارجوان نے سب حالات بیان کر دیئے تو خود اس کی تائید کی اور بہت کچھ بڑھا کر عباسہ اور جعفر کی شکایت کی بعدہٗ ہارون الرشید نے ارجوان کو قتل کر دیا تاکہ یہ راز افشا نہو"

[۳] جب یحیٰی ضعیف ہو گیا تو ہارون نے مختلف خدمتیں یحیٰی کے سپرد کردیں تھیں چنانچہ حرم سرا کی نظارت بھی یحیٰی کے سپرد تھی یحیٰی کے حکم سے محل میں خواجہ سراؤں کا آنا جانا بالکل بند ہو گیا تھا اور محل کے تمام دروازوں میں تالا لگا کر اور کنجیاں لے کر چلا جاتا تھا۔ اس وجہ سے حرم کو تکلیف تھی۔ ایک مرتبہ زبیدہ نے اس کی ہارون الرشید سے شکایت کی تو ہارون نے جواب دیا کہ یحیٰی کا کوئی فعل خلاف مصلحت نہیں ہے۔ محل کی نگرانی اس کے سپرد ہے اس وجہ سے ایسا حکم جاری کر دیا ہوگا۔ میں اس معاملے میں یحیٰی کو متہم نہ کرونگا۔ اور یحیٰی سے پوچھا کہ اے باپ زبیدہ آپ کی کیوں شکایت کرتی ہے! تو یحیٰی نے خفا ہو کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ میں تیرے حرم میں متہم ہوں۔ ہارون نے کہا میرا یہ خیال نہیں ہے۔ تب یحیٰی نے کہا پھر تو عورتوں کی باتیں کیوں سُنتا ہے۔ لیکن جب زبیدہ نے دوبارہ یحیٰی کی شکایت کی اور اُس نے مثل اول کے ٹال دیا تو زبیدہ نے غصے ہو کر ہارون سے کہا کہ تعجب ہے یحیٰی ہماری تو اس قدر نگرانی کرتا ہے مگر اپنے بیٹے جعفر کی کچھ بھی خبر نہیں لیتا ہے جو سخت جور و ظلم کا باعث ہو رہا ہے تب ہارون نے متعجب ہو کر پوچھا کہ وہ کیا معاملات ہیں جس کی یحیٰی کو خبر نہیں ہے۔ تب زبیدہ نے جعفر و عباسہ کے عشق و محبت کا تذکرہ کیا۔ از روضۃ الصفا و ابن خلکان حالات زوال برامکہ۔

کہ "تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ جعفر نے ایسا کیا ہے؟ زبیدہ نے کہا کہ "ہاں عباسہ کے لڑکا پیدا ہوا ہے اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے" پوچھا کہ وہ لڑکا کہاں ہے۔ زبیدہ نے کہا کہ وہ یہاں موجود تھا۔ لیکن جب اس کے ظاہر ہونے کا خوف ہوا تو عباسہ نے مکہ معظمہ کو روانہ کر دیا ہے" رشید یہ سنکر چپ ہو گیا اور زبیدہ سے کہا کہ "دیکھو خبردار محل کی کوئی کنیز بھی اس حال سے واقف نہ ہونے پائے" زبیدہ نے جواب دیا کہ اس محل میں ایسی کون کنیز ہے۔ جو اس حال سے واقف نہیں ہے۔ تب ہارون الرشید خاموش ہو رہا اور اپنے دلی خیالات کو کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیا کہ اس کو اپنے وزیر سے رنج ہے۔ لیکن برامکہ کی تباہی اور بربادی کے خیالات اس کو اسی وقت سے پریشان کرنے لگے۔ اور دل ہی دل میں منصوبے باندھنا شروع کئے۔ آخر تصدیق واقعات کی غرض سے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کیا۔ اور جعفر کو بھی ہمراہ لیا جب عباسہ کو ہارون کی روانگی معلوم ہوئی تو اس لڑکے کو مکہ معظمہ سے یمن کی طرف روانہ کر دیا۔ اس جگہ پر پہنچکر مورخین میں اختلاف ہے ایک گروہ کا تو یہ قول ہے کہ وہ لڑکا مکہ معظمہ میں ملا۔ اور ہارون نے اس کو اپنی بہن عباسہ اور جعفر سے مشابہ پایا بچے کو رحم کھا کر چھوڑ دیا لیکن جعفر کو قتل کر ڈالا۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ بعد قتل جعفر کے ہارون نے مدینہ منورہ کا سفر کیا۔ اور وہاں دو لڑکے عباسہ کے اس کے حضور میں پیش کئے گئے۔ ان بچوں کو دیکھ کر ہارون کو نہایت ہی تعجب ہوا کیونکہ علاوہ حسن و جمال کے ان کی بات نہایت فصیح شستہ اور ان کی وہ فصاحت و بلاغت آل ہاشم میں ہونا چاہئے وہ ان میں موجود تھی۔ چنانچہ ہارون نے بڑے لڑکے سے پوچھا کہ اے قرۃ العین تمہارا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ "میرا نام حسن ہے"

پھر چھوٹے سے پوچھا کہ "اے میرے پیارے تجھکو کیا کہکے پکارتے ہیں"؟ تو اُس نے کہا کہ مجھ کو حسین کہتے ہیں"۔ چنانچہ اُن لڑکوں کو بغور دیکھتا رہا پھر خوب رویا اور لڑکوں کو مخاطب کرکے کہا کہ "تم دونوں مجھ کو بہت ہی پیارے معلوم ہوتے ہو جو تم کو ستائے خدا اُس پر رحم نہ کرے"۔ لیکن یہ نہ سمجھا کہ میں حقیقت میں کیا کہہ رہا ہوں اور کیا کر رہا ہوں۔ کیونکہ تھوڑی ہی دیر میں مسرور کو حکم دیا کہ حسن و حسین دونوں کو قتل کرکے اُس صندوق میں جس میں عباسہ کی نعش ہے بند کرکے دفن کردے۔ چنانچہ ہارون کے حکم سے یہ دونوں بچے قتل ہوئے اور اپنی ماں کے ساتھ ایک ہی صندوق میں زیر زمین دفن کردئے گئے۔ اس کے بعد جو اسباب زوال برامکہ کے ہوئے وہ ان مؤرخین کے نزدیک تتمہ اس واقعہ کے ہیں۔

طبری کی غلط روایت پر محققانہ نظر

طبری کے چند الفاظ اور مختصر روایت پر جس قدر طول طویل افسانہ لکھا گیا ہے وہ ہم لکھ چکے ہیں۔ لیکن اس روایت کو صحیح سمجھنا سخت غلطی ہے کیونکہ اصول روایت و درایت سے جہاں تک اس فرضی واقعہ کی تحقیقات کی گئی تو کوئی بھی اصلیت نہیں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ اسلام کی ابتدائی تاریخوں میں طبری نہایت مستند ہے اور واقعات تاریخی بہ سند متصل لکھے گئے

حاشیہ ۱؎ مصنف اعلام الناس لکھتا ہے کہ ارجوان نے ہارون سے یہ بھی کہا تھا کہ عباسہ اور جعفر میں غفیہ طور پر رسم سات برس سے ہے۔ چنانچہ تین لڑکے پیدا ہوچکے ہیں ایک چھ برس اور دوسرا پانچ برس کا ہے تیسرا دو برس کا ہو کر فوت ہوچکا ہے۔ یہ دونوں لڑکے اس وقت مدینہ منورہ میں موجود ہیں۔ اور اس وقت بھی عباسہ حاملہ ہے۔ چنانچہ یہ سنکر ہارون نے مسرور کو حکم دیا کہ رات کے وقت جلاد اور دس مزدور حاضر کرے۔ چنانچہ وقت مقررہ پر ہارون عباسہ کے خوابگاہ کے کمرے میں گیا عباسہ کو حاملہ پایا۔ اور اس کو سوتے میں قتل کردیا۔ اور جس طرح سو رہی تھی ویسی ہی اس کی نعش ایک صندوق میں رکھ کر تالا لگادیا اور یہ صندوق ایک کنواں کھود کر اسی مکان میں دفن کردیا گیا اور بعدازاں یہ مزدور بھی بوروں میں بھر کر سی دئے گئے اور دجلہ میں ڈبو دیئے گئے اسکے بعد جعفر قتل کروادیا گیا۔

ہیں۔ لیکن یہ بھی طے شدہ مسئلہ ہے کہ بہت سے واقعات جو قصہ و کہانی کے درجہ میں ہیں وہ بھی بلاتحقیق اور بغیر لحاظ اسباب و علل کے جو اس وقت لوگوں میں مشہور ہو رہے تھے لکھ دئے ہیں جس کو پچھلے مورخوں نے تاریخی اصول سے غلط ثابت کر دیا ہے لیکن چند روایات کی غلطی سے طبری کی عظمت و شان میں کچھ فرق نہیں آسکتا ہے۔ کیونکہ مشاہیر مورخین میں طبری کا درجہ ابن اسحاق۔ ابن کلبی۔ محمد بن عمر والواقدی۔ سیف بن عمر الاسدی۔ اور مسعودی کے ہم پلہ ہے۔

روایت مذکورہ بالا میں (اصل الفاظ پر غور کرو) طبری نے جن لفظوں میں جعفر و عباسہ کے نکاح کا واقعہ لکھا ہے وہ بہت صاف ہیں جس سے ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ احمد بن زہیر کا قول عام روایت کی بنا پر ہے۔ نہ مورخانہ حیثیت سے طبری نے اس کو لکھا ہے نہ خود تسلیم کیا ہے کیونکہ آگے چل کر جو اسباب قتل جعفر کے طبری نے لکھے ہیں وہ بلا ترجیح ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ مذکور واقعہ مسلمہ نہیں ہے۔ بلکہ اسی قسم کی تاریخی غلطی ہے۔ جس کی بہ کثرت نظیریں تاریخ میں موجود ہیں اور طبری کے بعد جو تاریخیں لکھی گئیں ان کا طرز بھی جداگانہ تھا۔ بعض مورخ اختصار اور نقل روایت کو پسند کرتے تھے اور بعض طوالت کو لیکن اس اصول پر بھی پورے طور پر عملدرآمد نہیں کیا گیا۔ کیونکہ جو مختصر پسند تھے انہوں نے یہاں تک اختصار کیا کہ سلاطین کے حالات میں صرف ان کے ناموں پر اکتفا کیا نہ ان کے نسب نامے لکھے نہ عام اخلاق و عادات دکھائے۔ نہ اصول سلطنت پر بحث کی۔ نہ ملک کے جغرافیہ اور عام طبعی حالات پر لحاظ کیا اور ہر مضمون کو ناقص اور ادھورہ چھوڑ دیا

اس وجہ سے ایسی تاریخیں نہ مقبول ہوئیں نہ معتبر سمجھی گئیں اور جنھوں نے مفصل لکھا انھوں
نے تقلیداً متقدمین کے تمام قصص و حکایات کو بھی تاریخ کے دائرے میں شامل کرلیا اور جوں کا
بعینہٖ نقل کرتے چلے گئے یہاں تک کہ جا بجا عنوان تبدیل کردئے جس سے اصل واقعہ کی
ابتدا اور انتہا دونوں غائب ہوگئیں بہرحال ایسی تاریخیں[۱] جو دونوں عیبوں سے پاک ہیں
وہ بہت تھوڑی ہیں چنانچہ علامہ ابن خلدون کی یہ رائے آب زر سے لکھنے کے قابل ہے
کہ فن تاریخ بظاہر تو نہایت آسان ہے۔ اور اس کا سمجھنا ہر عالم و جاہل کو یکساں ہے۔ کیونکہ
گذشتہ زمانے کے واقعات اس سے خوب معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت اس کے
واسطے نہایت غور و تامل کی ضرورت ہے تاکہ ان واقعات کے اسباب دریافت ہوں۔ مثلاً
فلاں واقعہ کیوں ہوا۔ اور اس کے شروع ہونے کا سبب کیا تھا۔ اور پھر انجام کیا ہوا اسلئے
فن تاریخ کو ایک عمدہ فن فنون حکمت سے سمجھنا چاہئے۔ مسلمانوں میں بڑے لائق مؤرخ
ہوئے ہیں جنھوں نے تاریخ اور اخبار کو عمدہ طور پر جمع کیا ہے۔ مگر انکے بعد جو مورخ ہوئے
اُنھوں نے تاریخ کو لغو اور وہمیات سے خلط ملط کر دیا ہے اور وہی بیہودہ باتیں اور ضعیف
روایتیں۔ اور فرضی قصہ کہانیاں ہم تک پہنچادی ہیں۔ نہ جن کے واقعات پر غور کیا گیا ہے
نہ حالات کی تنقیح پر توجہ کی گئی ہے۔ نہ جھوٹ کو سچ سے علٰحدہ کیا ہے اس لئے فن تاریخ
میں تحقیق اور تنقیح کم ہے اور اوہام و غلطیاں بہت ہیں۔ اگرچہ تقلید انسان کے رگ و پے

حاشیہ ۱؎ کتاب العبر و دیوان المبتدا و الخبر فی ایام العرب و العجم و البربر۔ کتاب المختصر فی احوال البشر۔ کتاب المواعظ و الاعتبار فی بیان الخطط
والآثار علامہ مقریزی۔ اسی قسم کی تاریخیں ہیں۔ اور تمام واقعات صحیح اور اصول تاریخ کے مطابق ہیں ؎

میں سمائی ہوئی ہے اور جہالت سب کو گھیرے ہوئے ہے گر سچ ہمیشہ سچ ہے جس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا۔ اور جھوٹھ ہمیشہ جھوٹھ ہے جو ذرا سی فکر میں معلوم ہو جاتا ہے۔ اور ناقل ہمیشہ بلا تمیز صحت و غلطی کے نقل کر سکتا ہے۔ لیکن صرف عقل و ادراک ہی ایک ایسی چیز ہے جو خطا اور ثواب کو جدا کر سکتی ہے۔ اور علم ہی وہ شے ہے جس سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور آگے چلکر تاریخ کی فضیلت میں لکھا ہے کہ "جو شخص[۲] دینی و دنیاوی باتوں کی تحقیق چاہتا ہو اُسے تاریخ سے واقف ہونا ضرور ہے۔ لیکن اس فن میں چند امور کا لحاظ رکھنا واجبات سے ہے اول ماخذ کا دریافت کرنا۔ دوسرے اُس پر غور و تامل کرنا۔ اور اُس کی تصدیق و تنقیح میں ثابت قدم رہنا۔ کیونکہ یہی دو باتیں انسان کو لغزشوں اور غلطیوں سے بچاتی ہیں۔ اگر ایسا نہ کیا جائے اور محض نقل و روایت پر اعتبار کیا جائے اور عادت و سیاست اور دنیا کی طبیعت اور جماعت انسانی کے مستحکم اصول پیش نظر نہ رکھے جائیں اور غائب کو حاضر پر اور گزشتہ کو حال پر قیاس نہ کیا جائے تو کچھ شک نہیں ہے کہ انسان لغزش سے کبھی نہیں بچے گا۔ اور قدم اُس کا رہ راست سے ضرور ڈگ جائے گا۔ اور اکثر مورخین۔ مفسرین۔ اور ائمہ نقل سے واقعات روایات کے بیان کرنے میں یہی غلطی ہوئی ہے کیونکہ اُنہوں نے محض نقل پر بھروسہ کر لیا اور اُسکے عیب و ثواب پر نظر کی نہ اُن کو اصول و قواعد سے جانچا نہ نظائر و شواہد پر قیاس کیا نہ حکمت و عقل کی کسوٹی پر کسا۔ نہ خود موجودات کے طبائع سے واقف ہوئے۔ نہ غور و تامل اور سمجھ بوجھ کو ان باتوں کی تحقیق میں دخل دیا۔ اس لئے وہ حق سے بہک گئے اور وہم و غلطی کے جنگل میں

حاشیہ: [۱] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳ مطبوعہ ازہریۃ المصریہ [۲] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۹۔

جاپڑے۔ خصوصاً اعداد[1] کے بیان اور مال و لشکر کے شمار میں تو اُنہوں نے ایسا مبالغہ کیا ہے کہ بادی النظر میں جھوٹ اور غلط معلوم ہوتا ہے۔

ناظرین! علامہ ابن خلدون نے جو اصول تاریخ نویسی کے لکھے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فن کس قدر مشکل ہے۔ اور مورخین کو محض واقعات کے نقل کر دینے سے کیا کیا دقتیں پیش آتی ہیں چنانچہ جعفر و عباسہ کا واقعہ بھی اسی قسم کے غلط اور مہمل افسانوں کا ایک ٹکڑہ ہے۔ اور چونکہ سیکڑوں واقعات اس قسم کے تاریخوں میں موجود ہیں جن کو عوام صحیح سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بالکل جھوٹے قصے ہیں اس لئے بطور نظیر کے صرف دو واقعے ہم مقدمہ ابن خلدون سے نقل کرتے ہیں جن کو علامہ موصوف نے عقلی قرائن کی بنا پر غلط قرار دیا ہے۔ اگرچہ سوانحعمری کا یہ طرز نہیں ہے کہ اس قدر طول طویل عبارتیں نقل کی جائیں۔ مگر چونکہ ہم کو ایک غلط واقعہ پر مفصل تبصرہ لکھنا ہے اسلئے امید ہے کہ ناظرین ان نظائر کو خارج از بحث قرار نہ دیں گے بلکہ یہ بحث ان کو مسئلۂ متنازعہ کے حل کرنے میں اصول موضوعہ کا کام دے گی۔ و ہو ہذا۔

جنت الارم یا شداد کی بہشت منجملہ ان واہی تباہی خبروں کے جن کو مفسرین نے بھی اپنی تفسیروں میں لکھا ہے اور جس کا خراب اثر

حاشیہ [1] اس کی نظیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات ہیں کہ میدان جنگ میں صرف وہ نوجوان جن کی عمر بیس برس کی تھی چھ لاکھ تھے۔ علاوہ مصر و شام کی فوجوں کے حالانکہ حضرت موسےٰ اور اسرائیل میں صرف چار پشت کا فرق تھا اس قدر مدت یعنے دو سو بیس برس میں نسل کی اس قدر ترقی نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مصر میں جب حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لائے ہیں تو اس وقت بنی اسرائیل کی کل تعداد ستر نفر تھی۔

مذہب اسلام پر پہنچا ہے سب سے بیہودہ اور بعید از قیاس وہ روایت ہے جو سورہ والفجر کی آیت اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُہَا فِی الۡبِلَادِ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ارم ایک شہر کا نام تھا جس کے بڑے بڑے ستون تھے اور عاد بن عوص بن ارم کے دو بیٹے تھے۔ شدید و شداد جو اس کے بعد وارث تاج و تخت ہوئے۔ شداد نے جنت کی صفت سنکر اسکے مثل ایک جنت بنانی چاہی۔ چنانچہ عدن کے جنگلوں میں تین سو برس میں اس نے ایک شہر بنایا اور خود شداد کی عمر نو سو برس کی تھی اور جو شہر کہ اس نے بنوایا تھا وہ بہت بڑا تھا دیواریں اس کی چاندی سونے کی اینٹ سے۔ اور ستون اس کے زبرجد و یاقوت سے بنائے گئے تھے۔ اور جبکہ وہ بن کر طیار ہوا تو شداد اپنی سب فوج کے ساتھ چلا جب وہ شہر ایک منزل رہ گیا تب خدا نے ایک ایسی ہولناک آواز آسمان سے بھیجی کہ وہ سب مر گئے۔ اس روایت کو طبری۔ ثعالبی اور زمخشری۔ وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے۔ اور عبداللہ بن قلابہ صحابی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ اپنے اونٹ کو ڈھونڈھتے ہوئے اس شہر میں پہنچے اور بیشمار جواہرات وہاں سے رول کر اپنی جھولی میں بھر لائے جب معاویہ بن ابی سفیان کو خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت عبداللہ کو طلب کر کے سارا قصہ پوچھا۔ پھر کعب احبار سے اسکی تصدیق کی کعب احبار نے کہا کہ "یہ شہر ارم ذات العماد ہے اور اس میں ایک شخص مسلمانوں میں سے آپ کے زمانے میں داخل ہوگا۔ سرخ رنگ۔ پست قد۔ اور ابرو اور گردن پر تل ہوگا اور وہ اونٹ

حاشیہ [1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ [2] ترجمہ "کیا تو نے نہیں دیکھا کس طرح پر کیا تیرے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ جو ارم کی اولاد تھی۔ اور ایسی قد آور تھی کہ اسکے مانند شہروں میں پیدا نہیں کئے گئے تھے۔

کی تلاش میں وہاں پہنچے کا پھر جب اُنہوں نے ابن قلابہ کو دیکھا تو کہا خدا کی قسم یہ وہی شخص ہے
اس روایت کو لکھ کر علامۂ موصوف لکھتے ہیں کہ" اس شہر کی خبر آج تک کبھی نہیں سنی گئی نہ
یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچی کہ زمین کے کسی ٹکڑے پر ایسا شہر آباد ہے۔ اور عدن کا میدان جہاں
ایسے شہر کا بنایا جانا گمان کیا جاتا ہے۔ وسط یمن میں واقع ہے۔ اور برابر اس کی آبادی چلی آتی
ہے۔ اور مسافر و سیاح تمام ملکوں سے وہاں آتے جاتے رہتے ہیں لیکن کسی ایک نے ایسے شہر کی
خبر کی نقل نہیں کی۔ نہ کسی اور قوم نے اسکا حال بیان کیا پس اگر یہ کہا جاتا کہ یہ شہر ویران ہو گیا
اور اس کے آثار اب باقی نہیں رہے تو زیبا تھا مگر ان کے کلام سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آج
تک موجود ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ **دمشق** ہے جس پر قوم عاد نے قبضہ کیا تھا۔ اور بعضوں کا
ہذیان یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ شہر نظر سے غائب ہے اور صرف جادوگر اور اہل
ریاضت کو نظر آتا ہے۔ یہ سب باتیں از قبیل خرافات و مضحکات ہیں۔ اور یہ سارے قصے اس وجہ
سے لکھے گئے ہیں کہ مفسرین نے صنعت عرب پر خیال نہیں کیا اور ذات العماد کو ارم کی صفت
قرار دے کر دھوکے میں پڑ گئے ورنہ اگر عماد سے ستون ہی مراد لئے جاویں تو بھی وہ صفت قوم
کی ہے کہ بوجہ ان کی قوت کے اس صفت سے ان کو موصوف کیا۔ نہ یہ کہ مراد اس سے کوئی خاص

حاشیہ ۱؎ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ خداوند تعالےٰ نے اس باغ اور محل کو جو قوم عاد نے تعمیر کیا تھا۔ دنیا سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ بھی منجملہ اور آسمانی بہشتوں کے ایک بہشت ہوگی لیکن یہ بھی بڑا اتہام ہے۔ ۲؎ اس معنے کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں قوم عاد کے مردہ پڑے ہوئے جسموں کی اُکھڑے ہوئے درختوں کے تنوں سے تشبیہ دی ہے وَاَمَّا عَادٌ فَاُھْلِکُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ الخ کَاَنَّھُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِیَۃٍ (سورہ الحاقہ ۹ تبارک الذی)

عمارت ہو پس کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ایسی کہانیاں بنائی جاویں۔ اور خدا کی کتاب کی آیتوں کی توجیہ کے لئے ایسے محامل بعیدہ تلاش کئے جاویں جن سے وہ ہر طرح سے پاک اور منزہ ہے۔[ل]

حاشیہ [ل] علامۂ موصوف نے شداد کے بہشت سے انکار کیا ہے۔ اور نے الحقیقۃ خدا کی بہشت کے مقابلے میں ایک کافر کی بہشت کا نشان بنانا ایک ہے جو ذرا بات بھی ہے۔ قرائن عقلی کی بنا پر جو کچھ اس وقت علامۂ موصوف نے لکھا تھا اس کی تائید حال کی تحقیقات سے ہوتی ہے کیونکہ قوم عاد کی آبادی عربیا کے تا یمن عرب کے ریتلے میدان میں تھی۔ ابو الفدا اور معالم التنزیل کی تحقیقات کے موافق بھی یہ قوم یمن و عمان کے قریب آباد تھی اور احقاف کہلاتی تھی۔ عرب کے نقشے میں جو ریگستان پچاس درجہ طول اور بیس درجہ عرض پر واقع ہے وہ الاحقاف ہے جہاں قوم عاد آباد تھی۔ اور انکے آثار آج تک ان مقامات کے ناموں میں پائے جاتے ہیں جو خلیج فارس کے کنارے پر بقرب و جوار کے میدانوں میں واقع ہے (دیکھو جغرافیہ ریورنڈ فاسٹر ملک عرب) چونکہ اپنے زمانے میں عوص کی اولاد دیگر قبائل سے بہت ممتاز تھی۔ اور شرقی و جنوبی عرب کی مالک تھی۔ اور جسامت و قوت وغیرہ میں اوروں پر فائق تھی اسلئے بطور مثال کے خداوند نے سورۂ والفجر میں عاد کا ذکر کیا ہے۔ انکے رہنے کی عمارتیں تھیں لیکن وہ ریگستانی محل اس قابل نہیں تھے کہ قرآن مجید میں ان کا ذکر کیا جاتا۔ یہ خیال اس آیت کی تفسیر میں علامۂ موصوف نے ظاہر کیا ہے تفسیر جلالین و بیضاوی و تفسیر کبیر میں بھی اس کی تائید کی گئی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جس طرح بنی ہاشم اپنے دادا ہاشم کے نام سے مشہور ہیں اسی طرح قوم عاد اپنے دادا ارم کے نام سے مشہور تھی۔ مختصر شجرہ قوم عاد اولیٰ کا یہ ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام

سام

۵	۴	۳	۲	۱
ارم	لود	ارفکسد	اشور	علام

ارم:

۴	۳	۲	۱
مش	جثر	حول	عوص

عوص ← عاد اولیٰ

جثر ← ثمود (عاد ثانی)

یہ بات بھی قابل یاد رکھنے کے ہے کہ مفسرین نے شداد کو جس عاد کی اولاد میں لکھا ہے وہ ایک تیسرا عاد ہے جسکا زمانہ ۱۷۰۰ برس قبل حضرت مسیح کے تھا یعنی عاد اولیٰ و ثانی کے بہت زمانہ بعد ہوا۔ یہ شداد عاد بن عبد الشمس (سبا اکبر) کی اولاد میں تھا اور اسکے باپ بھی نام دے بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تھا اور اسکی بڑی عالیشان عمارتیں جاتی تھیں جنکے نشان اب بھی پائے جاتے ہیں بہرحال تاریخی حیثیت سے بھی تفسیر نہیں ارم ذات العماد کے حالات غلط ہیں شداد کا قصہ جسکو مفصل دیکھنا ہو

حکایت پوران و زنبیل

ایسے ہی غلط اور بے سروپا زنبیل کا قصہ ہے جسکو مصنف عقد الفرید نے حالات شادی خلیفہ مامون الرشید میں لکھا ہے۔

حاشیہ سلہ علامہ ابن خلدون نے صرف عقد الفرید کا بلحاظ طوالت کے حوالہ دیدیا ہے لیکن بہ نظر دلچسپی ناظرین یہ طولانی قصہ شرح مقامات حریری سے بہت ہی مختصر کرکے لکھا جاتا ہے جس کو عربی کا مذاق ہو وہ عقد الفرید یا شرح بھی ملاحظہ کرے"

اسحاق موصلی کہتا ہے کہ میں ایک دن مامون الرشید کی خدمت میں حاضر ہوا خلیفہ عیش و طرب میں مصروف تھا۔ مجھے دیکھا تو علیحدہ کمرے میں لے گیا اور وہاں نبیذ کا دور چلنے لگا۔ جب شام ہو گئی تو مجھ سے کہا کہ "ذرا واپسی تک تم حاضر رہنا میں دار الحرم میں جاتا ہوں" جب آدھی رات گزر چکی اور خلیفہ واپس نہ آیا تب مجھے بھی وحشت ہوئی اور مکان کا قصد کیا کیونکہ ایک کنیز کی یاد نے مجھے بے چین کر دیا تھا۔ غرضکہ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ راستے میں پیشاب کی حاجت ہوئی تو ایک کوچے میں چلا گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ دیوار سے متصل ایک ریشمی زنبیل لٹکی ہوئی ہے اول تو میں سوچتا رہا لیکن پھر بے دھڑک اس میں بیٹھ گیا۔ میرا بیٹھنا تھا کہ ڈوریاں کھینچ گئیں۔ اور میں یکایک ایک خوشنما اور وسیع میدان میں جا اترا۔ جن چار کنیزوں نے مجھے اوپر کھینچا تھا ان میں سے ایک نے شمع ہاتھ میں لی اور میرے آگے آگے چلی اور ایک دوسرے کمرے میں لے گئی جو شاہانہ طرز پر سجا ہوا تھا۔ میں وہاں جا کر ٹھہرا تھوڑی دیر میں ایک پردہ اٹھایا گیا اور چند کنیزیں نمودار ہوئیں۔ جو عود کی انگیٹھیاں۔ اور شمع وغیرہ لیئے ہوئے تھیں۔ اور انکے ہمراہ ایک کمسن عورت تھی جو حسن و جمال کی دیوی تھی۔ چودھویں رات کا چاند اس کے حسن سے شرماتا تھا۔ میں فوراً اس کی تعظیم کے واسطے اٹھ کھڑا ہوا بہ کمال مہربانی مرحبا خیر مقدم کہہ کر مجھے بٹھایا اور میرے حالات سننے کی مشتاق ہوئی میں نے عرض کیا "ایک دوست کے مکان سے آتا ہوں اتفاقیہ اس کوچے میں آنکلا تھا۔ زنبیل کو معلق دیکھ کر حالت نشے میں بیٹھ گیا۔ اگر مجھ سے قصور ہوا ہو تو امیدوار معافی ہوں" کہا مضائقہ نہیں انجام بخیر ہے۔ پھر پوچھا تمہارا پیشہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ بزاز ہوں بغداد میں دکان ہے۔ کہا کہ کچھ اشعار سے ذوق ہے۔ میں نے کہا کچھ یونہی برائے نام۔ تب اس بی بی نے مجھے پڑھنے کی فرمایش کی۔ میں نے کہا کہ میں تو مہمان ہوں۔ میزبان کے سامنے اشعار پڑھتے ہوئے ذرا طبیعت رکتی ہے مناسب ہے کہ آپ ہی ابتدا کریں یہ سنکر بولی کہ سچ کہتے ہو۔ پھر اس نے محدثین کے اقوال اور قدما کے منتخب اشعار سنائے۔ تب مجھے نہایت تعجب ہوا میں یہ نہیں کہہ سکتا ہوں کہ باعث تعجب اس کا حسن و جمال تھا۔ یا کمال ادب یا طرز کلام؟ جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو وہ مجھ سے مخاطب ہوئی کہ ہاں اب شرم چھوڑو اور کچھ اشعار پڑھو میں نے الامر فوق الادب سمجھکر اساتذہ کے منتخب اشعار سنائے۔ ہر ہر شعر کو پسند کیا۔ غرضکہ یہ کہا کہ خدا کی قسم بازاری لوگوں میں یہ صفت نہیں ہو سکتی ہے۔ بعد اس صحبت کے دسترخوان بچھایا گیا۔ جو خوان سامنے آئے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ سوائے سلاطین کے اور کسی کو یہ نعمت میسر نہیں ہو سکتی ہے۔ جب اس سے فراغت ہوئی تو قصص و حکایات کا سلسلہ چھیڑا گیا۔ طرفین سے عمدہ عمدہ لطیفے اور

نظائر مذکورۂ بالا کے سوا بہت سے غلط واقعات ہیں جو اس محقق نے لکھے ہیں جس کو بلحاظ طوالت

قصے بیان کئے گئے۔ جب میں بیان کر چکا تو مجھ سے کہا تعجب ہے کہ ایک تاجر کو ایسی ایسی شاہانہ حکایتیں یاد ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا فرمانا صحیح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا ایک ہمسایہ دربار میں جایا کرتا ہے میں بھی اس کے پاس کبھی کبھی جا بیٹھتا ہوں۔ یہ قصے اُسکے سنے سنائے یاد ہو گئے ہیں۔ غرضکہ اسی قسم کے مذاکرے میں ساری رات کٹ گئی اور صبح کا وقت آگیا اُس وقت اس بی بی نے مجھ سے کہا کہ تم جامع صفات ہو۔ صورت بھی اچھی ہے ادب بھی جانتے ہو۔ لیکن میرے خیال میں صرف ایک چیز کی کمی ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا۔ کہا اشعار کا راگنی سے پڑھنا۔ میں نے کہا کہ مجھے بھی اس کی مدت سے آرزو ہے مگر افسوس ہے کہ یہ فن حاصل نہیں ہوا۔ اگرچہ میرا یہ انکار ظاہری تھا لیکن راگنی کے نام سے دل بے چین ہو گیا اور بول اٹھا کہ مناسب ہے اگر یہ تھوڑی سی رات نغمہ وسرود کے ساتھ ختم ہو۔ یہ سنکر بولی کہ یہ تو مجھ پر تعریض ہے میں نے کہا نہیں بلکہ ادب و فضل کی ابتدا آپ سے ہوئی تھی اختتام بھی آپ پر ہونا چاہئے۔ مجبوراً میری فرمایش پر عود بجایا۔ سبحان اللہ کیا کہنا تھا۔ جب میں نے بہت کچھ تعریف کی۔ تو کہا یہ بھی جانتے ہو کہ یہ کس کے اشعار ہیں اور طرز کس کا ہے؟ میں نے انکار کیا تو خود ہی جواب دیا۔ کہ یہ اشعار فلاں شاعر کے ہیں۔ اور راگنی اسحاق موصلی کی ہے۔ ہنوز باتوں کا تار نہیں ٹوٹا تھا کہ صبح کے آثار پیدا ہوئے اور ایک بوڑھی عورت نے جو اُس کی دایہ تھی آن کر کہا کہ بس! جلسہ ختم ہوتے ہی میں بھی رخصت ہوا۔ چلتے وقت مجھ سے کہا کہ خبردار کوئی راز ظاہر نہو۔" المجالس بالامانات" مکان پر پہنچکر بعد فراغ نماز فجر سوا رہا۔ ہنوز نیند پوری نہیں ہوئی تھی کہ خلیفہ مامون الرشید کے خادم نے آنکر جگا دیا اور ساتھ لے گیا۔ امیرالمومنین کو بھی رات کا خمار باقی تھا۔ رات کے جلسے کے حالات بیان کرنے لگے اور چونکہ فطرتی طور پر عورتوں سے زیادہ مانوس تھے رات ہوتے ہی پھر وہی دھن سوار ہوئی اور مجھ سے کہا کہ میں محل میں جاتا ہوں۔ میں نے کہا کہ بسم اللہ تشریف لے جائیے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ لیکن مجھے پھر وہی حکم ہوا کہ خبردار یہاں سے باہر نہ جانا۔ اور خدام کو تاکید کر دی گئی کہ اسحاق جانے نہ پائے۔ لیکن صبح ہوتے ہی تمام رات کا سماں میں بھی بھول نہیں سکتا تھا۔ اسلئے حاجب کو سمجھا بجھا کر نکل کھڑا ہوا اور سیدھا اُسی طریق سے کل والے محل میں جا پہنچا۔ آج بھی اسی قسم کی صحبت رہی۔ صبح کو مکان پہنچا۔ لیکن آج بھی خلیفہ کے خادم آئے اور اپنے ساتھ لے گئے۔ امیرالمومنین نے فرمایا کہ تم روز گھر بھاگ جاتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ حضور تو عیش وطرب میں مشغول رہتے ہیں تنہائی سے مجھے وحشت ہوتی ہے اسلئے چلا جاتا ہوں لیکن اسی وقت حاضر ہوں۔ غرضکہ ادھر اُدھر کی باتوں میں دن ختم ہو گیا اور خلیفہ نے محل میں جاتے وقت یہ اقرار مجھ سے کرا لیا کہ آج صبح تک حاضر رہونگا۔ لیکن خلیفہ کے جاتے ہی پھر خیالات نے پریشان کر دیا۔ اور پہرے کی حراست سے بھاگ نکلا۔ لیکن آخر گرفتار ہوا۔ مگر کسی کو چادر کسی کو انگوٹھی دیکر اور کسی کی خوشامد کر کے رہائی کرلیا۔ اور سیدھا محل میں جا پہنچا مجھے دیکھتے ہی اُس بی بی نے فرمایا کہ تم نے تو اپنا گھر بنا لیا ہے ہر روز بھاگے چلے آتے ہو۔ میں نے کہا کہ

ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ اگر ناظرین کو شوق ہو تو مقدمۂ ابن خلدون ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن خاص

مہمان کی مدت تین روز تک ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگر میں حاضر ہوں تو میرا خون حلال ہے۔ پھر مجلس شروع ہوئی اور معمول کے موافق
جلسہ رہا۔ چونکہ آج تیسرا دن اور آخری جلسہ تھا میں نے خیال کیا کہ خلیفہ تک یہ حالات ضرور پہنچیں گے۔ اسلئے میں نے کہا میرا ایک
چچازاد بھائی بھی ہے جو کہ مجھ سے زیادہ خوبصورت۔ ادیب۔ اور ماہر موسیقی ہے۔ اسحاق کی تمام راگنیوں کا حافظ ہے یہ سنکر مجھ سے
کہا کہ طفیلی ہو کر اس قدر شوخیاں کرتے ہو۔ میں نے کہا آپ کو اختیار ہے۔ پھر کہا کہ اچھا اگر تمہارا بھائی ایسا ہی ہے جیسا کہتے ہو تو ہمیں
اسکے لانے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ چونکہ صبح ہو گئی تھی۔ میں بھی رخصت ہو کر گھر پہنچا لیکن پہنچتے ہی گرفتار ہو گیا اور آج پھر اسی طرح
بری طرح سے لے گئے۔ مامون الرشید غضبناک بیٹھا تھا دیکھتے ہی کہا اسحاق تو باغی ہو گیا ہے۔ اور اس قدر انحراف کا کیا سبب ہے
سچ کہہ! میں نے عرض کیا کہ خلوت میں گزارش کرونگا۔ چنانچہ جب مجمع منتشر ہو گیا تو میں نے تمام کہانی سنا دی۔ کہا اگر مطابق واقعہ کے
ہو تو خیر ورنہ سزا دی جائیگی۔ جب وقت مقررہ پہنچا تو میں مامون الرشید کو اپنے ساتھ لے کر چلا لیکن راستے میں پہلے یہ سمجھایا کہ براہ مہربانی آپ مجھے
وہاں حکومت نہ کیجیے گا۔ نہ سلطنت کا کوئی اظہار ہو۔ بلکہ میرے تابع ہونا پڑے گا۔ امیرالمومنین نے اقرار کیا۔ لیکن یہ کہا کہ اگر اس عورت
نے مجھ سے متعلق راگنی کے کچھ فرمایش کی تو میں کیا کرونگا۔ میں نے کہا اس کا بندوبست میں کرلونگا۔ غرضکہ مامون الرشید کو سمجھا کر
اس محل تک میں لے گیا۔ اور زنبیل میں بیٹھکر دونوں محل میں جا اترے اور ہم دونوں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ مامون تو اس کا حسن و جمال
دیکھ کر غش کر گیا۔ جب اس بی بی نے مامون کو میرے پاس بیٹھے دیکھا تو مجھ سے کہا کہ اپنے بھائی کے ساتھ تم نے انصاف نہیں کیا۔
اور مامون سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ میرے قریب صدر میں بیٹھیں یہ تو گھر کے آدمی ہیں (کیونکہ چوتھا دن تھا) آپ ہمارے مہمان
ہیں۔ چنانچہ پھر علمی مباحثے ہونے لگے لیکن مامون ہر ایک بات میں اس پر غالب رہا۔ بعد اس مذاکرہ کے نبیذ کا دور چلا۔ اور
ساتھ ہی اس کے اس بی بی نے عود بجانا شروع کیا۔ چونکہ مامون تین رطل پی چکا تھا سرور زیادہ ہوا اور اسی حالت مدہوشی میں
تیز نظروں سے مجھے دیکھ کر زور سے کہا کہ اسحاق! میں نے کہا لبیک یا امیرالمومنین۔ کہا فلاں راگ شروع کر۔ مامون کی
زبان سے یہ کلمہ سنتے ہی وہ بی بی سمجھ گئی کہ یہ امیرالمومنین مامون الرشید ہیں جھٹ پردے میں چلی گئی۔ جب میں گانے سے فارغ ہوا تو
پوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے ایک کنیز بولی کہ حسن بن سہل کا (اس وقت یہ وزیر اعظم تھا) حکم ہوا کہ فوراً حسن حاضر کیا جائے۔ ایک بڑھی عورت اسکو
بلا لائی۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تمہاری کوئی بیٹی ہے۔ عرض کیا کہ ہاں ایک کنیز ہے جس کا نام بوران ہے پھر پوچھا کہ شادی ہو چکی ہے۔ جواب ملا
نہیں کہا اچھا میں اسکا خطبہ کرتا ہوں۔ حسن نے کہا کہ بوران آپ کی لونڈی ہے آپ کو اختیار ہے چنانچہ تیس ہزار نقد وجواہر پر عقد ہو گیا خلیفہ
نے مجھ سے کہا کہ خبردار اس واقعہ کو کسی سے نہ کہنا چنانچہ اسحاق کہتا ہے کہ میں نے اس واقعہ کو امیرالمومنین مامون الرشید کے انتقال تک کبھی
ظاہر نہیں کیا۔" دیکھو عقد الفرید مطبوعہ جلد ۳ صفحہ ۵۰ مطبوعہ مصر و مقامات حریری مشہور بہ شریشی جلد ۱ صفحہ ۲۰۴۔ علامہ ابن خلدون کے
نزدیک یہ جلسہ بھی محض لغو ہے۔ البتہ شادی کا ہونا مسلم ہے اور واقعہ تاریخی ہے۔ لیکن نہ اس رنگ پر۔ حالات شادی نہایت دلچسپ ہیں
لیکن ہم اس سے زیادہ نہیں لکھ سکتے۔ جس کو مفصل دیکھنا منظور ہو وہ اردو میں تاریخ المامون۔ اور عربی میں شرح مقامات حریری کی

جعفر و عباسہ کی شادی پر جو رائے اس نامور مورخ نے لکھی ہے وہ یہ ہے کہ "اقوال موضوعہ میں سے عباسہ کا بھی قصہ ہے جس کو برامکہ کے زوال میں تمام مورخین نے نقل کیا ہے کہ ہارون الرشید نے اپنی بہن عباسہ کا جعفر بن یحییٰ برمکی سے اس شرط پر نکاح کر دیا کہ دونوں میں خلوت صحیحہ نہو۔ اور مقصود اس نکاح سے یہ تھا کہ جعفر و عباسہ دونوں اسکی مجلس میں بے تکلف آسکیں لیکن جب عباسہ کو جعفر سے دلی محبت ہوگئی تو اُس نے کسی حیلے سے خلوت صحیحہ حاصل کی اور وہ حاملہ ہوگئی۔ جب رشید کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ نہایت غضب ناک ہوا لیکن یہ بالکل جھوٹا قصہ ہے۔ اور کسی طرح پر ممکن نہیں ہے کہ ہارون الرشید جیسا بلند ہمت اور عظیم القدر خاندان والا شخص اپنے عربی شرف کو عجم کے ایک غلام سے رشتہ داری کر کے خراب کرے گا۔ اگر کوئی غور و انصاف کی نظر سے دیکھیگا تو اس کو صاف معلوم ہوجائے گا کہ یہ بالکل گڑھت ہے۔ کہاں خلیفہ ہارون الرشید اور عباسہ۔ اور کہاں ایک عجمی غلام جعفر! دونوں کے مرتبے اور شان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برامکہ کے ادبار کے اسباب کچھ اور ہی ہیں"۔

ملاحظہ کرے جس شان و شکوہ سے مامون الرشید کی یہ شادی ہوئی ہے اسکی نسبت عربی مورخوں کا یہ فخریہ دعوے ہے کہ گزشتہ اور موجودہ زمانہ میں کوئی اسکی نظیر نہیں دکھا سکتا۔ [1] خلیفہ ہارون الرشید کا تقدس مذہبی اور عزت خاندانی ظاہر ہے کیونکہ ہارون الرشید سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تک صرف چار پشت کا فرق ہے (ہارون بن مہدی بن عبداللہ ابو جعفر منصور بن محمد سجاد بن علی بن عبداللہ بن العباس) اور حضرت عبداللہ بن عباس ترجمان القرآن اور ابن عم رسول اللہ صلعم کے ہیں۔ اب باقی رہی نسب کی بحث۔ چنانچہ فقہا کا اسپر اتفاق ہے کہ ایک قریشی دوسرے قریشی کا کفو ہے۔ اور اسیطرح پر بقیہ قبائل عرب باہم کفو ہیں۔ لیکن کوئی عجمی کبھی کسی عربی کا کفو نہیں ہو سکتا ہے۔ اگرچہ وہ عالم اور بادشاہ ہی کیوں نہو۔ اور رد المختار میں علامہ شامی نے بحرالرائق سے نقل کیا ہے کہ اگر ہاشمیہ کسی قریشی غیر ہاشمی سے نکاح کرے تو وہ جائز رکھا جاویگا۔ اور اگر عربی غیر قریشی سے نکاح کرے تو اسکے ولی کو اختیار ہے کہ اس نکاح کو اسیطرح پر رد کر دے جس طرح سے کوئی عربی عورت کسی عجمی سے نکاح کر لے۔ اور عرب کے نزدیک عجم سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی عربی قبیلے کی طرف منسوب نہوں۔ اور اصطلاح عرب میں ان کا نام موالی و عتقا ہے خواہ عربی زبان بولتے ہوں یا نہیں۔

پھر اس کے بعد اپنے عقلی دعوے کے ثبوت میں علامۂ موصوف نے خلیفہ ہارون الرشید کی خانگی زندگی پر یہ رائے لکھی ہے کہ "ہارون الرشید پر یہ الزام کہ وہ اپنے ہم نشینوں میں شراب پیا کرتا تھا اور ہمیشہ حالت نشہ میں رہتا تھا۔ حاش للہ یہ بالکل غلط ہے۔ اور اسکے مرتبۂ خلافت اور شان عدالت دونوں سے بھی یہ بعید ہے۔ کیونکہ ہارون الرشید کی ہر وقت علما صلحا سے صحبت رہا کرتی تھی اور فضیل بن عیاض اور ابن سماک سے گفتگو ہوا کرتی تھی اور سفیان ثوری سے مکاتبت جاری رہتی تھی۔ اور ان کے وعظ سے وہ متاثر ہوتا تھا۔ طواف کعبہ میں دعائیں مانگتا تھا۔ پنجگانہ نماز کا پابند تھا اور صبح کی نماز اول وقت جماعت سے پڑھا کرتا تھا طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ ہارون الرشید ہر روز ایک سو رکعت نماز نفل کی پڑھتا تھا۔ اگر ایک سال فتوحات ملکی میں رہتا تو دوسرے سال حج کرجاتا تھا۔ ابن ابی مریم جو اس دربار کا ایک مسخرہ تھا اُس پر ایک مرتبہ سخت ناراض ہوا جبکہ اُس نے نماز میں ہنسانا چاہا۔ اور یہی رشید ہے کہ جس نے امام مالک سے موطا لکھنے کی فرمایش کی تھی۔ جو ایسا شخص ہو بھلا وہ کیونکر (اُم الخبائث) کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ اور زمانۂ جاہلیت کے بھی تمام شرفا شراب سے پرہیز کرتے تھے۔ اور اس کا پینا برا جانتے تھے۔ یہی ہارون الرشید ہے جس نے ابونواس اپنے دربار کے ملک الشعرا کو اس جرم پر جیلخانہ بھیج دیا کہ وہ ہمیشہ شراب خواری میں مست رہتا ہے۔ ہاں اس سے انکار نہیں کہ وہ نبیذ پیتا تھا جس کی حلت کا علمائے عراق نے فتوے دیدیا تھا لیکن شراب کا پینا تو بالکل اتہام ہے۔ اور یہ شہرت بھی اخبارات موضوعہ سے ہے جو برابر تاریخوں میں نقل ہوتی چلی آئی ہے" قطع نظر عقلی دلائل کے

حاشیہ سلہ از مقدمہ ابن خلدون صفحہ۔ لغایت ۱۱ ۔

جو علامہ ابن خلدون نے لکھے ہیں ہمارے پاس واقعی ثبوت اس کا موجود ہے کہ عباسہ کی شادی خاص عباسیہ خاندان میں ہوئی ہے جس کو ہم آگے چل کر لکھیں گے اب اس موقع پر یہ دکھلانا ہے کہ احمد بن زہیر جو اصلی راوی اس واقعہ کا ہے اس کی روایت کس درجے تک قابل سند ہے کیونکہ واقعات تاریخی

احمد بن زہیر کی روایت کی غلطی

کے استدلال میں صرف وہی روایت مستند سمجھی جاتی ہے کہ جس میں سند کا سلسلہ علی التواتر ہو اور سب سے اخیر راوی جس پر اخبرنا و حدثنا کا سلسلہ ختم ہوئے ایسا شخص ہو کہ جو اس واقعہ میں شریک رہا ہو۔ جو سلسلہ روایت طبری نے لکھا ہے وہ احمد سے چل کر داہر پر ختم ہو جاتا ہے جو ایک ہی معتزلہ خاندان کے دو آدمی ہیں۔ اُن میں سے کسی ایک کا بھی کسی معاملہ یا مشورے میں شریک ہونا اور جعفر کے مقتل میں موجود ہونا پایا نہیں جاتا ہے۔ کیونکہ خود طبری نے اُن لوگوں کے نام لکھے ہیں جو اس معاملے میں اوّل سے آخر تک ہارون الرشید کے شریک و سہیم رہے ہیں جو مؤرخ اس کے مدعی ہیں کہ جعفر کی شادی عباسہ سے ہوئی ہے۔ اور یہی شادی خاندان برامکہ کی بربادی کا باعث ہوئی اُن کی دلیل روایت کی حیثیت سے بس یہی ہے کہ اس کو امام المؤرخین طبری نے لکھا ہے۔ لیکن خود انہوں نے اس کی جانچ نہیں کی ہے کہ طبری کے کون سے ایسے الفاظ ہیں جو قطعی طور پر ثبوت میں پیش ہو سکتے ہیں۔ علاوہ بریں طبری کی روایت پر جو حواشی لکھے گئے ہیں۔ اُن میں کوئی سلسلہ سند متصل کا نہیں ہے جس پر اعتبار کیا جائے بلکہ شاعرانہ خیالات کی بنا پر جو دل میں آیا ہے لکھتے چلے گئے ہیں۔ اگر واقعی وہ معاملات پیش آئے ہوتے جو ہم لکھ چکے ہیں تو طبری ہی اُن کو کیوں چھوڑ دیتا۔ اور چند کمزور

الفاظ پر احمد بن زبیر کی روایت کو ختم کر دیتا۔ کیونکہ طبری نے عقد عباسہ کی صرف دو وجہیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ ہارون الرشید کو جعفر اور عباسہ دونوں سے ایسا عشق تھا کہ جب تک دونوں پیش نظر نہ ہوں بے قرار رہتا اور کسی طرح صبر ہی نہ ہوتا۔ دوسری یہ کہ رات کی مجلس میں دونوں آتے تھے۔ مگر ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتا تھا۔ اسلئے یہ تجویز ہوئی کہ شرائط خاص پر عقد کر دیا جائے تاکہ عباسہ کا جعفر کو دیکھنا مباح ہو جائے۔ پہلے سبب کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ہارون الرشید کو بہ لحاظ فطری محبت اپنی بہن عباسہ سے اور بلحاظ ذاتی قابلیت وزیر جعفر سے ایسی محبت ہو گئی ہو جو عشق کے درجے تک پہنچتی ہے لیکن صرف مجلس میں دونوں کو شریک کرنے کے واسطے ایسی تکلیف اور خلاف شرع فعل کرنے کی ہارون کو کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فضل۔ جعفر۔ وغیرہ۔ ہارون الرشید کی اجازت سے دار الحرم میں جاتے تھے اور خلیفہ کی بیٹیاں اور بہنیں اُن کے سامنے آتی تھیں۔ کوئی پردہ نہ کرتا تھا۔ کیونکہ فضل و ہارون برادران رضاعی تھے۔ سلطنت اور وزارت کے خاندان میں کوئی مغائرت نہ تھی۔ باہمی میل جول اور معاشرت کے آداب ویسے ہی برتے جاتے تھے جو باپ بھائی اور بیٹیوں میں ہونا چاہئے۔

لیکن حقیقت[عه] یہ ہے کہ خلافت عباسیہ کے رقیبوں نے محض بدنام کرنے کے واسطے یہ قصہ

حاشیہ [عه] دیکھو، اعلام الناس صفحہ ۔۔ مطبوعہ بمبئی [عه] شیعی علماء نے جو تاریخیں لکھی ہیں وہ بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ جعفر کے قتل کا سبب عباسہ کا معاملہ تھا۔ لیکن جناب رئیس المحدثین سید نعمت اللہ الموسوی الحسنی الجزائری نے اپنی کتاب زہر الربیع میں حسب ذیل سبب لکھا ہے ”سبب استیصال برامکہ بظاہر حکایت خواہر رشید بود واما سبب حقیقی آن پس تقریب حضرت علی بن موسے الرضا علیہ السلام کردہ موقف وفات برایشاں تعزیر کرد بسبب آنکہ ایشاں حضرت کاظم علیہ السلام را اعانت کردند در سبب شہادت آں جناب ایشاں بودند۔“ جلد اول صفحہ ۲۰۳ مطبوعہ بمبئی

تصنیف کر کے مشہور کر دیا تھا۔ اور اسی مشہور افسانے کو طبری نے بھی بجنسہ نقل کر دیا ہے۔
ورنہ بلحاظ عام حالات خلیفہ ہارون الرشید۔ و اقتضائے شریعت۔ اور دیگر قرائن عقلی کے ہر
طرح پر یہ واقعہ غلط ہے۔ متاخرین مورخوں میں سے خاوند شاہ مصنف روضۃ الصفا نے بھی
خواہ تقلیداً یا بہ لحاظ حالات مشہورہ جعفر و عباسہ کا قصہ لکھا ہے۔ لیکن تسلیم کیا ہے کہ یہ افسانہ
ہے اور کسی تاریخی واقعہ میں اس کا شمار نہیں ہے۔ چنانچہ اپنے بچاؤ کے واسطے تمہید میں لکھتے
ہیں "از انجملہ قضیۂ جعفر و عباسہ خواہر ہارون ست و ایں قضیہ را خامہ مشکیں رقم از ثقہ نقل میکند اگر
فی الجملہ مخالفتے بہ روایات مسودہ داشتہ باشد معذور دارند" علیٰ ہذا القیاس ابن خلکان نے جو
واقعات لکھے ہیں اس سے بھی اس فرضی واقعہ کا ابطال ہوتا ہے۔ لیکن ان قیاسات کے
علاوہ سب سے زیادہ صحیح اور قابل اعتبار شہادت ہمارے پاس ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری
کی تحریر ہے جس کے سامنے کسی تحقیقات کی پھر ضرورت نہیں رہتی ہے اور تمام شبہات دور
ہو جاتے ہیں۔ یہ مستند مؤرخ کتاب المعارف میں خلیفہ مہدی عباسی کی اولاد ذکور و اناث کے حالات
میں لکھتا ہے۔

وولد المهدي موسى وهارون والبانوقة	کہ مہدی عباسی کے خیزران (کنیز جرشی) سے
وامهم الخيزران ام ولد وعليا وعبيد الله	موسیٰ اور ہارون دو بیٹے اور بانوقہ ایک دختر۔

حاشیہ سلہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ کاتب علم نحو لغت اور حدیث میں یکتائے زمانہ تھا ۲۱۳ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوا۔ اسحاق بن راہویہ۔ اور حاتم سجستانی سے تحصیل علم کی تھی۔ کتاب المعارف۔ آداب الکاتب۔ عیون الاخبار۔ طبقات الشعرا۔ غریب القرآن غریب الحدیث۔ مشکل القرآن۔ دلائل النبوۃ اسکی مشہور تصنیفات ہیں۔ آخر عمر تک خاص بغداد میں درس دیتا رہا ہے خلیفہ معتمد علی اللہ کے عہد میں برگ مفاجات سے ۲۷۶ہجری میں انتقال کیا۔ دینور (بلاد جبل میں متصل قرمیسن ایک شہر ہے) کا عرصے تک قاضی رہا اس وجہ سے دینوری مشہور ہوا۔ طبقات الادبا صفحہ ۲۷۲

امهما ريطة بنت ابي العباس واما العباسة لام ولد والعالية ومنصور وسليمة امهم الجتوية بنت الاصبهبد ويعقوب واسحق لام ولد۔ وابراهيم لام ولد فاما البالغة فماتت صغيرة۔ واما العباسة فزوجها هارون من محمد بن سليمان فمات عنها فزوجها من ابراهيم بن صالح بن علي

اور ریطہ بنت ابو العباس سے علی و عبید اللہ دو بیٹے۔ اور ایک کنیز سے عباسہ۔ اور بجتریہ بنت الاصبہند سے عالیہ۔ منصور۔ سلیمہ۔ تین لڑکیاں اور ایک کنیز سے یعقوب اور اسحق اور ایک سے ابراہیم تھے لیکن بالغہ نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ باقی رہی عباسہ اسکی شادی خلیفہ ہارون الرشید نے اول محمد بن سلیمان بن علی عباسی سے کی اور جب اس شہزادہ کا انتقال ہو گیا تو ابراہیم بن صالح بن علی عباسی سے دوسرا نکاح کر دیا

قبل اس کے کہ سطور مرقومہ بالا پر کچھ لکھا جائے یہ ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ ابو عبد اللہ مسلم سنہ ۲۱۲ھ میں جعفر برمکی کے قتل کے چھبیس برس بعد پیدا ہوا۔ اور خاص دار الخلافہ بغداد میں اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ طے کر کے دنیا سے انتقال کر گیا اسلئے جیسا قریب زمانہ ابو عبد اللہ کو ملا وہ طبری کو میسر نہیں آیا۔ اور جس زمانے میں اس مؤرخ نے اپنی تاریخ لکھی ہے اس وقت برامکہ کی اولاد اور متوسلین بلکہ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے کے لوگ موجود تھے۔ جنہوں نے بچشم خود یہ حالات دیکھے تھے۔ اس صورت میں ابو مسلم کی شہادت سے زیادہ اور کون معتبر شہادت ہو سکتی ہے۔ اگر فی نفسہ ایسا ہوتا تو جعفر کے عقد کے بھی حالات ضرور یہ مؤرخ لکھتا۔ اور طبری اور المعارف[1] کے الفاظ میں مقابلہ کرنے سے بھی اس بحث کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ابو عبد اللہ نے نہ صرف عباسہ کے شوہروں ہی کا نام بتایا ہے بلکہ ان کے نسب نامے لکھے ہیں جس سے قطع نظر صحت واقعہ کے

حاشیہ [1] المعارف صفحہ ۲۰ مطبوعہ مطبع العامریۃ الشرقیۃ مصر۔

عام مؤرخین کے اس الزام کا قطعی جواب ہوتا ہے کہ ہارون الرشید نے صرف حلت نظر کی غرض
سے عباسہ کا نکاح کر دیا تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ جس دیندار خلیفہ نے اپنی بیوہ اور
سوگوار بہن کو محمد بن سلیمان کے مرنے کے بعد رنڈاپے کی مصیبتوں سے بچایا اور شرع کا پابند
رہا وہ کیونکر ایسے نکاح کو جائز رکھ سکتا تھا جسکے شرائط کو اصول شریعت اور عقل وحکمت سے
کوئی تعلق نہو۔ بلکہ صرف اپنا عیش مقصود ہو۔!!

کتاب المعارف سے اگرچہ یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ کس عمر میں عباسہ کی پہلی شادی ہوئی
لیکن شہزادی عباسہ ۱۵۴ھ ہجری میں بمقام کوفہ پیدا ہوئی تھی۔ اور ۱۷۰ھ ہجری میں جس
سال ہارون الرشید تخت نشین ہوا ہے۔ اُس نے محمد بن سلیمان بن علی عباسی کو بصرہ۔
بحرین۔ یمامہ۔ عمان۔ اہواز۔ اور فارس کی گورنری عطا کی۔ اور دوسرے سال بروز دوشنبہ
بماہ ربیع الثانی ۱۷۱ھ (مطابق ۸۔ ستمبر ۷۸۷ء) حضرت عباسہ کا عقد شاہزادہ محمد بن
سلیمان عباسی ہاشمی امیر بصرہ سے کر دیا۔ اُس وقت عباسہ کی عمر ۱۷ برس کی تھی جو عین
شادی کا وقت ہے۔ مگر افسوس ہے کہ عباسہ کا یہ پیارا شوہر تین ہی برس زندہ رہا اور ۱۷۳ھ
ہجری میں بمقام بصرہ لاولد فوت ہو گیا۔ محمد بن سلیمان کے انتقال پر خلیفہ ہارون الرشید
نے ابراہیم بن صالح بن علی بن عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب سے عباسہ کا عقد کر دیا۔
المعارف کی شہادت کے علاوہ ابراہیم کے عقد کی تصدیق صالح بن بہلہ طبیب ہندی

حاشیہ [۱] کامل ابن اثیر جلد ۶ خلافت ہارون الرشید [۲] یہ شہزادہ خلیفہ منصور عباسی کے زمانے میں کوفہ کا بھی گورنر رہ چکا تھا
صفحہ ۱۰۵ جلد ۶ کامل ابن اثیر۔ تاریخ شادی ہم نے تاریخ التوفیقات الالہامیہ مصنفہ غازی مختار پاشا سے نقل کی ہے۔ جو زمانہ
حال کی ایک مستند تاریخ ہے۔

کے حالات سے بھی ہوتی ہے۔ جس کو علامہ ابن ابی اصیبعہ لے نے تذکرۂ عیون الانباء میں لکھا ہے

اس روایت میں یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ صالح ہندی دربار ہارون الرشید کا طبیب

تھا۔ اور اس نے ابراہیم عباسی کا ایسے وقت میں علاج کیا تھا جبکہ وہ بظاہر مر چکا تھا اور صحت

کے بعد ہارون الرشید نے عباسہ کا عقد ابراہیم سے کیا تھا۔ لہٰذا وہ روایت بجنسہ لکھی

جاتی ہے

صالح رسالی (ابن بہلہ ہندی) معالج ابراہیم عباسی

(اطبائے ہند میں مشہور تھا۔ معالجات اسکے مشہور ہیں عہد خلافت ہارون الرشید میں ہندوستان سے عراق گیا تھا) ابو الحسن یوسف بن ابراہیم الحاسب

المعروف بابن الدایہ بروایت احمد بن رشید کاتب (جو آلہ مولی سلام الابرش) بیان کرتے ہیں

حاشیہ لے ابو العباس احمد بن سدید الدین قاسم بن خلیفہ مشہور بابن ابی اصیبعہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور علماء میں سے ہے۔ اسکا باپ ملک العادل۔ ملک المعظم۔ ملک الناصر۔ کے دربار کا طبیب تھا۔ اور آنکھوں کے علاج میں خصوصاً مشہور تھا۔ ۶۴۹ ہجری میں وہ فوت ہوا۔ احمد نے بھی فن طب پر توجہ کی اور یعقوب بن سقلاب عیسائی کا شاگرد ہوا۔ اور جالینوس کی تمام کتابیں پڑھلیں۔ اور رضی الدین رحبی دمشقی سے ذکریا رازی کی طب کا عملی حصہ پڑھا۔ اسکے بعد قاضی القضاۃ رفیع الدین دمشقی اور سیف الدین مدی اور شمس الدین خوی سے علوم حکمیہ حاصل کئے۔ اور تخمیناً ۶۴۳ ہجری میں عیون الانباء فی طبقات الاطبا تصنیف کی جس سے سارے زمانے میں مشہور ہوگیا۔ تمام مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اطباء کے حالات میں اس جامعیت سے کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی ہے۔ علامہ موصوف نے علاوہ اس کتاب کے معالم الامم و اخبار ذوی الحکم (ہسٹری فلاسفہ یونان) و حکایات الاطبا فی علاجات الادواء (اطباء کے تجربی معالجات کا تذکرہ) و کتاب التجارب والفوائد بھی تصنیف کیں ہیں۔ جن میں سے ہر ایک بے نظیر ہے ۶۶۸ ہجری میں بمقام صرخد (شام) فوت ہوا۔ منتخب از تہذیب الاخلاق جلد اول نمبر ۹ ص ۳۔ مطبوعہ ۱۔ اکتوبر ۱۸۹۶ء بمقام علیگڈھ۔

کہ ہارون الرشید کے سامنے دستر خوان بچھا ہوا تھا۔ اور لوگوں کا مجمع تھا مگر جبرئیل بن بختیشوع طبیب اُس وقت غیر حاضر تھا امیر المومنین نے حکم دیا کہ فوراً جبرئیل بھی حاضر کیا جائے احمد نے جہاں جہاں جبرئیل کے ملنے کی امید تھی اُن مکانوں میں تلاش کیا مگر کہیں جبرئیل کا پتہ نہ لگا تب اطلاع کی گئی۔ ہارون جبرئیل کو بھلا بُرا کہہ رہا تھا کہ اتنے میں جبرئیل بھی آن پہنچا۔ ہارون کو اس حال میں دیکھ کر عرض کیا کہ "اگر امیر المومنین اپنے بھائی ابراہیم بن صالح کے حال پر خاموشی سے آنسو بہاتے تو مناسب تھا۔ تب ہارون نے ابراہیم کا حال پوچھا جبرئیل نے کہا کہ وہ قریب المرگ ہیں شاید نماز عشا تک زندہ رہیں" یہ سنکر رشید رونے لگا۔ دستر خوان سامنے سے اُٹھا دیا گیا۔ مجلس درہم برہم ہو گئی۔ اتنے میں جعفر برمکی نے عرض کیا کہ "جبرئیل کا علاج رومی ہے۔ اور صالح ہندی طبیب ہے۔ اور اُسی طرز پر علاج بھی کرتا ہے۔ اگر ارشاد ہو تو میں اُس کو طلب کروں اور ابراہیم کے دیکھنے کو بھیجوں۔ چنانچہ خلیفہ نے منظور کیا صالح نے اچھی طرح ابراہیم کو دیکھا اور جعفر کے پاس لوٹ آیا۔ لیکن اُس نے کہا کہ میں سوائے امیر المومنین کے اور کسی سے ابراہیم کا حال بتانا نہیں چاہتا ہوں۔ چنانچہ جعفر مع صالح کے ہارون الرشید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صالح نے کہا کہ امیر المومنین میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابراہیم اِس عارضے میں آج رات کو ہرگز نہیں مریگا اور اگر مر جائے تو میرے تمام لونڈی غلام لوجہ اللہ آزاد سمجھے جائیں۔ اور کل مال و دولت میرا فقرا کو تقسیم کر دیا جائے اور میری بیبیاں مطلقہ سمجھی جائیں۔ ہارون الرشید نے کہا "افسوس ہے کہ تو معاملات غیب پر حلف اُٹھاتا ہے۔

صالح نے کہا۔ حضور کا فرمانا سچ ہے العلم عند اللہ ضرور ہے لیکن میں جو عرض کرتا ہوں
اُس کو غیب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ علمی حیثیت (تجربہ طبابت) سے عرض کرتا ہوں۔
یہ سنکر ہارون خوش ہو گیا۔ لیکن جب عشا کا وقت آیا تو خبر آئی کہ ابراہیم نے انتقال
کیا یہ سنکر ہارون فوراً جعفر کے پاس گیا اور صالح کو بہت کچھ برا بھلا کہا اور کہا کہ ہندوستان
اور اُس کی طب پر لعنت ہے اور کہتا جاتا تھا کہ ہائے افسوس! میرا ابن عم موت کے
گھونٹ پی رہا ہے اور میں عیش و طرب میں ڈوبا ہوا ہوں۔ چنانچہ اُسی وقت اپنی جگہ
سے اُٹھا اور ابراہیم کے گھر پر پہنچا خادموں نے تعظیماً مسند اور کرسی بچھانا شروع
کی۔ لیکن ہارون تلوار ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہا کہ عزیزوں کی مصیبت میں جلوس
اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے فرش تہ کر ڈالو چنانچہ اُسی جگہ زمین پر بیٹھ گیا (اُسوقت
سے فرش زمین پر بیٹھنا بنی عباس میں سنت قرار پا گیا) صالح طبیب بھی خاموش کھڑا
تھا اور سب لوگ بھی سناٹے میں تھے۔ انگیٹھیوں سے خوشبو نکل رہی تھی۔ کہ یکبارگی
صالح چیخ اُٹھا اور کہنے لگا کہ آج سچ میری بیبیوں پر طلاق ہو گی۔ اور وہ دوسروں کے
عقد میں جائینگی۔ اور میری قسم ٹوٹ جائیگی۔ خدا کی قسم امیر المومنین آپ کا بھائی زندہ
ہے وہ فوت نہیں ہوا ہے۔ کیا آپ اس کو زندہ دفن کر دیں گے۔ آپ مجھے اجازت
دیں کہ میں اندر جا کر دیکھوں۔ ہارون نے اجازت دی اور صالح تنہا ابراہیم کے پاس
گیا۔ احمد کہتا ہے کہ میں نے ایک آواز سُنی گویا کوئی تالی بجا رہا ہے۔ پھر یہ آواز
بند ہو گئی۔ اور ایک تکبیر کی آواز آئی۔ اور صالح تکبیر کہتا ہوا نکل آیا۔ پھر کہا کہ امیر المومنین

تشریف لے چلئے تاکہ میں آپ کو ایک عجیب تماشا دکھاؤں چنانچہ ہارون مع مسرور غلام اور ابوسلیم کے اندر داخل ہوا اور صالح نے ابراہیم کے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخون میں سوئی چبھودی ابراہیم نے ہاتھ گھسیٹ لیا تب صالح نے کہا کہ امیرالمؤمنین کہیں مردہ بھی درد سے حرکت کرتا ہے۔ پھر صالح نے کہا کہ ابراہیم اسی وقت باتیں کرسکتا ہے۔ مگر مجھے خوف ہے کہ اس صدمے سے دل پھٹ جائے اور حقیقتاً ابراہیم کا دم نکل جائے۔ کیونکہ اس وقت ابراہیم کفن میں لپٹا ہوا ہے اور حنوط کی خوشبو اُڑ رہی ہے۔ چنانچہ کفن اتار کر غسل دیا گیا۔ اور وہ تمام خوشبوئیں بدن سے دور کی گئیں اور شاہانہ لباس پہنایا گیا۔ اور عمدہ عطریات لگائے گئے۔ اور خواب گاہ کے پلنگ پر لٹا دیا اور کچھ علاج بھی کیا اور ہارون سے کہا کہ تھوڑی دیر میں ابراہیم باتیں کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابراہیم کو چھینک آئی اور کروٹ بدل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بعد اس واقعہ کے خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی بہن عباسہ بنت المہدی سے ابراہیم کا عقد کردیا اور مصر و فلسطین کی گورنری مرحمت فرمائی یہاں تک کہ ابراہیم نے بمقام مصر انتقال کیا[1]۔

چنانچہ اس کی تصدیق اخبار الاول سے بھی ہوتی ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید

حاشیہ [1] وعاش ابراهیم بعد ذالك دهرا ثم تزوج العباسة بنت المهدی و ولی مصر و فلسطین و توفی بمصر و قبره بها انتهی اخبار الاول باب چہارم صفحہ ۱۰۳ تقرری گورنران مصر منجانب خلفائے عباسیہ۔

نے پہلی تاریخ ربیع الاول ۱۷۶ھ ہجری میں جون ۷۹۲ء میں ابراہیم کو مصر کی گورنری مرحمت فرمائی تھی۔ اور آخر الامر اس شہزادے نے بھی اسی جگہ انتقال کیا[1]۔ واقعہ مذکورہ بالا سے اچھی طرح ثابت ہے کہ پہلی شادی سے قبل عباسہ کا عقد جعفر سے نہیں ہوا۔ کیونکہ ۱۷۰ھ ہجری سے قبل نہ ہارون الرشید خود مختار والی ملک تھا اور نہ جعفر اس کا وزیر تھا اور نہ دونوں کے باہمی تعلقات افراط کے درجے پر پہنچے تھے لیکن معترض یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تیسرا عقد ہوگا جو بعد فوت ابراہیم عباسی کے کیا گیا لیکن جس عورت کے دو عقد ہو چکے ہیں اس کے تیسرے عقد میں اس قسم کے شرائط فضول تھے۔ بہرحال جعفر و عباسہ کے عقد میں جس قدر طول طویل قصے لکھے گئے ہیں اور جن جن پہلوؤں سے اس میں ناول کا رنگ پیدا کیا گیا ہے وہ بجائے اس کے کہ مسلم قرار پاتے تاریخی اصول سے بالکل غلط ثابت ہوتے ہیں جسکے واسطے کسی مزید شہادت کی ضرورت نہیں ہے ہاں ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ اگر جعفر و عباسہ کا واقعہ صحیح نہیں تھا تو پھر کیا سبب ہے کہ علاوہ طبری کے کامل ابن الاثیر۔ ابو الفدا وغیرہ نے جو مستند تواریخ ہیں یہ واقعات لکھے ہیں بلکہ حد تواتر کو پہنچ گئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ان تاریخوں کا ماخذ اصلی طبری ہے اور یہ مؤرخ

حاشیہ[1] نہایت افسوس ہے کہ باوجود محنت شاقہ کے ہم کو کسی تاریخ سے ابراہیم کے عقد کی تاریخ اور عباسہ کے انتقال کا سنہ معلوم نہیں ہوا اور نہ اس بحث کو ہم اور واضح طور پر لکھتے۔[2] بتاریخ ۲۰ شعبان یوم چہارشنبہ ۱۷۶ھ (۱۰ نومبر ۷۹۲ء) ابراہیم بن صالح نے انتقال کیا۔ توفیقات صفحہ ۰۰

محض طبری کی روایت کش ہیں اور چونکہ یہ تاریخیں طبری کے بعد تصنیف ہوئی ہیں
اسلئے کم و بیش سب نے اس واقعہ کو نقل کر دیا ہے لیکن اصل روایت صرف ایک ہی
ہے لہذا اس روایت میں کثرت رواۃ کی بنا پر استدلال نہیں ہو سکتا ہے اور یہ
قصہ ممکن تھا کہ تاریخی حیثیت تک نہ پہنچتا بلکہ چند روز میں خود بخود مٹ جاتا۔ لیکن
ہارون الرشید نے برامکہ کے قتل میں جو بے عنوانی کی اس کا بھی یہ نتیجہ ہوا۔ کہ
خیالی تصورات تصدیق کے درجے تک پہنچ گئے۔ حالانکہ برامکہ کی خودسری کا علاج
آسان تھا ایک ادنٰے اشارہ سے جعفر قتل ہو سکتا تھا۔ جس کی مثال بالکل خلیفہ
مامون الرشید اور فضل بن سہل ذوالریاستین کا واقعہ ہے۔ کہ جب وزیر سلطنت پر
حاوی ہو گیا۔ اور بقائے سلطنت کے واسطے اس کا قتل ضروری سمجھا گیا۔ تو مامون
کے اشارے سے وہ قتل کر دیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ برامکہ کی بربادی کے
اسباب بالکل ملکی ہیں[1] جیسا کہ ذیل کے واقعات اور ہارون الرشید کے اقوال سے
ثابت ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ میں اس خاندان کا اجتماع ناممکن ہو گیا تھا۔

عالیہ بنت المہدی کی روایت[(۱)] ابن بدرون[2] راوی ہے کہ قتل جعفر کے بعد عالیہ

حاشیہ [1] زمانہ حال کے مصری اور ترکی مورخوں نے بھی لکھا ہے کہ واقعہ جعفر و عباسہ محض افسانہ ہے۔ اور جعفر کے قتل کے اسباب ملکی ہیں۔ اور یہی فیصلہ علیگڈھ کالج کے یونین کلب میں ہوا تھا۔ جو مسٹر ارسن صاحب بہادر پرنسپل کے عہد میں ہوا۔ اس زمانے میں اس مباحثے کی بڑی شہرت تھی۔ اور اخبارات میں بھی یہ واقعہ مشتہر ہوا تھا۔

[2] حیات الحیوان جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ و ابن خلکان ۱۳۲

بنت المہدی نے ہارون الرشید سے پوچھا کہ بھائی صاحب! جب سے آپ نے جعفر کو قتل کیا ہے میں اس دن سے میں دیکھتی ہوں کہ ایک دن بھی آپ کا خوشی میں بسر نہیں ہوا اسکا کیا سبب ہے اور یہ کہ آپ نے جعفر کو کس وجہ سے قتل کیا ہے؟ یہ سنکر رشید نے کہا کہ۔

"میری جان! اگر مجھے معلوم ہوا کہ میری قمیص بھی جعفر کے قتل کا سبب جانتی ہے تو میں اس کو جلا دوں"

اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں ہارون نے خود جعفر کے قتل کا سبب اس وقت بیان کیا ہے۔ جب قتل جعفر کے بعد اصلی خیالات لوگوں سے دریافت کیئے ہیں۔ وھو ہذا:

جعفر کے اصلی خیالات کا اندازہ

عیشے[۲] پسر فیروز شاہ صالح بن سلیمان عباسی سے راوی ہے کہ قتل جعفر کے بعد مجکو ہارون الرشید نے ملازمت سے برخاست کر دیا۔ کیونکہ میں جعفر برمکی کا آدمی تھا۔ لیکن چند روز بعد مجھے بلایا اس وقت خلیفہ خلوت میں بیٹھا ہوا تھا۔ سوائے ایک دو خادموں کے اور کوئی نہ تھا۔ مجھ سے کہا کہ میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں لیکن یاد رہے کہ اگر جھوٹ ہوا تو میرے ہاتھ سے رہائی محال ہے۔ میں نے عرض کیا کہ "امیرالمومنین کیا مجھے اپنی جان عزیز نہیں ہے کہ میں جھوٹ عرض کرونگا" یہ سنکر سب کو رخصت کر دیا۔ جب تنہائی ہوئی تو مجھ سے کہا کہ تجھے خدا کی قسم! سچ سچ بتلا دے کہ جعفر نے میرے قتل کی کونسی تدبیر سوچی تھی۔

حاشیہ [۱] تاریخ ضیاء برنی صفحہ ۱۴۰

آیا زہر خورانی کی نیت تھی - یا تلوار سے سر جدا کرنا منظور تھا - تو جعفر کا ہمراز رہا ہے اسلئے تجھے یہ حال خوب معلوم ہوگا'' میں نے خدا اور رسول کی قسم کھا کر عرض کیا کہ جعفر نے کوئی تدبیر امیر المومنین کے قتل کی نہیں کی تھی - بلکہ وہ سچا خیر خواہ تھا - ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں نے جعفر کا اسلحہ خانہ دیکھا کو معمولی مقدار سے زیادہ آلات حرب جمع تھے - میرا دل کھٹکا - اور وزیر السلطنۃ سے خلوت میں پوچھا کہ حضور کو اس قدر اسلحہ کی کیا ضرورت ہے - یہ تو بادشاہوں کا کام ہے - آپ کے کس مصرف کے ہیں - جعفر نے کہا کہ یہ سچ ہے لیکن اگر امیر المومنین پر کوئی غنیم چڑھ آئے اس وقت یہ کام آ سکتے ہیں - تب میں نے کہا کہ خلیفہ تو خود ہی آپکی فکر میں ہیں - یہ سنکر جعفر نے کہا کہ برب کعبہ - اگر امیر المومنین میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں تب بھی میں ان کے حق نعمت نہیں بھول سکتا ہوں - ظاہر و باطن میں امیر المومنین اور ان کی اولاد کا میں خیر خواہ ہوں - یہ سنکر ہارون نے کہا کہ میں نے جعفر کو صرف معاملات سلطنت کے لحاظ سے قتل کیا ہے - اور مصلحت ملکی اس وقت یہی تھی ! افسوس ! اگر سلطنت نہ ہوتی تو جعفر کیوں قتل کیا جاتا ؟ قیامت کے دن میں جعفر کو کیا منہ دکھاؤنگا - لیکن مجھے امید ہے کہ وہ اخلاقانہ فیاضی سے ہرگز اپنے خون کا دعوے مجھپر نہ کریگا - اس کے بعد ہارون رونے لگا - اور جعفر کا خوب ہی نوحہ کیا - اور مجھے اصلی عہدے پر بحال کر دیا'' اب اس بحث کو ہم خلیفہ مامون الرشید کی ایک ملکی تقریر پر ختم کرتے ہیں جو ایک موقع پر احمد بن داؤد سے مخاطب ہو کر کی تھی - اور جو اس موقع

کے بھی مناسب ہے جسکے پڑھنے سے ان تمام خیالات اور مباحثات کا خود بخود تصفیہ ہوجائیگا۔ اور آگے چل کر جو اسباب زوال تحریر ہیں اُسکی تصدیق ہوجائیگی ✦ اور وہ یہ

(۲۶) جعفر کا قتل ملکی حیثیت سے تھا

ہے "بادشاہ بعض وقت اپنے خاص ارکان دولت کے ساتھ جو باتیں کر گزرتا ہے۔ عوام ہرگز اُس کا انصاف نہیں کرسکتے وہ دیکھتے ہیں کہ وزیر یا نائب السلطنۃ نے جو وفاداریاں کیں۔ اُن کے بار سے حکومت کی گردن کبھی ہلکی نہیں ہوسکتی۔ وہ بے تکلف رائے لگالیتے ہیں کہ بادشاہ نے جو کچھ کیا صرف حسد یا تنگدلی کی وجہ سے کیا لیکن اُن کو کیا معلوم ہے کہ اس کے بعض افعال خود سلطنت کے خانہ برانداز ہیں۔ اب بادشاہ دو مجبوریوں میں گھر جاتا ہے نہ اس راز کو عوام پر ظاہر کرسکتا ہے نہ اُس وزیر یا نائب سے درگزر کرسکتا ہے۔ مجبورانہ وہ کر گزرتا ہے جو ظاہر میں نہ کرنا چاہئے۔ وہ جانتا ہے کہ عوام تو کیا خواص بھی اُس کو معذور رکھیں گے۔ لیکن ضرورت کسی کی نکتہ چینی کی پروا نہیں کرسکتی ✦

اسباب زوال امکہ

واقعات مذکورہ بالا سے یہ اچھی طرح پر ثابت ہوچکا ہے کہ جس سبب کو ہمارے بعض مورخین نے غلطی سے اصل سبب قرار دیا ہے وہ محض ایک واہی تباہی قصّہ ہے اور

حاشیہ سلہ المامون حصہ دوم صفحہ ۷۰ بحوالہ رسالہ حکم و آداب صفحہ ۹۶۔

فی نفسہ خاندان برامکہ کی تباہی کے اسباب ملکی ہیں۔ ابتدائً جزئی جزئی واقعات
سے ہارون الرشید کے اشتعال کو تحریک ہوئی اور جب برامکہ حقیقتاً تمام ملک کے
مالک بن گئے اور ہارون الرشید برائے نام خلیفہ رہ گیا۔ اُس وقت سیاست
ملکی کے قانون نے قطعی طور پر استیصال کر دیا بلحاظ طرز حکومت زمانۂ موجودہ ہارون
پر یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے برامکہ پر بڑا ظلم کیا۔ لیکن جب عام طور پر شخصی
سلطنتوں کے اختیارات اور اُن کی مجبوریوں پر نظر ڈالی جاتی ہے اُس وقت یہ
سنگین جرم محض خفیف ہو جاتا ہے۔ اور انصافاً یہی کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ ہوا مناسب
تھا۔ یہی حال ہارون اور برامکہ کا ہے۔ اب ہم برامکہ کے وہ حالات لکھتے ہیں جن کو
تمام مؤرخین نے اسبابِ زوال سے تعبیر کیا ہے۔

تیاری قصر جعفر برمکی[1]

زمانہ کا دستور ہے کہ جب کسی امیر یا وزیر السلطنت سے بادشاہ
ناراض ہو جاتا ہے تو اُس کا ہر فعل گناہ۔ اور ہر کام معیوب
سمجھا جاتا ہے۔ کامل ابن الاثیر کی روایت ہے کہ منجملہ اسباب زوال کے ایک سبب یہ بھی
تھا کہ جعفر نے خاص دار الخلافہ بغداد میں ایک بے نظیر عمارت تیار کی۔ اور جس کی تیاری
میں دو کروڑ درہم صرف کر ڈالے۔ جعفر کی یہ اولو العزمی حقیقت میں ہارون کے
واسطے باعثِ غصہ تھی کیونکہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے (ہارون کا دادا تھا) جب
بغداد کی تعمیر کی تو اُس کی بھی کل فیاضی جعفر برمکی کے ایک قصر کے برابر (یعنے دو
کروڑ درہم) تھی۔ ہارون نے یہ خیال کیا کہ جب ایک قصر کی تیاری میں اس قدر صرف

[1] طبری جلد تین صفحہ ۔۔۔ مطبوعہ ہالینڈ کامل ابن اثیر۔

ہوا ہے تو دیگر مصارف کا کیا ٹھکانہ ہے۔ جب یہ قصر رفیع الشان بنکر تیار ہو گیا اور جعفر نے اُس میں رہنا چاہا تو ایک تاریخ مقرر کر کے چند نجومی جمع کیئے اور اُن سے پوچھا کہ اس مکان میں جانے کے واسطے کونسی تاریخ سعید ہے سب نے زائچہ بنا کر دن اور وقت تجویز کیا۔ اور یہ قرار پایا کہ جعفر برمکی بوقت شب اس جدید مکان میں داخل ہو چنانچہ جعفر اپنے مکان کو جا رہا تھا۔ رات کا وقت سناٹے کا عالم تھا لوگ آرام کر رہے تھے لیکن ایک شخص کھڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

تدبر بالنجوم ولست تدری	تم نادان بن کر ستاروں پر اپنی تدبیر قائم کرتے ہو۔
ورب النجم یفعل ما یشاء	اور ستاروں کا خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

یہ برجستہ شعر سُنکر جعفر ٹھیر گیا اور قائل سے پوچھا کہ تمہارا اس شعر کے پڑھنے سے کیا مطلب ہے اُس نے کہا کچھ نہیں یہ اتفاقیہ زبان سے نکل گیا ہے جعفر نے اُس کو تو انعام دے کر رخصت کر دیا لیکن اپنے حق میں اُس نے بدفالی سمجھی۔ جب جعفر مکان میں داخل ہوا تو شعرا نے مبارکباد کے قصیدے پڑھے اور ابونواس شاعر نے بھی ایک مدحیہ قصیدہ پڑھا۔ لیکن اتفاق سے اُس میں یہ دو شعر اس کی زبان سے نکل گئے۔

اربع البلا ان الخشوع لبادی	اے مکان شکستگی کا آثار تجھپر ظاہر ہے۔
علیک وانی لم اخنک ودادی	لیکن میں نے تیری دوستی میں خیانت نہیں کی۔

سلام علی الدنیا اذا ما فقدتم	اے برمک کی اولاد۔ جب تم دنیا سے گم ہو جاؤ۔
بنی برمک من رائحین وغادی	تو دنیا کو سلام ہے۔

جعفر نے جب یہ تشبیب کے اشعار سنے تو بہت افسوس کیا۔ اور ابو نواس سے کہا کہ "خدا محفوظ رکھے تم نے آج ہماری موت کی خبر سنائی ہے"۔ اسکے تھوڑے دنوں کے بعد جعفر قتل کیا گیا[1] چنانچہ اس کی تائید ابراہیم بن مہدی اور جعفر کی حسب ذیل گفتگو سے بھی ہوتی ہے۔

ابراہیم[2] بن مہدی عباسی راوی ہے کہ میں ایک دن جعفر کے اس نئے محل میں گیا جعفر کو نہایت غضبناک پایا۔ لیکن مجھے دیکھا تو معانقہ کیا اور مجلس میں جا کر بیٹھ گیا۔ جب غصہ دھیما ہوا تو میں نے پوچھا کہ برہمی مزاج کا باعث کیا تھا؟ جعفر نے کہا کہ "منصور جو ہمارا دشمن ہے۔ آج اس مکان میں آیا تھا میں نے اُس سے پوچھا کہ بغداد یا اس کے اطراف میں بلحاظ عمارت۔ اور کمال صنعت کوئی دوسری عمارت ہے جو اس قصر کے مثل ہو۔ اور آپکی نظروں میں یہ کیسی معلوم ہوتی ہے۔ یہ سنکر منصور نے کہا کہ اس میں ایک عیب ہے میں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ کہا کہ اس میں کھجور کا درخت نہیں ہے۔ اس کا یہ جواب سنکر میں نے کہا! سبحان اللہ۔ دو کرور کی رقم تو صرف ہو چکی ہے اور آپ اس میں عیب نکالتے ہیں"۔ جب جعفر کہہ چکا تو میں نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ منصور حاسد اور دشمن ہے کیا عجب ہے کہ یہ ساری باتیں خلیفہ ہارون الرشید سے کہدے کہ وزیر السلطنة نے نئے محل میں تو اسقدر صرف کیا ہے دیگر جواہرات اور مال کا کیا شمار ہوگا۔ اگر ہارون نے منصور کا یہ قول تسلیم

حاشیہ سلہ حیات الحیوان جلد ۲ و روضۃ الصفا و مرآۃ الجنان عہ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۴۸۱۔

کر لیا تو آپ قیاس فرما سکتے ہیں کہ اُس کے مزاج کا کیا حال ہوگا، یہ سُنکر جعفر ہنس پڑا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ " جو لوگ دولت کو جمع کر کے دفینہ کرتے ہیں بھلا وہ ایسی عمارت کیونکر بنا سکتے ہیں۔ اور میں نے یہ مکان اس لئے بنایا ہے کہ لوگ دیکھیں اور سمجھیں کہ مجھکو خدا نے اپنی مہربانی سے کس قدر دولت عطا فرمائی ہے۔ اور اصل میں میں نے یہ مکان بنا کر منعم حقیقی کے عطیے کا اظہار کیا ہے۔ لہذا آپ ہی خیال کیجئے کہ یہ صرف خواہشات نفسانی میں ہوا ہے یا اظہار تجمل میں۔ اور میرا ایثار فی سبیل اللہ ہے۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ اگر میں دنیا سے رخصت ہوں۔ تو مال و دولت کے خزانے چھوڑ جاؤں۔ کیونکہ خلیفہ میری جاگیر اور خزانوں کی فکر میں ہے۔ جو کچھ ہے صرف کر کے جاؤں گا اور میرے بعد آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ میرے باپ یحیی اور بھائی فضل کے پاس کس قدر سرمایہ تھا اور گھر سے کیا برآمد ہوا" ابراہیم کا قول ہے کہ حقیقت میں جیسا جعفر کہتا تھا ویسا ہی ہوا۔ اور جعفر کے قتل کے بعد جب برامکہ کے مکانات کی تلاشی لی گئی تو جیسا خیال تھا اُس کا ہزارواں حصہ بھی نہ برآمد ہوا۔ مؤرخ طبری[1] بروایت علی بن سلیمان لکھتا ہے کہ جعفر برمکی یہ کہا کرتا تھا کہ " میرے مکان میں کوئی عیب نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اُس کے مالک کی عمر کوتاہ ہے[2]"۔

حاشیہ [1] طبری کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۰۔ مطبوعہ لیڈن [2] جعفر نے خاص اہتمام سے محل بنوایا تھا۔ اور وقت تیاری کے یحیی سے پوچھا کہ میں اس مکان کو کیسا بنواؤں۔ یحیی نے جواب دیا کہ مکان گویا ایک قمیص ہے چاہے ڈھیلا بنا خواہ تنگ۔ از عقد الفرید۔

خریداری بارعہ کنیز (۳)

تمام مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے تخت خلافت پر بیٹھ کر تمام مالی و ملکی انتظامات اپنے وزیر کے سپرد کر دئے تھے۔ کُل خزانے کا مالک وزیر اعظم تھا۔ جب کبھی روپے کی ضرورت ہوتی تو خلیفہ کو وزیر سے درخواست کرنا پڑتی تھی لیکن اس پر بھی یہ حال تھا کہ کبھی ملتا تھا اور کبھی نہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک کنیز بکنے آئی جس کا نام بارعہ تھا۔ موسیقی۔ حساب۔ خوشنویسی میں کامل دستگاہ رکھتی تھی۔ اور اس کے مالک نے یہ قسم کھائی تھی کہ ایک لاکھ درہم سے کم پر نہ فروخت کرونگا۔ اور ہارون اس کنیز کا شیدا تھا۔ جعفر سے کہا کہ ایک لاکھ درہم خزانے سے دیدیا جائے۔ جعفر نے یحییٰ سے مشورہ کیا اور کہا کہ اگر رشید اسی طرح پر خرچ کرے گا تو خزانہ جلد خالی ہو جائے گا۔ چنانچہ جعفر نے یہ حکمت کی کہ خزانے سے توڑے نکال نکال کر راستے میں پھیلا دئے تاکہ ہارون کی اس پر نظر پڑے کیا عجب ہے کہ اس طرح پر خریداری سے باز آوے چنانچہ جب خلیفہ کی نظر روپے کے اس انبار پر پڑی جو گزرگاہ میں ڈھیر تھا تو خزانچی سے پوچھا کہ یہ روپیہ کیسا بکھرا پڑا ہوا ہے اس نے کہا کہ بارعہ کی قیمت کے واسطے یہ روپیہ خزانے سے نکالا گیا ہے۔ چنانچہ اس وقت تو خریداری کنیز کی ملتوی ہو گئی۔ لیکن ہارون نے ایک مکان علٰحدہ بنوایا اور اس کا نام بیت المال عروس رکھا اور یہ روپیہ اس میں امانتاً رکھوا دیا۔ اور بعد اس واقعہ کے خزانے کی جانچ شروع کی تو معلوم ہوا کہ برامکہ نے خزانہ خالی کر دیا ہے ؎

حاشیہ ۳؎ روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۸۴۔

(۳) ابوالربیع محمد بن لیث کی شکایت

دنیا میں کیسا ہی عاقل اور مدبر کیوں نہو لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ تمام ملک کو راضی رکھ سکے۔ برامکہ کے اوج حشم کو دیکھ کر اکثر حاسد اور دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ اُن میں سے محمد بن لیث بھی ایک قوی دشمن برامکہ کا تھا۔ چنانچہ ثمامہ ابن اشرس بروایت احمد بن یوسف روایت کرتا ہے کہ محمد بن لیث نے جو عہد خلیفہ ہارون الرشید میں ایک باوقار عالم تھا۔ خلیفہ کو ایک طولانی خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "امیرالمومنین! قیامت کے دن تو خدا کو کیا جواب دیگا کہ تو نے یحییٰ ابن خالد اور اس کی اولاد کو مسلمانوں پر حاکم مقرر کر رکھا ہے۔ جو کام اہل اسلام کا تھا وہ زندیقوں کے سپرد کیا ہے"۔ خط کا مضمون پڑھ کر ہارون چپ ہو رہا اور ایک دن یحییٰ برمکی سے پوچھا کہ محمد بن لیث کے حق میں آپ کا کیا خیال ہے۔ یحییٰ نے کہا کہ امیرالمومنین وہ منافق اور مرتد ہے۔ مذہب اسلام سے اُسے کوئی تعلق نہیں ہے۔ صرف اپنی شیریں زبانی سے لوگوں کو فریب دیتا ہے۔ اور مسلمانوں کی بدگوئی اور جھوٹی شکایتیں کیا کرتا ہے"۔

بہرحال برامکہ کے مذہب اور عقائد کی طرف سے ہارون کو ایک قسم کا مشتبہ خیال پیدا ہو گیا تھا لیکن فی نفسہٖ یہ خاندان مذہب اسلام کا پابند تھا۔ گو فلسفے کے ذوق نے زندقہ اور ارتداد سے منسوب کر دیا تھا۔ لیکن مؤرخین کے نزدیک برامکہ حقیقت میں زنادقہ سے نہیں تھے +

حاشیہ: ملے طبری کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۶۸۔

فضل بن ربیع کی مخالفت (۱۴)

برامکہ[1] کے کھلے ہوے دشمنوں میں ایک فضل[2] بن ربیع حاجب بھی تھا۔ جو برامکہ کی برابری کا دعویدار تھا۔ اگر اُس کا اختیار ہوتا تو وہ بھی برامکہ کے درجے پر پہنچتا۔ اُس کے مخبر اور جاسوس صرف اسی کام کیواسطے مقرر تھے کہ وہ اس خاندان کے جزو کل حالات جو روزمرہ معلوم ہوں دریافت کیا کریں۔ اور جو نئی بات معلوم ہوتی وہ فوراً ہارون الرشید سے جاکر کہدیتا۔ جس سے ہارون کا دل پھر گیا تھا۔ عبداللہ بن سلیمان[3] بن وہب کا قول ہے کہ "جب خدا کسی قوم کا زوال نعمت اور ہلاکت چاہتا ہے تو اُس کے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے چنانچہ برامکہ کے زوال میں یہ بھی ایک سبب تھا کہ وہ فضل بن ربیع کے معاملات میں پہلو تہی کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ فضل بن ربیع یحییٰ برمکی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس وقت یحییٰ لوگوں کی حاجت روائی کر رہا تھا۔ چنانچہ فضل نے بھی دس رقعے مختلف مضمون کے پیش کئے۔ یحییٰ نے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عیب نکال کر اُس کو واپس کر دیے۔ تب فضل غصے ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ جعفر بھی اُس وقت یحییٰ کے پاس موجود تھا۔ روانگی کے وقت یحییٰ نے ایک خادم کو حکم دیا کہ فوراً دوڑو جس وقت فضل گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو سننا دیکھو وہ کیا کہتا ہے کیونکہ انسان اپنے دلی خیالات کا اظہار تین موقعوں پر کرتا ہے **اوّل** جب پلنگ پر بقصد آرام لیٹنا چاہتا ہے۔ **دوسرے** جب اپنی بی بی کے

حاشیہ [1] حیوۃ الحیوان دمیری جلد ۲ صفحہ ۲۰۱ الفخری صفحہ ۱۹۱ [2] منصور۔ مہدی اور ہادی کے زمانے میں بھی فضل حاجب تھا [3] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ ومرآۃ الجنان یافعی۔

فضل پاس تنہا بیٹھتا ہے تیسرے جب گھوڑے پر سوار ہوتا ہے چنانچہ جس وقت فضل گھوڑے پر سوار ہوا تو اس کی زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

متیٰ و عسیٰ یثنی الزمان عنانہ	کب دا (اور یہ قریب ہے) زمانہ اپنی باگ پھیرے گا
بتصریف حال والزمان عثور	حالت کو بدل کر (اور زمانہ بڑا ٹھوکر کھانے والا ہے)

یحییٰ نے یہ سنا تو فضل کو بلایا اور سب کام کر دیئے۔ چنانچہ اس واقعہ کے چند روز ہی بعد برامکہ کا زوال ہوا علاوہ محمد بن لیث اور فضل ربیع کے اسمٰعیل بن صبیح بھی برامکہ کی برائیاں ہارون سے بیان کیا کرتا تھا اور ممکن ہے کہ اکثر لوگ ایسے مخالف ہونگے جس سے ہارون کا اشتعال بڑھ گیا تھا

زراوہ محمد مشیر خاص کی گمشدگی

خلیفہ ہارون الرشید کے خاص مصاحبوں میں زراوہ محمد ایک مشہور شخص تھا۔ ایک دن خلوت خاص میں زراوہ اور جعفر برمکی دونوں موجود تھے زراوہ نے اس خیال سے کہ شاید خلیفہ کو کوئی راز کی بات وزیر سے کہنا منظور ہو اجازت لیکر جانا چاہا لیکن ہارون نے حکم نہیں دیا تب جعفر نے اشارتاً سمجھا کہ زراوہ سے کوئی خاص بات کہنا منظور ہے اور خود اجازت لے کر رخصت ہو گیا۔ اور ایک خادم سے کہتا گیا کہ جب زراوہ چلا جائے تو مجھ سے آنکر اطلاع کرنا۔ جب خلوت ہو گئی اور سوائے اس مصاحب کے کوئی باقی نہ رہا۔ تو ہارون نے زراوہ سے کہا کہ تم ہمارے خاص مصاحب ہو۔ جہانتک ہوسکے جعفر سے بچتے رہنا کیونکہ میری خاص مہربانیاں جعفر کے رشک و حسد کا باعث ہونگی۔ ایسا نہو کہ تم کو کوئی سخت

حاشیہ: جامع الحکایت میں یہ اشعار لکھے ہیں جو عربی کا ترجمہ ہیں ؎

قضا عجب بنو گر عناں بگرداند	صفات اہل زماں در زماں بگرداند
سر بسیرت مجنند عرا بس از اندوہ	چو حال گرداں حال جہاں بگرداند

صدمہ پہنچ جائے۔ زرادہ نے عرض کیا کہ "امیر المومنین کی محبت اور خیر خواہی میری محافظ ہے۔
جب تک یہ مستحکم ہے مجھے کوئی صدمہ نہیں پہنچا سکتا ہے" اور چلتے وقت بہت سی راز کی
باتیں زرادہ سے کہیں جب جعفر کو معلوم ہوا کہ زرادہ خلیفہ سے رخصت ہو کر اپنے مکان
پر پہنچ گیا ہے۔ تو خود زرادہ کے مکان پر گیا جہاں تک ممکن ہوا زرادہ نے وزیر کی عزت
اور تعظیم کی اور ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ آخر جعفر نے پوچھا کہ آج جن خاص معاملات
پر خلیفہ سے گفتگو ہوئی ہے میں اس کو سننا چاہتا ہوں۔ زرادہ نے بہت کچھ معذرت
کے بعد کہا کہ "مجکو یہ زیبا نہیں ہے کہ امیر المومنین کے اسرار کسی غیر سے کہوں اور غالباً آپکو
آپ بھی جائز نہ کہیں گے"۔

جب جعفر کا اصرار ختم ہو گیا اور زرادہ نے کچھ نہ بتایا تب جعفر رخصت ہو کر اپنے مکان میں
آیا اور زرادہ فوراً خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوا اور جو گفتگو ابھی ہوئی تھی وہ سب
کہہ سنائی ہارون رشید۔ جعفر پر بہت غصہ ہوا اور دلی رنج بھی بڑھ گیا۔ اور زرادہ سے کہا
کہ "جعفر تمہارا دشمن ہو گیا ہے لیکن اطمینان رکھو اس کی بات جو تمہارے خلاف ہو گی نہ
سنونگا۔ بلکہ تمہارے موجودہ اعزاز میں بھی اضافہ کروں گا" چنانچہ زرادہ بہ اطمینان رخصت
ہو گیا اور اپنے ایک خادم کو جعفر کے پاس روانہ کر دیا۔ اور جو گفتگو ابھی خلیفہ سے
ہوئی تھی اس کی اطلاع جعفر کو کر دی۔ جعفر کو کھٹکا ہوا۔ اور سمجھا کہ واقعی خلیفہ ہر جرم
کا انتقام لیگا۔ اسلئے جعفر نے مناسب سمجھا کہ کسی حکمت سے زرادہ کو خلیفہ کی نظر سے پوشیدہ
کرے۔ ہر چند یہ مشکل کام تھا لیکن جعفر نے تمام حجاب۔ اور مصاحبین اور خدام کو اپنی طرف

ملا ہا۔ اور کسی کی مجال نہ رہی کہ کوئی جعفر کے خلاف ایک بات بھی زبان سے نکال سکے اور حاجب و خدام سے کہدیا کہ جب ذرارہ حاضر ہو تو کوئی اس کی اطلاع خلیفہ سے نہ کرے بلکہ یوں کہدے کہ اب وقت ملاقات کا گزر گیا ہے۔ یا یہ کہ اس وقت کسی کو جانے کی اجازت نہیں ہے اور جب خلیفہ دریافت کرے تو ہر ایک یہی جواب دے کہ وہ ان دنوں بیمار ہے۔ عارضہ مہلک ہے۔ کیا عجب ہے کہ عنقریب فوت ہو جائے۔ اور جب اسی طور پر چند روز گزر جائیں تو یہ کہنا کہ اس غریب کا انتقال ہو چکا ہے؛! چنانچہ جعفر کے حکم کے بموجب سب نے ایسا ہی کیا۔ جب خلیفہ کو ذرارہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو سنکر بہت افسوس کیا اور اس کے اہل وعیال کے واسطے وظیفہ مقرر کر دیا لیکن جو لوگ اس سازش میں شریک تھے ان کو اس صریحی جھوٹ سے اب دغدغہ پیدا ہوا کہ ایسا نہو یہ راز کھل جائے اس لئے سب کو یہ فکر ہوئی کہ یا تو ذرارہ قتل کر ڈالنا چاہیئے یا یہ فکر کی جائے کہ وہ کہیں چلا جائے اور خلیفہ کو اس کی مطلق خبر نہ ہو۔ اتفاق سے ان حالات کی جعفر عبداللہ ہاشمی کو بھی جو جعفر کا دشمن تھا خبر ہو گئی وہ ذرارہ سے جاکر ملا اور سب حالات بیان کیے اور یہ فکر کی کہ ذرارہ اور ہارون الرشید کی شکارگاہ میں ملاقات کرادے چنانچہ ایسا ہی کیا۔ ذرارہ کو دیکھ کر ہارون الرشید بہت خوش ہوا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ واقعی یہ سب شرارتیں جعفر کی ہیں۔ جب شکار سے واپس آیا تو ایک مجلس جشن مرتب کی اور ذرارہ کی زبانی سب حالات سنے علامہ ابن خلدون تحریر فرماتے ہیں کہ جب بطور تعریض کے مجلس رشید میں ایک موقع پر مغنی نے یہ اشعار گائے۔

لیتؔ ھند انجزتنا ما تعد	کاش ہند اپنا وعدہ پورا کرتی ۔
وشفت انفسنا مما تجد	اور ہماری روح کو غم سے شفا دیتی ۔
واستبدت مرۃ واحدۃ	کاش وہ ایک دفعہ بھی خود مختار بنتی ۔
انما العاجز من لا یستبد	وہ شخص عاجز ہے جو خود مختار نہ ہو ۔

تو رشیدؔ نے کہا خدا کی قسم عاجز میں ہی ہوں" اور بطور تعریض کئی مرتبہ کہا انما العاجز لا یستبد اس واقعہ سے بھی ہارون الرشید کا جوش بڑھ گیا اور جعفر کے قتل پر متوجہ ہو گیا

گمنام خطوط سے اشتعال طبع پیدا ہوا

اسباب مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ یہ واقعات چھوٹے چھوٹے تھے مگر ہارون الرشید جعفر اور اس کے خاندان کی طرف سے بدظن ہو چکا تھا۔ اور بہت سے بُرے خیالات اس کے دل میں جم گئے تھے لیکن واقعات مذکورہ کو ان خطوط اور گمنامؔ عرائض نے اور بھی مستحکم کر دیا جو برامکہ کی شکایت میں ہارون کے پاس بھیجی گئیں جس میں یہ اچھی طرح سے ہارون کو بتایا گیا کہ حقیقت میں ملک سلطنت کے مالک تو برامکہ ہیں۔ اور خلافت برائے نام ہے۔ چونکہ مہدی اور منصور کے زمانے سے یہ خاندان مالک الملک ہو رہا تھا۔ اس وجہ سے ہارون کی نظر اس قدر وسیع نہیں تھی کہ وہ سمجھ لیتا کہ سلطنت اور وزارت میں کیا فرق ہے لیکن رعایا کی نظریں ان واقعات کو اچھی طرح دیکھ رہی تھیں ۔ کہ

حاشیہ ۱؎ یہ واقعہ مفصلاً تاریخ برنی سے لکھا گیا ہے کیونکہ عربی تاریخوں میں مختصر تحریر ہے۔

۲؎ مقدمۂ ابن خلدون صفحہ ۱۱

۳؎ دیکھو ابن خلکان و مرآۃ الجنان یافعی حالات جعفر برمکی۔

خلافتِ عباسیہ عنقریب نیا جنم لیا چاہتی ہے۔ چنانچہ ان اشعار سے اُس کی تصدیق ہوتی ہے۔ جو ایک گمنام خط میں ہارون الرشید کو لکھے گئے ہیں۔

قل[1] لامین اللہ فی ارضہ	خدا کی زمین کا جو امانت دار ہے۔
ومن الیہ الحل والعقد	اور جو حل و عقد کا مالک ہے اُس سے کہدو۔
ھذا ابن یحیی قد غدا مالکا	کہ یحیی کا بیٹا تیری طرح مالک بن بیٹھا ہے۔
مثلک ما بینکما حد	تجھ میں اور اس میں کوئی حدِ فاصل نہیں۔
امرک مردود الی امرہ	تیرا کہنا اس کے حکم سے رد ہو جاتا ہے۔
وامرہ لیس لہ رد	لیکن اُس کا حکم رد نہیں ہو سکتا۔
وقد بنی الدار التی ما بنی ال	اُس نے ایک مکان بنایا ہے۔
فرس لہا مثلا ولا الہند	جیسے مثل فارس اور ہند کسی نے نہیں بنایا۔
والدر والیاقوت حصباؤھا	موتی اور یاقوت اُس کی کنکریاں ہیں۔
وتربہا العنبر والند	اور اُس کی خاک عنبر اور لوبان ہے۔
ونحن نخشی انہ وارث	ہم لوگوں کو یہ ڈر ہے کہ جب آپ کو قبر چھپائے گی
ملکک ان غیبک اللحد	تو وہ ملک کا وارث ہو جائے گا۔

جب ہارون نے یہ اشعار پڑھے تو اشتعال کی تحریک اور زیادہ ہو گئی اور بُری طرح سے برامکہ کے پیچھے پڑ گیا۔

حاشیہ [1] یہ اشعار حیوٰۃ الحیوان دمیری جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ سے نقل کئے گئے ہیں۔

(۷) عرب کا گروہ اور اسکا اقتدار

ہر ایک سلطنت میں شخصی ہو یا جمہوری یہ نہایت مشکل ہے کہ ایک شخص یا ایک خاندان گمنام ہو کر زندگی بسر نہیں کر سکتا ہے۔ اور لوگ اس کے فوراً مخالف بلکہ جانی دشمن ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حالات خلافت مامون الرشید میں شمس العلما مولانا شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں کہ "عرب کا گروہ جو دربار میں ایک بڑی قوت رکھتا تھا۔ ہمیشہ سے اہل عجم کا حریف مقابل تھا۔

ہارون الرشید کے زمانے میں خاندان برامکہ کی بربادی کے اصلی باعث یہی لوگ ہوئے تھے" اور یہ امر مسلم ہے کہ ہارون الرشید کی سلطنت دو قوتوں سے مرکب تھی۔ فوجی قوت کا عنصر عرب تھا فوج اور اکثر سرداران فوج عرب تھے ملکی صیغہ عجم یعنی برامکہ کے ہاتھ میں تھا اور اس وجہ سے دولت کے مزے انھیں کو زیادہ حاصل تھے۔ یہ حالت ضرور دونوں میں رشک پیدا کرنے والی تھی۔ امین و مامون کی رقابت نے یہ علیحدگی اور بڑھا دی۔ کیونکہ عرب زبیدہ کے تعلق سے امین کے طرفدار تھے اور عجم۔ مامون کو اپنا بھانجا کہتے تھے۔ ہارون الرشید جس قدر مامون کی طرف زیادہ جھکتا جاتا تھا عرب اس کو اپنی شکست سمجھتے تھے اس لئے اس فتنے کے برپا کرنے میں بھی یقیناً عرب کا بہت بڑا حصہ ہے۔ عرب کا گروہ برامکہ کی شان و شوکت اور اقتدار کو حسد کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اور ہارون کو بات بات پر برانگیختہ کرتا تھا۔ اور چھوٹی چھوٹی معمولی

حاشیہ [۱] المامون طبع دوم حصہ اول صفحہ ۷۔

خبریں۔ ہولناک اور واقعات عظیم کے پیرائے میں دکھلائی جاتی تھیں۔ جس سے ہارون کا اشتعال طبع روز بروز بڑھتا گیا۔

یحییٰ ابن عبداللہ کی رہائی[۵]

عہد ہارون الرشید میں جس قدر بغاوتیں حصول خلافت میں ہوئیں منجملہ اس کے یحییٰ ابن عبداللہ الحسنی[۱] (برادر محمد مہدی ملقب بہ نفس زکیہ) کی بغاوت بھی مشہور ہے۔ ہارون کے مقابلے میں بمقام طبرستان یحییٰ نے علم بغاوت بلند کیا۔ چنانچہ فضل برمکی کی حکمت عملی سے ہارون الرشید کو کامیابی ہوئی اور یحییٰ دار الخلافۃ میں حاضر ہوا۔ خلیفہ نے بہ نظر احتیاط و اعتبار جعفر کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس قیدی کو اپنی نگرانی میں رکھے اور جہانتک ممکن ہے حفاظت کیجائے چنانچہ جعفر نے یحییٰ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ ایک دن جعفر نے یحییٰ کو اپنے پاس بلایا اور سب حال دریافت کئے۔ چونکہ یحییٰ کو یقین [illegible] ہارون الرشید آل ابو طالب کا جانی دشمن ہے اس لئے نہایت عاجزانہ لہجہ میں کہا "اے جعفر! باوجود اس فضل و تقدس کے کیا تو مجھے ہلاک کرے گا۔ کیا تجھکو معلوم نہیں ہے کہ میں فرزند علی ہوں۔ خدائے عز و جل سے ڈر اور رسول مقبول کی دشمنی سے محترز رہ۔ میں بے گناہ ہوں۔ ہارون نے مجھ سے فریب کیا ہے اور پناہ دیکر خلاف معاہدہ مجکو قید کیا ہے"۔ جعفر نے رحم کھا کر اس علوی کو چھوڑ دیا اور کہا کہ "جہاں جی چاہے چلے جاؤ"۔ یحییٰ نے کہا مجھے گرفتاری کا خوف ہے۔ تب بہ ہمراہی ایک خاص شخص یحییٰ کو ایک محفوظ جگہ میں بھیج دیا۔ لیکن جعفر کے ایک

حاشیہ[۱] ابن خلکان صفحہ ۱۳۳۔ کامل ابن اثیر صفحہ ۵۸ طبری کبیر صفحہ ۶۶۶ جلد ۳ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۰۔ ابو الفدا صفحہ ۱۰ جلد ۲

خادم نے جو فضل بن ربیع کا مخبر تھا یہ حال فضل سے کہدیا اور فضل نے موقع پاکر رشید سے سب حال بیان کیا۔ چنانچہ خلیفہ نے بعد تحقیقات کے جب واقعہ کی صحت کرلی تو ایک دن اثنائے کلام میں کھانے کے وقت جعفر سے پوچھا کہ "یحییٰ حسینی کا کیا حال ہے؟ جعفر نے کہا" امیرالمومنین وہ بدستور قید میں ہے اور بھاری زنجیروں میں جکڑا ہے" یہ سنکر رشید نے پھر پوچھا کہ تجھے میری جان کی قسم کیا یحییٰ قید میں ہے؟ تب تو جعفر سمجھ گیا اور کہا۔ "امیرالمومنین میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک خلیفہ برحق کو کوئی آزار اس کی ذات سے نہیں پہنچ سکتا ہے" ہارون الرشید کو اس بغاوت انگیز ملزم کے چھوڑ دینے کا نہایت افسوس ہوا لیکن بظاہر خوش ہوکر کہا کہ "بہت خوب کیا۔ میرا بھی یہی ارادہ تھا" جب جعفر رخصت ہوا تو ہارون اس کو دیکھ رہا تھا اور کہتا جاتا تھا "قتلنی الله ان لم اقتلك فكان من امره ما كان" طبری نے اس روایت کو ابو محمد یزیدی کی زبانی بیان کیا ہے جو ایک معتبر راوی ہے اور تحریر واقعہ کے قبل یہ لکھتے ہیں" جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہارون الرشید نے جعفر کو بلا سبب قتل کروادیا یہ محض غلط ہے سبب یہ تھا کہ جعفر نے یحییٰ کو قید سے چھوڑ دیا۔ حالانکہ اس کی نظربندی کی سخت ہدایت جعفر کو کی گئی تھی" اس واقعہ کے بعد ہی جعفر کے قتل کا حکم صادر ہوا تھا۔ اور ہارون کا غیظ و غضب پورے جوش پر تھا۔ اسباب مذکورۂ بالا جو قلمبند ہو چکے ہیں وہ مختلف مؤرخین کی رائے ہیں۔ لیکن امام المؤرخین علامہ ابن خلدون نے

"علامہ ابن خلدون(۹) کی رائے "زوال برامکہ پر"

حاشیہ ملہ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۰ الفخری صفحہ ۱۹۱۔

جعفر و عباسہ کی شادی کے غلط افسانے پر تنقید کرنے کے بعد برامکہ کے زوال پر یہ رائے لکھی ہے کہ "برامکہ پورے طور پر دولت عباسیہ کے خزانوں پر قابض ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ہارون الرشید کو ضرورت کے وقت تھوڑا سا بھی روپیہ خزانے سے نہیں ملتا تھا۔ برامکہ کا قدم استقلال اور استحکام کے ساتھ سلطنت میں جم گیا تھا اور وہ حکومت پر غالب تھے۔ رشید کو سلطنت میں دخل و تصرف کا کچھ بھی اختیار باقی نہ تھا اور تمام دنیا میں آہستہ آہستہ انکی شہرت پھیل گئی تھی اور سلطنت کے تمام اعلےٰ درجے کے منصب انھوں نے حاصل کر لئے تھے چنانچہ **وزارت۔ کتابت۔ حجابت** اور **سپہ سالاری** کے تمام معزز عہدوں پر یحییٰ برمکی کی اولاد میں سے پچیس[1] شخص حکمران تھے۔ مختصر یہ کہ برامکہ سیف و قلم دونوں کے مالک تھے۔ اور دولت عباسیہ کے قدیم جاں نثار ذلت۔ سے خارج کر دئے گئے تھے اور یہ سارے کرشمے یحییٰ کے دم سے تھے کیونکہ وہ ایام ولیعہدی سے تخت نشینی تک ہارون الرشید کا اتالیق تھا بلکہ یحییٰ کی گود میں بچپن سے پرورش پاتا تھا۔ اور یحییٰ کو باپ کہتا تھا۔ یہ ذریعہ اور بھی اعزاز کا باعث تھا۔ تمام اعیان سلطنت برامکہ کی طرف متوجہ تھے۔ دور دراز ملکوں سے بادشاہوں کے تحائف برامکہ کے پاس آتے تھے اور یحییٰ سلطان کہلاتا تھا۔ اور خزانہ دولت سے بھرا چلا جاتا تھا۔ تمام خاندان فقیری کی ذلت سے چھوٹ گیا تھا۔ چھوٹے بڑے سب امیر کبیر تھے۔ جن الفاظ میں برامکہ کی مدح کی جاتی تھی وہ الفاظ خلیفہ کے مدحیہ قصائد میں بھی نہ ہوتے تھے۔ شعرا اور سائلین بڑے بڑے صلے پاتے تھے۔ تمام جاگیرات اور

حاشیہ [1] نہایت افسوس ہے کہ آج ان پچیس آدمیوں کے نام معلوم ہو سکتے ہیں نہ حالات۔

علاقے برامکہ کے قبضے میں تھے۔ جب یہاں تک نوبت پہنچی تو دوست بھی دشمن بن گئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بنو قحطبہ یعنے جعفر کے ننہال کے لوگ بھی اُس کی برائی کے درپے ہوگئے۔ تب تو رشید تمام شکایتوں پر توجہ کرنے لگا اور برامکہ کی معمولی فروگذاشتیں اس کو جرم سنگین معلوم ہونے لگیں یہ اسباب تھے جنہوں نے برامکہ کو تباہ کر دیا اور اُن کی سوانح ہمارے واسطے عبرت کی داستان بن گئی "

خلافت عباسیہ کے مالک برامکہ تھے(۱)

علامہ ابن خلدون کے ہر ہر جملہ کی تصدیق اکثر واقعات سے ہوتی ہے۔ خصوصاً برامکہ کا کُل سلطنت پر قابض اور مالک کامل ہونا بہت زور کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور صرف یہی سبب جعفر کے قتل اور آل برمک کی بربادی کے واسطے کافی ہے۔ مصنف حیوٰۃ الحیوان لکھتا ہے کہ جب ہارون الرشید نے دارالسلطنۃ سے نکل کر ملک کا دورہ شروع کیا تو جس جگہ اور جس باغ میں اُس کے ڈیرے کھڑے ہوتے تھے۔ وہاں یہی معلوم ہوتا تھا کہ یہ برامکہ کی جاگیر ہے۔ ان صداؤں نے ہارون کے کان بدمزہ کر دئے تھے۔ اور بعض اشخاص کو جعفر نے بلاحکم کے قتل بھی کر ڈالا تھا۔ اس سبب سے بھی ہارون ناخوش تھا۔

متعلق اسباب زوال جہاں تک تحقیقات ہوسکی وہ سب رائیں تحریر ہوچکی ہیں۔ علامہ ابن خلکان کی ایک روایت باقی ہے وہ بھی لکھی جاتی ہے۔ سعید بن سالم سے لوگوں نے پوچھا کہ برامکہ پر رشید کیوں غضب ناک ہوا۔ سعید نے کہا خدا کی قسم اُن کا قصور مستلزم قتل نہ تھا۔ لیکن اُن کا زمانہ طول پکڑ گیا تھا۔ اور ہر طوالت کا انجام ملال ہے۔ دیکھو

عمر[1] بن الخطاب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے کو یہ کیسا اچھا زمانہ تھا۔ عدل و انصاف جاری تھا۔ زمانہ پُرامن تھا۔ فتوحات کی ترقی اور اموال کی وسعت تھی۔ لیکن جب اُن کے زمانے نے طول پکڑا دونوں خلیفہ قتل ہوئے۔ جب رشید نے دیکھا کہ برامکہ کی طرف لوگ رجوع ہیں۔ اُن کے مداح ہیں تو وہ ناراض ہوگیا اور بادشاہ تو اس سے کم میں بھی ناخوش ہوجاتے ہیں۔" برامکہ کے دشمن بہت تھے۔ فضل ربیع وغیرہ برامکہ کے محاسن کو چھپا دیتے تھے اور اُن کے قبائح شائع کرتے تھے چنانچہ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا اور کھلی ہوئی مخالفتیں طرفین سے ہونے لگیں۔ اور عداوت کا اعلان پورا پورا ہوگیا۔ چنانچہ واقعات ذیل سے اس کی شہادت ہوتی ہے۔ بقول حافظ شیرازی۔

ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

حاشیہ [1] حضرت عمرؓ ۱۳ھ ہجری میں خلیفہ ہوئے۔ ۱۰ ½ برس کی خلافت کے بعد ۲۳ھ ہجری میں شہید ہوئے۔ ایام جاہلیت میں جب قریش کے قبیلوں میں لڑائی ہوتی تو آپ سفیر ہوکر جایا کرتے تھے۔ اکثر منازعہ کے جلسوں میں بھی پیش ہوتے تھے۔ اس عہد میں ملک شام۔ بعلبک۔ حمص۔ بیت المقدس۔ حلب۔ انطاکیہ۔ تبریز۔ آذربیجان۔ ہرات۔ جرجان فتح ہوا۔ سلطنت کسریٰ برباد ہوئی۔ سب سے پہلے امیر المومنین کا خطاب اختیار کیا۔ سزا سے تازیانہ اور رات کے لیے چوکیدار مقرر کیے دفتر مرتب کیا گیا۔ شہروں میں قاضی بھیجے۔ رمضان کے مہینے میں مسجدوں میں قندیلیں جلائیں۔ اور حضرت عثمانؓ ۲۴ھ ہجری میں مسند خلافت پر بیٹھے ۱۲ برس خلافت کرکے ۳۵ھ ہجری میں شہید ہوئے۔ جزیرۂ قبرس۔ اندلس۔ خراسان۔ اصطخر۔ طبرستان کرمان۔ سجستان۔ نیشاپور۔ سیستان۔ قہستان۔ مرو۔ اور طالقان فتح ہوا۔ ۳۰ھ ہجری میں قرآن شریف کے سب نسخے جمع کرکے دوبارہ ترتیب کیا اور وہی آج تک جاری ہے۔ مسجد الحرام کو وسیع کیا۔ اور بطور پولیس کے اول سپاہی مقرر کئے۔

(۱۱) عبرت

حکیم بختیشوع[1] بن جبرئیل کہتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید ایک دن قصر خلد میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں بھی وہاں جا نکلا وسط میں دریائے دجلہ کا خوشنما منظر عجیب لطف دے رہا تھا سامنے سے آل برمک کی رفیع الشان عمارتیں نظر آ رہی تھیں یحییٰ برمکی کے دروازے پر سوار اور پیادوں کا ہجوم ہو رہا تھا۔ رشید نے دیکھا تو کہا کہ "خدا یحییٰ برمکی کا بھلا کرے غریب ہمارے واسطے کیسی سخت محنت اٹھاتا ہے۔ ہم اس کی بدولت آرام سے عیش کرتے ہیں"۔ حکیم مذکور کہتا ہے کہ ایک زمانے کے بعد پھر مجھے قصر خلد میں جانے کا اتفاق ہوا اور وہی گزشتہ سماں آنکھوں کے سامنے تھا اس روز میں نے رشید کو یہ کہتے سنا کہ "حقیقت میں یحییٰ تو خلافت کرتا ہے۔ میں تو برائے نام ہوں"۔ میں اسی وقت سمجھ گیا کہ بس اب برامکہ کی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۱۲) یحییٰ برمکی سے مخالفت کا اعلان

ہارون الرشید خاندان برامکہ میں یحییٰ برمکی کا سب سے زیادہ ادب کرتا تھا۔ لیکن جب انفعال طبع بڑھ گیا تو یحییٰ کی بھی ہر ہر بات پر اعتراض ہونے لگا۔ یحییٰ کا دستور تھا کہ وہ بلا اجازت ہارون الرشید کے پاس چلا جاتا تھا۔ کسی دربان اور حاجب سے اطلاع کرانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی چنانچہ ایک دن یحییٰ دستور کے موافق ہارون کے پاس چلا گیا اس وقت جبرئیل

حاشیہ [1] یونانی اطبا میں نہایت ہی جلیل القدر اور فاضل طبیب تھا۔ خلفائے عباسیہ سے جس قدر دولت کے خزانے اسکو حاصل ہوئے وہ دوسرے کو نہیں ملے۔ خلیفہ متوکل کے عہد میں اس طبیب سے اعلےٰ رتبے کا کوئی شخص نہ تھا۔ بلکہ لباس اور دیگر سامان آرائش میں اس میں اور خلیفہ میں کچھ فرق نہ تھا۔ ۲۵۶ھ میں فوت ہوا۔ طبقات الاطبا صفحہ ۱۳۰ جلد ۲ و اقعہ الغزی سے نقل کیا گیا ہے۔ [2] طبری کبیر جلد ۳ صفحہ ۷۶۶ مطبوعہ ہالینڈ۔

بن بختیشوع حکیم موجود تھا[۵] یحییٰ نے سلام کیا تو ہارون نے سلام کا جواب دھیمی آواز سے دیا اور جبرئیل سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے مکان میں کوئی شخص بلا اجازت آسکتا ہے؟ جبرئیل نے عرض کیا کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ پھر یحییٰ سے پوچھا کہ بلا اجازت کیوں آئے ہو؟ یحییٰ نے جواب دیا کہ "یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میں بلا اجازت اسی وقت نہیں آیا ہوں بلکہ جس وقت امیر المومنین بستر خواب میں ہوتے تھے تو میں وہاں تک چلا جاتا تھا۔ لیکن اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اب میرا وہ درجہ نہیں رہا اور میرا آنا امیر المومنین کو ناگوار ہے۔" یہ جواب سنکر ہارون نادم ہو کر چپ ہو رہا۔ اور یحییٰ نے سمجھا کہ بس اب اقبال کا خاتمہ ہو گیا۔ بلکہ ہارون نے یحییٰ کی یہاں تک حقارت کر دی تھی۔ کہ مسرور کو حکم دے دیا تھا کہ اب کوئی غلام یحییٰ کی تعظیم کو نہ کھڑا ہو ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا؛

برامکہ عمدہ جاگیرات کے مالک تھے (۱۳)

مسعودی لکھتا ہے کہ ابو عبید اللہ مارستانی نے قاضی یحییٰ بن اکثم سے اور انھوں نے اسمٰعیل بن یحییٰ ہاشمی سے سوال کیا تھا کہ آپ کو برامکہ کے قتل کا سبب معلوم ہے۔ تو اسمٰعیل نے کہا کہ ہاں مجھے اس معاملہ کے ظاہر و باطن سے اطلاع ہے۔ میں ایکدن ہارون الرشید کے ہمراہ

حاشیہ [۵] جبرئیل بن بختیشوع بن جارجس یونانی دربار ہارون الرشید کا مشہور فاضل طبیب تھا اسکے علاج بڑے بڑے معرکے کے مشہور ہیں۔ ۱۷۵ھ میں جب جعفر برمکی بیمار ہوا ہے تو خلیفہ نے اسی طبیب کو اس کے علاج کے واسطے مقرر کیا تھا۔ دربار رشید میں اسکا مرتبہ وزارت سے کم نہ تھا۔ جب امین الرشید تخت نشین ہوا ہے تو وہ بھی اس کی بڑی عزت کرتا تھا اور بغیر اجازت اس طبیب کے پانی تک نہ پیتا تھا۔ ۲۳ برس تک ہارون الرشید کی اس نے خدمت کی تھی۔ اور عہد مامون الرشید میں بمقام ماشن ۲۱۳ھ میں فوت ہوا۔ اور دیار سرجیس میں دفن ہوا۔ علاوہ طب کے دیگر فن میں بھی اس کی تصنیفات ہیں۔ طبقات الاطباء صفحہ ۱۲۷ جلد ۲۔ [۵] اعلام الناس صفحہ ۱۵۴۔

شکارگاہ میں تھا کہ ناگاہ دور سے کچھ سوار نظر آئے۔ رشید نے پوچھا کہ یہ کس کا موکب ہے
میں نے عرض کیا کہ آپ کے بھائی جعفر بن یحییٰ کی اردلی کے سوار ہیں۔ تب اپنے داہنے
بائیں دیکھا تو بہت سے سوار ہمراہ رکاب تھے۔ پھر اُس طرف نظر کی تو جعفر کے سوار نہ دکھائی
دئے تب مجھ سے پوچھا کہ وہ لوگ کیا ہوے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے بھائی صاحب
کسی دوسرے راستے سے تشریف لیگئے ہیں اور جدھر سے آپ جارہے ہیں اُن کو یہ راستہ
معلوم نہ ہوگا۔ کہا نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ جعفر نے ہم کو اِس قابل نہیں سمجھا کہ وہ ہمارے ساتھ
ہوکر زیب و زینت کا باعث ہو۔ میں نے کہا امیرالمومنین معاف فرمایئے اگر جعفر کو یہ جگہ
معلوم ہوتی تو ہرگز تجاوز نہ کرتے اور ضرور آپ کے ساتھ ساتھ چلتے۔ تھوڑی دور چل کر
ایسی جگہ پہنچے جہاں مویشیوں کی کثرت تھی۔ اور خوب صورت مکانوں کا سلسلہ لگاتار
چلا گیا تھا۔ اور اسی جگہ سے گاؤں کی طرف جانے کا راستہ تھا۔ تھوڑی دور چل کر گاؤں
کے دروازے پر پہنچ گئے یہاں کی زمین سرسبز و شاداب اور علے العموم موضع کی عمدہ حالت
تھی۔ کھلیانوں میں غلہ کی افراط تھی۔ اور رعایا بھی خوش حال نظر آتی تھی۔ یہ دیکھ کر میری
طرف مخاطب ہوا اور پوچھا کہ یہ کس کی جاگیر ہے میں نے کہا جعفر کی یہ سنکر
چپ ہو رہا پھر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور آگے چلا۔ رستے میں
جہاں تک جانے کا اتفاق ہوا کوئی موضع بھی ایسا نہ ملا جس کی
حالت خراب ہوتی۔ بلکہ سرسبز و شاداب تھے۔ ہر موضع کو دیکھتا
اور مجھ سے پوچھتا تھا کہ یہ کس کا ہے، میں عرض کرتا تھا کہ آپکے بھائی جعفر کا۔

جب شکار سے دارالخلافہ بغداد میں واپس آئے۔ میں نے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ تب
ہارون نے چاروں طرف دیکھا میں بھی سمجھ گیا اور جو مجمع تھا وہ منتشر ہو گیا۔ جب میں اکیلا
رہ گیا تو مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا " اسمعیل! تم دیکھتے ہو برامکہ نے دولت سے اپنا گھر بھر
لیا ہے۔ خود امیر بن گئے ہیں۔ اور میری اولاد کو فقیر کر دیا ہے۔ اُن کے معاملات سے میں نے
اب تک غفلت کی ہے" یہ سنکر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب اِس خاندان پر بلا نازل ہوا
چاہتی ہے۔ پھر میں نے کہا کہ امیرالمومنین کے یہ خیالات کس بنا پر ہیں کہا جو کچھ ہے ظاہر ہے۔
میں نے مدتہا غفلت کی ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ شہر سے اس قدر نزدیک سلسل ایک
ہی پٹری پر برامکہ کی جاگیر ہے۔ میری اولاد میں سے کسی ایک کی بھی ایسی جاگیر نہیں ہے۔
دارالسلطنۃ کے قریب کی تو یہ حالت ہے دور دراز ممالک کا معلوم نہیں کیا حال ہو گا؟
میں نے کہا کہ برامکہ تو آپ ہی کے خادم اور بندے ہیں۔ اُن کا خزانہ۔ اور جاگیریں۔
حقیقت میں آپ ہی کا مال ہے۔ یہ سُنکر مجھے قہر کی نظروں سے دیکھا اور کہا " یہ بات
نہیں ہے۔ بلکہ وہ بنی ہاشم کو اپنا غلام سمجھتے ہیں اور خود ہی خلیفہ ہیں۔ اور بنی عباس کے
پاس جو دولت ہے اُس کو بھی وہ اپنا عطیہ سمجھتے ہیں" میں نے کچھ اور عرض کیا تو کہا
معلوم ہوتا ہے کہ تو میری باتیں اُن کو بتلا دے گا۔ میں تجکو حکم دیتا ہوں کہ افشائے راز نہ
ہو۔ اور اگر ہوا تو میں سمجھونگا کہ یہ تیرا ہی کام ہے۔ میں نے کہا " نعوذ باللہ! میں آپ کا راز کہوں
یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ خلیفہ ہارون الرشید کی یہ پہلی تقریر تھی جو برامکہ کی مخالفت میں کی
گئی۔ پھر میں رخصت ہو کر مکان چلا گیا اور دوسرے دن صبح کو حاضر ہوا۔ اُس وقت

باب السلام کے مشرقی جانب ہارون الرشید بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھی پاس جاکر بیٹھ گیا اور سامنے جانب مغرب جعفر کے محل نظر آرہے تھے دروازے پر سرداران فوج۔ عمال۔ اور امرائے دربار کا ایک ہجوم لگا ہوا تھا اور ہر روز جعفر کے دروازے پر ایسا ہی مجمع رہتا تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر میری طرف متوجہ ہوا اور کہا "اسمعیل! میں کل تم سے کیا کہتا تھا دیکھو! جعفر کے دروازے پر کس قدر لونڈی غلاموں اور سواروں کا مجمع ہے اور ایک میں ہوں کہ میرے دروازے پر ایک بھی نہیں ہے" میں نے کہا "امیر المومنین آپ کو خدا کی قسم! اپنے دل میں اس قسم کے خیالات نہ رکھئے۔ جعفر حقیقت میں آپ کا خادم اور غلام ہے اور سپہ سالار بھی ہے اگر اس کے دروازے پر فوج نہ ہوگی تو کس کے دروازے پر ہوگی۔ کیونکہ جعفر کا دروازہ تو فی نفسہ آپ ہی کا دروازہ ہے" یہ سنکر کہا کہ "دیکھو گھوڑوں کی اس قدر کثرت ہے کہ یہاں تک تانتا لگا ہوا ہے۔ صرف میری سُبکی کے واسطے جعفر ایسا کرتا ہے۔ خدا کی قسم میں ان باتوں پر اب صبر نہیں کرسکتا ہوں" پھر اس کا غصہ بھڑک اٹھا اور ایسا جوش میں آیا کہ گفتگو کرنا بھی بند کردی۔ تب مجھے یقین ہوگیا کہ

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قضا ہے

اور میں اجازت لے کر گھر چلا گیا۔ راستے میں جعفر کو آتے ہوئے دیکھا میں قصداً چھپ گیا اور جعفر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بعد معمولی آداب کے ہارون نے اپنی داہنی جانب جعفر کو بٹھایا اور حد تعظیم کی۔ دیر تک بہ خندہ پیشانی باتیں کرتا رہا۔ اور اپنے خاص خادموں میں سے ایک خادم مرحمت فرمایا۔ یہ خادم نہایت حسین۔ ظریف۔ کاتب۔ محاسب۔ ہوشیار۔

اورعقیل تھا۔ امیرالمومنین کی اس فیاضی سے جعفر نہایت خوش ہوا حالانکہ یہ خادم جاسوس
تھا اور جعفر کے حق میں بلا تھا۔ ہارون سے ایک ایک حال جعفر کا آن کر کہا کرتا تھا۔ اس
واقعہ کے تیسرے دن میں جعفر کی خدمت میں حاضر ہوا جب تخلیہ ہو گیا اُس وقت میں
نے جعفر سے کہا کہ "اگر اجازت ہو تو بطور نصیحت کے کچھ عرض کروں۔ کیونکہ میں یہ جانتا
تھا کہ جو گفتگو اس وقت ہو گی یہ خادم ضرور جاکر ہارون سے کہدیگا۔ جعفر نے کہا کہ آپ کو
اجازت ہے جو کہنا ہے کہئے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے کہ جب خلیفہ نے جعفر کو خراسان کا والی مقرر
کر کے چندروز کے بعد معزول کر دیا تھا اور اب نہروان کی حکومت سپرد کی گئی تھی اور
سامان سفر درست ہو رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اے میرے سردار! آپ ایسے شہر کو
تشریف لے جانے والے ہیں جس کے اطراف نہایت وسیع ہیں اور خیر و برکت کی جگہ
ہے۔ اگر آپ بعض جاگیریں امیرالمومنین کی اولاد کے نام منتقل فرمادیں تو ترقی دولت کا
باعث ہو سکتا ہے۔ جب میں کہہ چکا تو جعفر نے میری طرف غضب ناک ہو کر دیکھا۔ اور
کہا کہ "اے اسمٰعیل تمہارے ابن عم ہارون الرشید میرے ہی طفیل میں روٹی کھاتے ہیں۔
اور سلطنت عباسیہ کا قیام میری ذات سے ہوا ہے۔ خزانہ کو دولت سے پُر کر دیا ہے۔ اس پر
بھی صبر نہیں آتا ہے۔ اب اُن چیزوں پر تاک لگائی ہے۔ جس کو میں نے اپنی اولاد کے
واسطے ذخیرہ کیا ہے کہ وہ میرے بعد اُن کے کام آوے۔ خدا کی قسم اگر کوئی شے بھی مجھ
سے ہارون نے طلب کی تو اُس پر جلد وبال نازل ہو گا۔" میں نے عرض کیا کہ "خدا کی
قسم جیسا آپ کا گمان ہے اُس کے مطابق امیرالمومنین نے ایک حرف بھی نہیں کہا ہے

بلکہ یہ تو میری ذاتی رائے ہے۔ تب جعفر نے کہا کہ پھر ایسی فضول تقریر کا کیا نتیجہ ہے اور میں تھوڑی دیر بیٹھ کر اپنے گھر چلا گیا۔ اور اُس دن سے نہ میں جعفر کے پاس گیا نہ دربار میں حاضر ہوا۔ کیونکہ میں نے سمجھا کہ یہ وزیر ہے اور وہ بادشاہ۔ ان کے جھگڑے میں پڑنا فضول ہے۔ دونوں آپس میں نبٹ لینگے۔ لیکن زوال برامکہ میں اب کچھ دیر نہیں ہے کیونکہ اُن کے معاملات میں کمزوری آگئی ہے۔ بعد اس کے خادم ام جعفر نے مجھ سے بیان کیا کہ اُس غلام نے جو بطور مخبر تعینات تھا یہ تمام باتیں جو مجھ سے اور جعفر سے ہوئیں تھیں ہارون کو لکھ بھیجیں اور وہ اُس کے پڑھتے ہی غضبناک ہوگیا۔ اور برامکہ کی بربادی کے حیلے سوچنے لگا۔

تفویض حکومت خراسان[۱۴] علی بن عیسے

برامکہ کی سب سے بڑی جاگیر جس پر تمام فیاضیوں اور اخراجات کا دارومدار تھا۔ وہ خراسان کا ملک تھا۔ کیونکہ معمولی مال گزاری داخل خزانہ ہوتی تھی۔ باقی متفرقات آمدنی کے مالک برامکہ تھے۔ اس جاگیر کا رشک و حسد سب سے زیادہ علی بن عیسے ابن ہامان بن مالک کو تھا اور اُس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ جس طرح ممکن ہو یہ صوبہ برامکہ کے قبضے سے نکل کر میرے پاس آجائے۔ لہذا ہمیشہ جعفر اور یحیی کی برائیاں بیان کیا کرتا تھا۔ جب ہارون کا مزاج برامکہ کی طرف سے برہم دیکھا تو دل کھول کر خوب ہی شکایتیں کیں۔ اور یحیے کے احسانات بالکل بھلا دیئے۔ جس وقت علی کی تقرری کا ہارون الرشید نے ارادہ کیا تو یحییٰ سے مشورہ کیا کہ اگر آپ کی رائے ہو تو

حاشیہ بر صفحہ ۴۳۱

میں فضل اور جعفر کو کوئی عمدہ خدمت عطا کروں اور خراسان کی حکومت علی بن عیسےٰ[1]
کو سپرد کر دوں یحییٰ نے کہا کہ بہت مناسب ہے اور کسی قسم کی مخالفت نہیں کی۔
چنانچہ[2] ۱۸۰ھ میں منصور بن یزید الحمیری کو جو بجائے فضل کے ۱۷۹ھ میں مقرر کیا گیا
تھا معزول کر کے علی کو خراسان کی حکومت مرحمت فرمائی۔ اور جعفر کو بغاوت شام کے
دور کرنے کے حیلے سے وزارت سے بھی الگ کر دیا۔ اور مہر وزارت یحییٰ برمکی کے سپرد
کر دی۔ علی نے جب یہ موقع پایا تو خراسان میں جا کر خوب دست درازیاں شروع کیں اور
حفظ ما تقدم کے لحاظ سے ایک اور چال چلا یعنے اپنا میر منشی یحییٰ کی خدمت میں روانہ
کیا۔ اور اس کو انعام کثیر کا وعدہ کر کے کہا کہ تم یحییٰ سے ایک امان نامہ میرے نام لکھا
لاؤ چنانچہ وہ منشی دربار یحییٰ میں حاضر ہوا اور یحییٰ سے تمام حالات خلوت میں جا کر عرض
کر دئے یحییٰ برمکی نے نہایت صاف دلی سے ایک خط اپنے قلم سے لکھ کر میر منشی کو حوالہ
کر دیا۔ مضمون اس کا یہ تھا کہ "تمام برائیوں سے خدا ہم دونوں کو بچائے اگر تمہارے دل
میں مجھ سے یا میری اولاد کی جانب سے کوئی بدگمانی ہے کہ ہم تمہارے بدخواہ ہیں۔ یا
تمہارے کاموں میں خلل انداز ہیں تو اس خیال کو دل سے نکال ڈالو۔ کیونکہ میں اُن
لوگوں میں نہیں ہوں جن کے یہاں بدی کا بدلہ بدی ہے ہماری طرف سے محبت اور بھلائی

حاشیہ [1] طبری کی روایت ہے کہ یحییٰ نے اول مخالفت کی تھی۔ لیکن جب علی نے تحائف پیش کئے اُس وقت ہارون نے
بطور تعریض کے یحییٰ سے کہا کہ تم اس کے مخالف تھے۔ لیکن اس خیر و برکت کو دیکھو۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ امیر المومنین کی رائے
صائب ہے اور میرے علم سے اس کا علم وسیع ہے لیکن یہ مال جبر کا ہے اور جو تین برس میں فراہم ہوا ہے وہ ایک گھنٹے میں
جمع ہو سکتا ہے۔ جلد ۳ صفحہ ۲۰۰۔ [2] ابن خلدون جلد ۳ حالات ۱۸۰ھ و کامل اثیر صفحہ ۵۰ جلد ۶ و تاریخ
ضیاء برنی۔

کے ہر وقت امید دار رہو۔ اور اس کا کبھی خیال مت کرو کہ جو جاگیر فضل اور جعفر کے
قبضے میں تھی آج اس پر کون قابض ہے۔ عدل و انصاف بڑی دولت ہے یہ ہاتھ
سے نہ جانے پائے دنیا کی سرخروئی اور آخرت کی نجات اسی پر ہے۔ والسّلام" جب یحییٰ کی
تحریر علی کے ملاحظے سے گزری تو بہت خوش ہوا۔ اور انعام واکرام سے میر منشی کو مالامال کر دیا۔
اب چونکہ یحییٰ کی مخالفت کا بھی خوف باقی نہیں تھا۔ اس لئے رعایا پر سخت گیری اور ظلم
کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ موروثی جاگیریں ضبط کر لیں۔ اور جن وسائل سے روپیہ جمع
ہو سکا خوب ہی فراہم کیا۔ لوگ یحییٰ سے شکایت کرتے تھے۔ مگر وہ مجبور تھا۔ چند سال کے
بعد قیمتی جواہرات اور دیگر مال۔ لونڈی۔ غلام وغیرہ لے کر علی بغداد میں داخل ہوا۔ اور دربار
عام میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تاکہ جو تحائف خراسان سے لایا ہے اُسکو علے
رؤس الاشہاد پیش کرے۔ اس کارروائی سے یہ دکھانا منظور تھا کہ برامکہ کے مقابلے میں
میری کارگزاری کی ملک اور سلطنت میں وقعت ہو۔ اور خراسان کے محاصل[1] کا اندازہ بھی
ہو جائے۔ چنانچہ علی کی درخواست کو خلیفہ ہارون الرشید نے منظور کیا۔ اور یہ حکم دیا کہ
ایک وسیع میدان میں دربار عام کی تیاریاں کی جائیں اور وہاں علی اپنی نذر پیش کرے۔
چنانچہ ایک خوش فضا میدان میں ایک رفیع الشان بارگاہ سجائی گئی۔ اور صدر میں تخت
شاہی بچھایا گیا علی نے نہایت فرزانگی اور سلیقہ شعاری سے اپنے تحائف کو پیش کیا۔ ایک جانب

حاشیہ [1] عہد حکومت ہارون الرشید میں خراسان کا سالانہ خراج حسب ذیل تھا۔ کم و بیش یہی عہد ہارون الرشید میں سمجھنا چاہئے۔ دو کروڑ اسی لاکھ درہم۔ چار ہزار گھوڑے۔ ایک ہزار غلام۔ بیس ہزار تھان۔ تیس ہزار رطل ہلیلہ۔ دو ہزار نقرہ چاندی۔ مقدمہ ابن خلدون فصل ۲۔

اشرفیوں کے انبار تھے۔ دوسری جانب دینار و درہم کے ڈھیر تھے۔ تیسری جانب ریشمی کپڑے اور قیمتی اسباب تھا چوتھی جانب ترکی غلام صف باندھے کھڑے ہوئے تھے جنکے گلے میں مرصع تلواریں حمائل تھیں اور قصب مصری کی دستاریں اُن کے سر پر تھیں انہیں کے برابر حوروش کنیزوں کا جھرمٹ تھا۔ جن کے قیمتی لباس اور زیوروں کے جھلا جھلی سے میدان جگمگا رہا تھا۔ مشک نافے اس کثرت سے تھے کہ بغداد کا جنگل مہک رہا تھا۔ اسکے بعد عربی اونٹ اور گھوڑوں کی قطار تھی۔ جو قیمتی ساز و یراق سے مرتب تھے۔ جب یہ تحائف اپنے اپنے موقع پر سجادئے گئے۔ اُس وقت امیرالمومنین کی سواری آئی یہ سامان دیکھ کر خوش ہوگئے۔ اور سے سرخ۔ سفید۔ اور سیاہ انبار نظر آئے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ مصاحبین نے عرض کیا کہ اشرفی۔ نقرہ اور مشک اذفر کے انبار ہیں جو نظر آرہے ہیں غرضکہ ایک ایک چیز کو دیکھتا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ جب سب سامان دیکھ چکا تو صدر ایوان میں آن کر تخت زرنگار پر بیٹھ گیا یحییٰ اور جعفر بھی موجود تھے اور دربار لگا ہوا تھا۔ یحییٰ نے جعفر سے کہا دیکھتے ہو؟ علی نے اس قدر مدت میں کس قدر ظلم و ستم سے خزانہ جمع کیا ہے۔ اور یہ ساری نمائش اس واسطے کی گئی ہے کہ امیرالمومنین کا مزاج ہماری طرف سے برہم ہوجاوے اور لوگوں کو معلوم ہو کہ خراسان کس قدر زرخیز ملک ہے اس کارروائی سے میرے دل پر علی نے کاری زخم لگایا ہے" جعفر نے کہا کہ "علی کی کارروائی پر افسوس اور رنج کرنا فضول ہے کیونکہ وہ ہمارا دشمن ہے۔ خلیفہ کی خوشنودی مزاج کے واسطے غریب رعایا سے یہ دولت حاصل کی ہے لیکن تھوڑے دن میں ملک اور خلیفہ کو معلوم ہوجائے گا۔

کہ یہ روپیہ کیونکر جمع ہوا ہے۔ خراسان میں عنقریب فتنہ و فساد کی آگ بھڑکنے والی ہے۔
بجائے ایک ایک درہم کے جو خزانے میں اس وقت آیا ہے خلیفہ کے سو سو دینار خرچ ہونگے
تب بھی ملک کی بغاوتیں دور نہ ہونگی۔ خراسان اور ماوراء النہر بالکل تباہ کردیا گیا ہے۔
علی نے امیرالمومنین کے ساتھ بھلائی نہیں کی ہے بلکہ یہ سلطنت کی بربادی کے آثار ہیں
جعفر کی اس گفتگو کو لوگوں نے سُنا تو ہارون الرشید سے اطلاع کردی۔ خلیفہ نے جعفر سے
پوچھا تو جعفر نے بھی صاف صاف کہہ دیا کہ امیرالمومنین کو اس مال پر جو بہ جبر رعایا سے وصول
کیا گیا ہے خوش نہونا چاہیئے۔ خلیفہ نے یہ جواب نہایت ناگواری سے سُنا۔ اور علی بن عیسےٰ
کی اس درجہ عزت کی کہ سب دربار کو اُس سے حیرت اور عبرت ہوئی یحییٰ اور جعفر نہایت
افسردہ دل ہو گئے جب مکان پر پہنچے تو یحییٰ نے جعفر سے کہا کہ "جو تم کہتے ہو وہ بالکل سچ
ہے تمہارے اقوال آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں لیکن ہارون لالچی اور طامع ہے اب وہ
کچھ نہیں سُنیگا۔ اور جہاں تک ہوگا ہماری ہلاکت کی فکر کرے گا۔" چنانچہ اس واقعہ کے

جعفر کے قتل کا جوش (۲۱)

بعد روز بروز خلیفہ کا مزاج بگڑتا گیا احمد بن محمد دصل راوی ہے
کہ ایک دن خلوت میں ہارون کے پاس میں کھڑا ہوا تھا۔
لوبان اور عطریات کی خوشبو سے تمام محل مہک رہا تھا۔ ہارون لحاف اوڑھے ہوئے لیٹا
تھا مگر جاگ رہا تھا کہ جعفر برمکی آگیا اور کسی معاملے میں مشورہ کر کے فوراً واپس ہوا۔ جب
جعفر رخصت ہوا۔ تو ہارون کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمہ نکلا کہ "اے خدا تو جعفر کو ایسی
توفیق دے کہ وہ مجھے ہلاک کرے یا مجھے اس پر قدرت مرحمت فرما کہ میں اُس کا سر تن سے

جدا کر دوں۔ کیونکہ اب میری زندگی تلخ ہے۔" یہ باتیں ہارون خود بخود کر رہا تھا میں نے سُنا تو میرا بدن کانپ اُٹھا اور سمجھا اگر ہارون کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں نے اِن کلمات کو سُنا ہے تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ میں اسی دھن میں تھا کہ خلیفہ نے لحاف سے سر نکالا اور کہا کہ میں نے ابھی جو کہا ہے وہ تو نے سنا ہے میں نے انکار کیا۔ ہارون نے کہا کہ نہیں تو نے ضرور سُنا ہے کیونکہ اس وقت عُود اور مجمر تیرے ہاتھ میں ہے۔ اگر جان عزیز ہے تو افشائے راز نہ ہو۔ خیر اس وقت کی تو بات ٹل گئی لیکن چند ہی روز میں ہارون نے اپنا حوصلہ پورا کیا +

جعفر کے قتل کا مشورہ (۱۵)

ابو الحسن عیسیٰ بن موسیٰ راوی ہے کہ ایک دن مجکو ہارون الرشید نے بلا کر کہا کہ " میں ایک راز مخفی کہنا چاہتا ہوں مگر خوب سمجھ لو کہ افشائے راز کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا" میں نے عرض کیا کہ " امیر المومنین کی مجھپر کمال شفقت ہوگی کہ آپ مجھسے وہ راز ظاہر نہ کریں کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی شخص قیاس اور عقل سے وہ واقعات سمجھ جائے اس صورت میں صرف شبہ میں میری جان جاتی رہے گی۔ لیکن رشید نے میرا عذر نہ سُنا اور کہنے لگا۔ میرا قطعی ارادہ ہے کہ برامکہ کا استیصال کر دوں۔ اور فضل بن ربیع کو

وزارت کی تبدیلی پر ہارون الرشید کے خیالات (۱۶)

جو امیر المومنین مہدی کا پروردہ ہے وزارت عطا کروں گر افسوس ہے کہ فضل میں ویسی عقل و دانش نہیں ہے جو برامکہ میں ہے ایسا نہو کہ انکے زوال پر ملک میں بد امنی اور ابتری پھیلجائے یہ خیالات اکثر میرے دل میں آتے ہیں لیکن سخت مجبور ہوں۔ دو تو غیرت اور حسد کی مجہ میں

حاشیہ سلہ لغایۃ ۱۶ تاریخ برلی سے لیے گئے ہیں۔

تاب ہے اور نہ قتل برامکہ مناسب سمجھتا ہوں۔ کیونکہ سلطنت کا قیام اُن کے دم سے ہے۔
اس معاملے میں میری قوت فیصلہ بالکل کمزور ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے۔ میں یہ تقریر سنکر
دم بخود رہ گیا۔ کیونکہ نہ تو صاف جواب دے سکتا تھا اور نہ بغیر کچھ کہے ہوئے چارہ تھا۔ اور
میں اچھی طرح سمجھتا تھا کہ خلافت عباسیہ کا نظم و نسق جعفر اور یحییٰ کے ہاتھ میں ہے آپکے
قتل ہوتے ہی خلافت کا ڈھچر ڈھیلا پڑ جائے گا۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ امیرالمومنین
کی رائے میں میرے مشورے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک ممکن ہو غور و فکر سے
کام لینا مناسب ہے اور تمثیلاً برامکہ کی چند خدمات کا میں نے ذکر کیا۔ رشید نے سر جھکا لیا۔
جس جگہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے یہ ایک خوش فضا باغ دجلہ کے کنارے تھا۔
اس باغ کے متصل ایک ٹکڑا اراضی کا افتادہ تھا۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کی زمین ہے
کسی نے جواب نہیں دیا فضل بن ربیع سے بھی (جو اُس وقت حاجب تھا) دریافت کیا اُس
نے بھی کہا کہ مجھکو اس کا علم نہیں ہے تب جعفر کو بلا کر دریافت کیا اُس نے اول سے آخر
تک اس کی تاریخ بیان کر دی کہ پہلے فلاں کے قبضے میں تھی اور اس وقت فلاں شخص
مالک ہے۔ تب ہارون کو اطمینان ہو گیا اور نظر اغماض سے میری طرف دیکھا۔ جس میں یہ
کنایہ تھا کہ ایسے عاقل اور دانا وزیر کو کیونکر قتل کروں۔"

(نیز حاشیہ ۲۸۰ دیکھو)

خلیفہ ہارون الرشید کی ناراضی کا اثر خاندان برامکہ پر اُن کے باہمی مشورے اور ہارون و یحییٰ کا معاہدہ

جب یحییٰ برمکی کو خلیفہ ہارون الرشید کے افعال و حرکات سے یقین ہو گیا کہ اس کا جوش انتقام اور غلبۂ غضب کسی طرح کم نہو گا اور وہ روز سیاہ عنقریب آنے والا ہے کہ جعفر قتل ہوگا اور خاندان کے چھوٹے بڑے قید کی سخت مصیبتیں اُٹھائینگے۔ اسلئے یحییٰ نے اپنے تمام خاندان کو جمع کیا۔ اور اُن سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تم سب کو معلوم ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید

یحییٰ کا مشورہ خاندان سے

کا مزاج کس درجہ برہم ہے اب مصلحت یہ ہے کہ ہمارے پاس جس قدر مال۔ دولت۔ اور جاگیریں ہیں اُن کی ایک فہرست مرتب کریں۔ اول میں اپنا تمام سرمایہ پیش کرونگا۔ خاندانی عزت کا اگر کچھ بھی پاس ہے تو یہ سب سرمایہ جمع کر کے ہارون کو دے دینا چاہئے۔ ممکن ہے کہ اس کارروائی سے اُس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے۔ کیونکہ وہ بڑا لالچی ہے۔ میں اُس کے مزاج سے خوب واقف ہوں"۔ یحییٰ کی تقریر سنکر سب لڑکے دم بخود رہ گئے **فضل** نے جو فرزند رشید تھا۔ باپ سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ "میرے پیارے باپ آپ کی ہمیشہ ہم سب کو یہ نصیحت تھی کہ جہاں تک ہو سکے دنیا میں نیک نامی حاصل کرو۔ مساکین و فقراء کی اعانت کرو دولت کو جمع مت کرو اب آپ فرماتے ہیں کہ اثاث البیت کی فہرست تیار

کیجائے۔ اور جو اندوختہ ہے وہ برآمد کیا جاوے۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ مال ہمارے پاس اب کہاں ہے اور اگر الامر فوق الادب حکم کی تعمیل کی جائے اور ہم اپنا کل سرمایہ ہارون کے خوش کرنے کو دے دیں تو بھی کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ہارون طامع ہے۔ اس دولت کو دیکھ کر اس کی طمع کو اور تحریک ہوگی اور جلب منفعت کی غرض سے وہ ہم کو قید کریگا۔ میرے نزدیک دیدہ و دانستہ ہلاکت میں نہ پڑنا چاہئے۔ بفرض محال اگر کچھ ہوا تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے بڑھاپے پر رحم کرکے آپ کو زندہ چھوڑ دے گا۔ لیکن ہمارا زندہ رہنا محال نظر آتا ہے۔ اور اس وقت بھی امید حیات نہیں ہے۔ خدا کا حکم عنقریب جاری ہونے والا ہے۔ المحکمہ حکمہٗ والقضاء قضاءہٗ۔ جب یحییٰ نے فضل کا عاقلانہ جواب سنا تو رونے لگا چونکہ کل کنبہ کے دل سوز و گداز سے بھرے ہوئے تھے یحییٰ کی آواز سنتے ہی سب کے سب اس ماتم میں شریک ہوگئے۔ اب برامکہ پر ایک ایک دن بھاری تھا صدقہ اور خیرات کا یہ حال تھا کہ راتوں کو مساکین اور فقرا کے مکان پر جو کچھ ہو سکتا تھا روانہ کرتے تھے اور اپنی ندامات اور حالت پر افسوس کیا کرتے تھے۔ جو مشورہ یحییٰ برمکی نے اپنے بیٹوں کو دیا تھا۔ اگر اس پر عملدرآمد کیا جاتا تو ممکن تھا کہ ہارون الرشید کا غصہ دھیما ہو جاتا اور اپنے خیالات سے درگزر کرتا لیکن افسوس ہے کہ خود فضل و جعفر کو بھی طمع نے اس مفید مشورے سے فائدہ اٹھانے نہ دیا۔

(۲) جعفر کو اپنے قتل کا یقین تھا

علی بن سلیمان سے روایت ہے کہ ایک دن جعفر اپنے مکانات کی سیر کر رہا تھا اور ہر چیز

کو نہایت غور و فکر سے دیکھ رہا تھا جب سب دیکھ چکا تو کہا کہ اُس مکان میں کوئی عیب نہیں ہے شاہان عجم کے مکانات کے نمونے پر بنا ہے ہاں اگر کچھ عیب ہے تو یہی کہ اُس کے مالک کی حیات کا جام لبریز ہو چکا ہے یہ! پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رونے لگا۔ نجوم میں جعفر کو کمال تھا اسی عالم میں اُن نے اپنا زائچہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ خانہ طالع ہبوط میں ہے۔ منحوس ستارے مسعود پر غالب ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ کے تین مہینے بعد قتل ہوا۔ اور ایک سال میں کل خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔

(۳) احباب کے مشورے

برامکہ کے عام احسان اور فیاضی نے رعایا کے دلوں پر پورا قبضہ کر لیا تھا اسلئے سارا ملک (با ستثنا چند امرا) برامکہ کا طرفدار تھا۔ احباب جیسی جیسی وحشت انگیز خبریں سنتے تھے۔ ویسے ہی مفید مشورے برامکہ کو دیتے تھے۔ عثمان بن عبدالرحمن ایک خراسانی فاضل راوی ہے کہ جب میں نے رشید کا مزاج برامکہ کی طرف سے برہم پایا تو یحییٰ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جو غمناک واقعات مدینۃ السلام میں میں نے سنے تھے اُس کا ذکر کیا اور مشورہ دیا کہ خلیفہ کے کئی بیٹے ہیں مصارف بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔ نقدی تو آپ کے پاس نہیں ہے۔ البتہ جاگیریں فضل و جعفر کے پاس موجود ہیں مناسب ہے کہ ان میں سے آپ **امین و مامون** کو دیدیں کہ ہارون کا غصہ کم ہو جائے یحییٰ نے سنا تو رو کر کہنے لگا کہ میری ہمیشہ لڑکوں کو یہ نصیحت رہی کہ خوب صرف کرو اور دنیا میں نیک نام ہو کر رہو۔ چنانچہ جو جاگیریں تھیں اُن میں سے بڑا حصہ اوقاف کا ہے۔ آمدنی میں سے خفیف رقم خزانے میں رہتی ہے۔ بغرض

محال اگر گنج قارون بھی ہارون کو دیدیا جائے تو ہم کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ رضینا بقضا اللہ اور کلام مجید کی یہ آیت پڑھ کر چپ ہو رہا۔ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا ومن جاء بالسیئۃ فلا یجزیٰ الا مثلھا وھم لا یظلمون ۝

اسحاق بن سلیمان سے مشورہ

ثمامہ راوی ہے کہ ایک دن میں یحییٰ کے ہمراہ اسحاق بن سلیمان کے مکان پر حاضر ہوا۔ اسحاق نے یحییٰ کا استقبال کیا اور بڑے تپاک سے لاکر مسند پر بٹھایا اور خود یحییٰ کے سامنے بیٹھ گیا۔ تب یحییٰ نے کہا کہ "اس وقت آپ دونوں صاحب موجود ہیں مجھے مفید مشورہ دیجئے کیونکہ ہارون کے مزاج سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے قتل پر تلا ہوا ہے۔ موقع ملنے پر وہ کسی کو نہیں چھوڑے گا" ثمامہ کہتا ہے کہ دوسری نماز کے وقت تک ہم لوگوں نے نشست کی لیکن کوئی مفید رائے قائم نہ ہوئی اور کسی کی زبان سے کچھ نہ نکلا۔ جب یحییٰ نے یہ رنگ دیکھا تو دل کھول کر خوب رویا اور کہا "المقدر کائن" جو ہونے والا ہے وہ حکم الٰہی ہے۔ ہمارے زوال کی واضح علامت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کی زبان بھی بند ہے۔ حالانکہ تمام بغداد میں آپ کی صائب رائے مشہور ہے۔ پھر یحییٰ اٹھ کھڑا ہوا اور کرر کہا کہ "المقدر کائن" اس گفتگو کے ایک ہفتے بعد جعفر قتل ہوا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید اور یحییٰ کا معاملہ

ہارون الرشید کے طرز عمل اور روزانہ معاملات سے یحییٰ کو اپنی

تباہی کے سامان نظر آرہے تھے اور دن رات اسی اودھیڑ بن میں رہتا تھا جس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰ کے قوے بالکل مضمحل ہو گئے تھے اور حزن و ملال کی علامتیں
اُس کے چہرے پر نظر آتی تھیں جب رشید نے یحییٰ کو دیکھا کہ وہ بالکل تحلیل ہو گیا
ہے۔ اور ہر وقت اُس پر اوداسی چھائی رہتی ہے۔ تو ایک دن یحییٰ سے پوچھا کہ میں
آپ کو ان دنوں بحالت پریشان دیکھتا ہوں اس کا باعث کیا ہے؟ یحییٰ نے جواب
دیا کہ اُس شخص کی غمناکی کیا پوچھتے ہو۔ جس کے سامنے موت کا فرشتہ کھڑا ہو"
خلیفہ نے بتجاہل عارفانہ سے یحییٰ کو جواب دیا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میری حیات میں
آپ کو اس قسم کے واقعات پیش آویں۔ آخر وہ ہے کون جس کی طرف سے آپ کو
خدشہ ہے؟ یحییٰ نے کہا کہ سوائے امیر المومنین کے اور کون ہے جس سے مجھے خوف ہو سکتا
ہے۔ میری مشکلات کی انتہا آستانۂ خلافت تک ہے۔ خود سلطنت ہمارے خاندان
کی دشمن ہے۔ یہی باعث میری پریشانی کا ہے"۔ یحییٰ کی تقریر سنکر رشید نے بہت
سی قسمیں کھائیں۔ اور کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں کسی قسم کی برائی نہ کرونگا"
یحییٰ نے کہا کہ مجھے زبانی باتوں کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ جب غضب کی آگ بھڑکتی
ہے اُس وقت معاہدے اور حلف کا خیال نہیں رہتا ہے"۔ تب خلیفہ نے ایک کاغذ
پر اُن قسموں کو جس کا زبانی اقرار تھا لکھا اور بطور معاہدے کے کچھ اور بھی اضافہ کیا۔

تکمیل کے بعد عبداللہ بن علی۔ عباس بن محمد۔ محمد بن ابراہیم
اور موسیٰ ابن عیسےٰ کے رجو بنی ہاشم سے تھے اس معاہدے پر دستخط ہوئے

علاوہ اس شہادت کے ارکان فوج کی بھی مہریں ہوئیں۔ اور دستاویز یحییٰ کے حوالہ کردی گئی اور دستاویز کے دیتے وقت ہارون الرشید نے کہا کہ "بخدائے لایزال! میرے دل میں کبھی خاندان برامکہ کی برائی کا خیال بھی نہ آئے گا" ہارون الرشید کی اس کارروائی سے یحییٰ بہت خوش ہوا۔ اور اپنے بیٹے **فضل** سے کہا کہ اس کاغذ کو باحتیاط رکھنا کسی وقت یہ کام آویگا۔ **فضل** نے کہا کہ اگرچہ ہارون میرا بھائی ہے (باعتبار رضاعت) لیکن انتقام کے وقت اپنی تحریر کا وہ کچھ بھی خیال نہ کرے گا بلکہ اس کا جو جی چاہے گا کر گزرے گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

واقعات سفر مکہ معظمہ ۱۸۶ھ ہجری

خلافت عباسیہ میں سب سے زیادہ جس خلیفہ نے حج کئے ہیں وہ صرف ہارون الرشید ہے جس کی تفصیل مورخ مسعودی نے بقید سنین لکھی ہے لیکن ماہ صفر ۱۸۶ھ (۹ فروری ۸۰۲ء) میں جو اخیر حج اس نامور خلیفہ نے کیا ہے اس کو تمام مورخوں نے کسی قدر مفصل لکھا ہے کیونکہ بہ لحاظ واقعات یہ سفر خاص سمجھا جاتا ہے۔ جو مورخ جعفر و عباسہ کی شادی کے قائل ہیں۔ وہ یہ لکھتے ہیں کہ جب زبیدہ خاتون کی شہادت سے ہارون کو یہ یقین ہوگیا کہ جو لڑکا عباسہ سے پیدا ہوا ہے وہ مکہ معظمہ روانہ کردیا گیا ہے اسلئے واقعات کی صحت کے لئے اس نے یہ سفر کیا تھا لیکن جس مبتدا کی یہ خبر ہے وہ خود ہی غلط ہے۔ اسلئے یہ بھی ایک معمولی فقرہ ہے۔ بلکہ اصلیت یہ ہے

مقاصد سفر

کہ ہارون الرشید کو مصلحت ملکی سے دار السلطنتہ میں جعفر کا قتل کرنا منظور تھا۔ اس لئے حج کا قصد کیا۔ اور بلاشبہ بمقابلہ بغداد وغیرہ ارض حجاز میں کسی قسم کی مشکلات کا سامنا ہارون کو نہیں کرنا پڑا۔ اور جب جعفر کے قتل کا مصمم ارادہ ہوگیا اُس وقت اول حیرہ سے براہ دریا انبار۱؎ (متعلق صوبہ رقہ) کی طرف کوچ کیا پھر وہاں سے مدینہ منورہ پہنچا۔ اس مابین سفر میں کوئی واقعہ بجز اس کے قابل ذکر نہیں ہے۔ کہ

مدینہ منورہ میں خلیفہ اور برامکہ کی فیاضی

خاندان خلافت نے اہل مدینہ کو انعامات سے مالامال کر دیا۔ چنانچہ اس عہ سال کا نام "عام الاعطیۃ الثلاثۃ" قرار پایا۔ اور خلیفہ کے مقابلے میں برامکہ نے جو فیاضیاں اس سفر میں کیں ہیں اُن کی نسبت محمد بن مناذر نے حسب ذیل اشعار لکھے ہیں۔

اتانا بنو الاملاك من آل برمك	ہمارے ملک میں آل برمک آئے جو بادشاہوں کی نسل سے ہیں
فیا طیب اخبار و احسن منظر	تو کیا اچھی خبر ہے اور کیا اچھا منظر ہے۔
لهم رحلة فی كل عام الی العدا	ہر سال اُن کا ایک سفر دشمنوں کی طرف ہوتا ہے۔
واخری الی البیت العتیق المعطر	اور دوسرا سفر کعبہ پاک کی طرف۔
اذا انزلوا البطحاء مكة اشرقت	جب یہ بطحائے مکہ میں اُترتے ہیں تو وہ

حاشیہ ۱؎ کامل ابن اثیر صفحہ ۶۰ واقعات ۱۷۹ھ انبار بغداد کی جانب مغرب نہر فرات پر یہ شہر واقع ہے۔ ایرانی اس کو فیروز سابور کہتے ہیں اس کا بانی سابور بن ہرمز ہے۔ ابو العباس سفاح نے اسکو از سر نو آباد کیا تھا اور شاہانہ عمارتیں بنوائی تھیں معجم البلدان جلد اول صفحہ ۳۴۱ عہ عرب میں ہر بڑے بڑے واقعات کی تاریخیں بطور یادگار کے قائم ہیں چونکہ ہارون الرشید امین الرشید مامون الرشید تینوں نے حد معمول سے زیادہ فیاضی کی تھی اس وجہ سے اس سال کا نام "عام الاعطیۃ الثلاثۃ" قرار پایا۔ عہ ابن خلکان و مستطرف جلد اول صفحہ ۱۱۱

بیحییٰ و بالفضل بن یحییٰ و جعفر	یحییٰ اور فضل بن یحییٰ اور جعفر کی وجہ سے چمک اٹھتا ہے
فتظلم بغداد و تجلو لنا الدجیٰ	جب یہ تینوں چاند حج کرتے ہیں تو مکہ میں اُجالا
بمکۃ ماحجوا ثلاثۃ اقمر	ہوجاتا ہے اور بغداد میں تاریکی چھا جاتی ہے۔
فما خلقت الا لجود اکفھم	اُن کی ہتیلیاں سخاوت کے لئے بنی ہیں۔
واقدامھم الا لسعی مظفر	اور پاؤں ظفرمند کوشش کے لئے۔
اذا دام یحییٰ الامر ذلت صعابہ	جب یحییٰ کام کا ارادہ کرتا ہے تو مشکلیں سہل ہوجاتی ہیں
وناھیک من راع لہ و مدبر	اور اس سے بڑھ کر کام کا مدبر اور محافظ کون ہوگا۔

غرضکہ اسی طرح پر تالیف قلوب کرتا ہوا۔ ہارون الرشید مکہ معظمہ پہنچا اور خالد بن عیسیٰ کاتب کے مکان میں ٹھہرا علاوہ یحییٰ۔ جعفر۔ فضل۔ اور موسیٰ کے اس سفر میں محمد برمکی بھی ہمراہ رکاب تھا جو اپنے بھائیوں سے علیحدہ ابن نوح کے یہاں فروکش تھا۔ درپردہ اگرچہ ہارون الرشید جعفر کے قتل کی فکر میں تھا۔ لیکن انتظام سلطنت سے بھی غافل نہ تھا کیونکہ سب سے

معاہدہ امین الرشید و مامون الرشید بمقام مکہ معظمہ

بڑا کام اس نے یہ کیا کہ شہزادہ قاسم جس کا موتمن لقب تھا اُس کے واسطے لوگوں سے بیعت لی کہ بعد امین و مامون کے یہی وارث تاج و تخت ہوگا اور جزیرہ و ثغور و عواصم کی حکومت بھی اُس کے سپرد کی اور بہ نظر فساد آیندہ و استحکام سلطنت یہ بھی کیا کہ امین و مامون کو خانہ کعبہ کے اندر لے جاکر نصیحت کی۔

حاشیہ [۱] طبری کبیر صفحہ ۶۰۰ جلد ۳ واقعات حج ۱۸۶ ہجری

پھر دونوں سے عہد اور معاہدے لکھوائے اور ان پر گواہیاں ثبت کیں اور علی روس الاشہاد جس میں یحییٰ برمکی۔ جعفر بن یحییٰ۔ فضل بن ربیع حاجب۔ اور فقہا و علما بھی شامل تھے۔ یہ دستاویزیں پڑھ کر سنائی گئیں اور بعد تکمیل یہ معاہدہ سونے کے نلوے میں رکھ کر حرم کعبہ میں دروازے کے اوپر آویزاں کرا دیا گیا۔ اس کارروائی سے بھی لوگوں کو معلوم ہوا کہ اصلی مقصد اس سفر سے یہی تھا پھر شعرا کے قصائد اور خلیفہ کی فیاضی نے اس واقعہ کو اور بھی چمکا دیا۔[1]

ابتدائی چھیڑ چھاڑ

اگرچہ بظاہر خلیفہ ہارون الرشید ایسے کام کرتا جاتا تھا جس سے نہ اس کا مافی الضمیر معلوم ہو اور نہ برامکہ میں انتشار و وحشت پیدا ہو لیکن پھر بھی دلی جذبات کو نہ روک سکا اور اسی مقدس مقام سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ سب سے پہلی چشمک یہ ہوئی کہ مقام عسفان[2] میں جعفر برمکی جو دعوت ہمیشہ کیا کرتا تھا وہ اس مرتبہ ہارون الرشید نے نامنظور کی۔ جس سے جعفر کو یقین ہو گیا کہ بس اب میری خیر نہیں ہے۔ رشید درمن قال سے

آگہی ہے سرگرداب فنا کشتئ عمر

یحییٰ برمکی و خلیفہ ہارون الرشید کی مناجات خانۂ کعبہ میں

ہر نفس بادِ مخالف کا ہے جھونکا ہم کو

واقعات مذکورۂ بالا کے ذیل میں ایک

حاشیہ [1] کامل ابن اثیر صفحہ ۵۰ جلد ۶۔ المامون حصہ اوّل۔ تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۱۱۳ [2] عسفان الجحفہ اور مکہ کے مابین ایک مشہور قریہ ہے جہاں حجاج کا قافلہ ٹھہرتا ہے۔ اس مقام پر پانی کا ایک چشمہ ہے۔ اور حال میں حجاز ریلوے کا ایک اسٹیشن بھی ہے۔ معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۱۷۰

دل چسپ بات اور بھی ہے اور وہ یہ کہ خاندانِ خلافت اور وزارت میں اس درجہ رنج بڑھ گیا تھا کہ حرم محترم میں دونوں نے ایک دوسرے کی بربادی کی دعا مانگی ہے اس موقعہ پر پہنچ کر علامہؒ ابن الاثیر الجزری تحریر فرماتے ہیں کہ لوگوں نے اس واقعہ کو سبب زوال برامکہ نہیں قرار دیا ہے۔ حالانکہ سب سے بڑا اور قوی سبب تو یہی ہے (یعنے مناجات کعبہ اثر سے خالی نہیں جاتی ہے۔)

چنانچہ یحیٰیؒ حرم کا پردہ پکڑکر یہ مناجات کرتا ہے۔ کہ "اے خدا! میں گنہ گار ہوں۔ اور میرے گناہ بھی بے شمار ہیں جس کو تیرے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ اگر تیری یہ مرضی ہے کہ مجکو سزا دیجائے تو میں راضی ہوں لیکن یہ سزا مجکو دنیا ہی میں دیجائے۔ مجھے کچھ افسوس نہ ہوگا اگرچہ میری دولت اور اہل وعیال مجھ سے چھین لیئے جاویں۔ لیکن اے خدا میری عزت باقی رہے"

یہ دعا کرکے دروازہ مسجد حرم تک پہنچا تھا کہ پھر لوٹ آیا اور عرض کیا کہ "اے خدا! اپنی عزت کو میں نے دعا میں مستثنےٰ کیا ہے۔ نہیں تو یہ بھی سلب کرے میں راضی ہوں" چونکہ خانہ کعبہ

حاشیہ:۔ ۱؎ کامل ابثر صفحہ ۸۵ جلد ۶ عنہ یحییٰؒ کی دعا میں دو روائتیں ہیں لہذا ہر دو روایات مع اصلی الفاظ کے نقل کی جاتی ہیں (بروایت موسیٰ بن یحییٰ برمکی) اللھم ان ذنوبی جمۃ عظیمۃ لا یحصیھا غیرک ولا یعرفھا سواک اللھم ان کنت تعاقبنی فاجعل عقوبتی بذلک فی الدنیا وان احاط ذلک بسمعی وبصری وولدی ومالی حتی تبلغ رضاک ولا تجعل عقوبتی فی الآخرۃ۔ (بروایت احمد بن حسن بن حرب) اللھم ان کان رضاک فی ان تسلبنی مالی واھلی وولدی فاسلبنی الا الفضل طبری کبیر صفحہ ۴۷۶ جلد سوم۔ حیات الحیوان دمیری صفحہ ۱۱۲ جلد ۲۔

کی دعا قبولیت کے اثر سے خالی نہیں رہتی ہے لہذا خدا نے یحییٰ کی دعا کو سن لیا۔ سرور کی روایت ہے کہ جب ہارون طواف کر رہا تھا اُس وقت اُس نے یہ دعا مانگی کہ "اے خدا! تو خوب جانتا ہے کہ جعفر واجب القتل ہے میں تجھ سے اس کے قتل میں استخارہ چاہتا ہوں۔" چنانچہ وقت واپسی مکہ معظمہ انبار کے قریب ہارون الرشید نے جعفر کے قتل کا حکم دیدیا تھا۔

واقعات قتل جعفر برمکی

ہے عجب سیر اگر دیدۂ بینا دیکھے
دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

حج سے فارغ ہو کر خلیفہ ہارون الرشید نے مکہ معظمہ سے کوچ کر دیا۔ اور منزل بمنزل ٹھہرتا ہوا حیرہ[1] پہنچا اور چند روز قصر عون العبادی میں قیام کیا۔ چونکہ مکہ معظمہ ہی سے خلیفہ کا مزاج برہم ہو گیا تھا۔ اور معمولی باتوں پر چھیڑ چھاڑ ہونے لگی تھی اسلئے جعفر متردد تھا اور اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچتا تھا۔ یاس کا یہ عالم تھا کہ بات بات پر زائچے کھینچتا اور شگون لیتا تھا غرضکہ جعفر اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اور ہارون الرشید اپنی دھن میں تھا کہ قافلہ حیرہ سے انبار پہنچا۔

علی بن عیسیٰ کی مخالفت

یہاں ایک دوسری چھیڑ یہ ہوئی کہ علی بن عیسیٰ بن ماہان نے جو قدیمی دشمن اس خاندان کا تھا موسےٰ برمکی کی شکایت ہارون سے کرنا شروع کی کہ "موسےٰ نے رعایائے خراسان کو بھڑکا دیا ہے۔

حاشیہ [1] طبری کبیر صفحہ ۸۰، ۷ بزمانہ نعمان بن منذر ... بن عدی حیرہ۔ کوفہ سے تین میل پر واقع ہے معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۳۷۶ [2] ابن خلکان صفحہ ۹۳ [3] کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۷۵۔ و طبری کبیر صفحہ ۷۰۵ جلد ۳

اور اس پر آمادہ کیا ہے کہ وہ اطاعت سلطانی سے آزاد ہو جائیں اور اسی قسم کی خط و کتابت امرائے خراسان سے ہو رہی ہے۔ یہ سنکر ہارون جھلا اٹھا اور موسے کو قید کر کے بمقام کوفہ عباس بن موسیٰ کے پاس بھیجدیا۔ اگرچہ اس کے بعد ام الفضل کی سفارش سے رہا کر دیا گیا۔

ہارون الرشید کا بمقام عمر ٹھہرنا اور جعفر کا قتل ہونا

لیکن جب بمقام عمر[1] پہنچا تو پوری پوری تیاریاں قتل کی کی گئیں۔ خیام شاہی اس جگہ نصب ہو گئے۔ اور خود سیر و شکار میں مشغول ہوا۔ اگرچہ جعفر کی طرف سے ہارون نہایت ہی غضبناک ہو رہا تھا مگر اپنی حکمت عملی سے اس کی کوشش کر رہا تھا کہ جعفر کو کسی قسم کی بدگمانی اُس کی جانب سے نہو۔ چنانچہ[2] تاریخ قتل سے ایک دن پیشتر کا واقعہ ہے کہ حسب دستور جعفر برمکی دربار میں حاضر ہوا۔ ہارون الرشید نے سلام کے بعد مزاج پرسی کی اور نہایت عزت و تپاک سے اپنے برابر بٹھا لیا۔ اور دیر تک باتیں کرتا رہا پھر جعفر نے چند آئی ہوئی عرضیں پیش کی اور کل کاغذات پڑھ کر سنائے اور احکام جاری کیئے۔ چلتے وقت عرض کیا کہ "آج میری خراسان کی روانگی کا دن ہے" ہارون نے سنا تو ایک منجم کو طلب کیا اور اُس سے پوچھا کہ اب کیا وقت ہے اُس نے عرض کیا کہ ساڑھے تین گھڑی دن چڑھ گیا ہے۔ تب منجم سے اصطرلاب لے لیا اور دل ہی دل میں کچھ حساب لگایا اور آسمان کو دیکھ کر کہا کہ "برادر من! آج کا دن تو نحس ہے۔ اور یہ گھڑی سفر کے واسطے خطرناک ہے۔

حاشیہ [1] یہ ایک پہاڑی گاؤں کا نام ہے جو صوبہ انبار میں جانب رقہ واقع ہے اور رقہ ہرثمہ پر ہے ۱۲ منہ کتاب المعارف و معجم البلدان [2] اعلام الناس صفحہ ۱۹۸

کل بعد نماز جمعہ روانہ ہونا شب کو نہروان میں قیام کرکے سنیچر کو دن ہی دن میں روانہ ہوجانا
جعفر بھی اس پر رضامند ہوگیا اور خود بھی اصطرلاب سے دیکھ کر کہا" بیشک جو امیرالمومنین
نے ارشاد فرمایا ہے وہ صحیح ہے تمام ستارے احتراق[1] میں ہیں" پھر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے
خیمے میں چلا گیا ارکان سلطنت اور خدام نے خیمے تک مشایعت کی اور ہارون الرشید
نے بڑے اعزاز سے رخصت کیا۔ غرضکہ آج کا دن تو اس حکمت سے ٹالا۔ جب جمعہ کا دن
آیا تو کرمانی (بروایت بشار الترکی) کہتا ہے کہ ہارون الرشید نے شکار کا قصد کیا اور
جعفر کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ اور سارا دن شکار میں ختم کردیا واپسی کے وقت جعفر سے کہا
کہ آج کی رات عیش و طرب میں کاٹنا چاہئے۔ جعفر نے انکار کیا۔ لیکن ہارون نے نہ مانا اور
باصرار کہا کہ نہیں آج ضرور جشن کرو تب طوعاً و کرہاً سامان عیش مرتب کیا گیا ہارون الرشید
کی جعفر کے حال پر آج خاص مہربانی تھی۔ اور لحظہ بہ لحظہ نقل۔ بخورات۔ اور عطریات کی
کشتیاں آتی تھیں۔ جبرئیل بن بختیشوع[2] کی روایت ہے کہ آج خلیفہ نے جعفر کی بہت
کچھ خاطر و تواضع کی تھی۔ اول وقت جب ملاقات ہوئی تو معانقہ کیا اور پیشانی کا بوسہ لیا۔
اور ہاتھ میں ہاتھ دے کر تخمیناً ایک ہزار گز کے فاصلے تک دونوں ٹہلتے رہے۔ جب اپنے خیمے کو
لوٹنے لگا تو جعفر سے کہا کہ تمکو ہماری جان کی قسم! آج جشن کا دن ہے جاؤ اور خوشی

حاشیہ[1] احتراق اور تصمیم نجوم کی اصطلاح میں دو متقابل لفظ ہیں۔ مرکز آفتاب سے جب کسی ستارے کا فاصلہ ۶ درجے
ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ ستارہ احتراق میں ہے۔ اور جب یہ فاصلہ ۱۶ دقیقہ کم ہو تو کہتے ہیں کہ ستارہ تصمیم میں ہے بہر حال
پہلی صورت نحس اور دوسری سعد ہے [2] طبری کبیر صفحہ ۷۰۳ جلد سوم [3]۔ دیکھو تذکرہ عیون الانبار ابن ابی اصیبعہ حالات
جبرئیل بن بختیشوع صفحہ ۱۳۴ جلد اول۔

جشن کی رات

سنائو۔ اور مجھ سے کہا کہ جبرئیل میں اپنے خیمے میں جاتا ہوں تم میرے بھائی کے ساتھ جاکر شریک جلسہ ہوگا۔ چنانچہ میں جعفر کے ساتھ اُس خیمے میں چلا گیا جو جشن کے واسطے مرتب کیا گیا تھا۔

ابوزکار الکلوذانی مغنی (نابینا) بھی موجود تھا۔ سوائے ان کے اور کوئی نہ تھا خلیفہ کی مہربانی کا یہ حال تھا کہ خادم پر خادم چلے آتے تھے لیکن جعفر اُن کے آنے جانے پر ٹھنڈی سانسیں بھرتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کہ **ابو عیسیٰ** امیرالمومنین کی مہربانیوں سے میں کانپ رہا ہوں یہ معاملات خالی از علت نہیں ہیں۔ پھر نبیذ کا دور چلنے لگا جعفر کے حکم سے ہر پیالہ پر **ابوزکار** یہ گاتا تھا۔

ان بنی المنذر حین انقضوا	منذر کا خاندان جب فنا ہو گیا۔
بحیث شاد البیعة الراھب	جہاں کہ راہب نے کلیسا بنایا تھا۔
اضحوا ولا یرھبھم راھب	اُن کی یہ حالت ہو گئی کہ نہ اُن سے کوئی ڈرتا ہے۔
حقا ولا یرجوا ھم راغب	نہ کسی کو اُن سے کچھ امید ہے۔
کانت من الخز لبوسا تھم	اُن کے لباس پشمینہ کے تھے۔
لم یجلب الصوف لھم جالب	صوف تو اُن کے لیے کوئی لایا ہی نہیں۔

جب خلیفہ ہارون الرشید نے معلوم کر لیا کہ جعفر بدستور مجلس نشاط میں بیٹھا ہے اُس وقت اُس نے اپنے خاص خادم ابوہاشم مسرور الکبیر کو طلب کیا اور اُس سے مخاطب ہو کر

حاشیہ[1] روضۃ الصفا کی روایت ہے کہ کاتب ابن ابی شیخ بھی اس جلسہ میں موجود تھا۔

حسب ذیل گفتگو شروع کی۔[1]

ہارون الرشید۔ مسرور! جس کام کے واسطے میں نے تجھ کو اس وقت طلب کیا ہے میرے نزدیک اس کے انجام دینے کی قابلیت نہ محمد (امین الرشید) میں ہے نہ عبداللہ (مامون الرشید) اور قاسم (موتمن) میں۔ یاد رکھ! میں جو حکم دیتا ہوں ٹھیک ٹھیک اس کی تعمیل کرنا ورنہ تیرے اعزاز اور مرتبے میں فرق آجائے گا۔

مسرور۔ امیر المومنین! اگر حکم ہو تو تلوار اپنے سینے میں پشت سے پار کردوں؟

ہارون الرشید۔ ہاں مجھ کو تجھ سے ایسی ہی امید ہے۔ تو جعفر برمکی کو پہچانتا ہے؟

مسرور۔ ہاں میں جانتا ہوں۔ ایسا کون ہے جو اس بزرگ شخص کو نہ جانتا ہو۔

ہارون الرشید۔ تو نے دیکھا ہوگا کہ میں نے آج صبح کو اس کو کس اعزاز سے رخصت کیا ہے؟

مسرور۔ "ہاں"

ہارون الرشید۔ اچھا اب تو رخصت ہو اور جعفر کا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کر۔

مسرور۔ (کانپ کر) امیر المومنین! یہ تو سخت مشکل کام ہے۔ اگر یہ خدمت کسی اور سے لی جائے تو مناسب ہے۔

ہارون الرشید۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ کام تجھی کو کرنا پڑے گا۔ اب اگر کوئی عذر کیا تو تیرا سر قلم کر دیا جائیگا۔ جب مسرور نے ہارون الرشید کا غصہ بڑھتے ہوئے دیکھا تو جان کے

حاشیہ [1] دیکھو طبری کبیر صفحہ ۵، جلد ۱۰ روضۃ الصفا و کامل وغیرہ و اعلام الناس و تذکرۃ ابن ابی اصیبعہ حالات جبرئیل۔

خون سے رخصت ہوا اور ہارون الرشید نے حماد بن سالم۔ ابو عصمہ۔
ہرثمہ بن اعین معزز سرداروں کو بھی مسرور کے ساتھ کر دیا۔ علاوہ انکے سوڈان کے
حبشیوں کا ایک مختصر دستہ تھا (جس میں چالیس سپاہی تھے) چنانچہ مسرور اپنے ہمراہ
ارکان سلطنت اور فوجی سپاہیوں کو لے کر جعفر کے خیمے کی طرف روانہ ہوا پھر تنہا جعفر کے
خیمے میں داخل ہوا۔ جعفر کی صحبت اپنے رنگ پر جمی ہوئی تھی اور ابوزکار مغنی یہ گا رہا تھا۔

فلا تبعد۔ فکل فتی سیاتی	تو دور نہو (یعنی زندہ رہ) ہر جوان کو موت آئیگی۔
علیہ الموت یطرق او یغادی	رات کو آئے یا صبح کو۔
وکل ذخیرۃ لا بد یوما	اور ہر ذخیرہ۔
وان کرمت تصیر الی نفاد	گو بڑا ہو۔ ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا۔
ولو فودیت من حدث اللیالی	اور حوادث زمانے کے مقابلے میں اگر فدیہ دیکر تجھکو بچایا جاسکتا
فدیتک بالطریف وبالتلاد	تو میں نئی پرانی سب چیزیں تیرے فدیے میں دیتا

ابوزکار نے دوسرے مصرع کو اچھی طرح ادا بھی نہیں کیا تھا کہ یکایک جعفر نے مسرور کو دیکھا۔
مسرور۔ ہاں ابوزکار کیا خوب حسب حال گا رہے ہو میں بھی اسی لئے آیا ہوں اور وقت بھی آ گیا ہے۔
جعفر۔ مسرور تمہارے آنے سے مجھ کو مسرت ہوئی لیکن بلا اجازت چلے آنے کا افسوس ہے۔

حاشیہ ۱؎ کسی عجمی شاعر نے ان اشعار کا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے۔

مرگ در مرد ماں ہمے آید	بامداد و شبانگہ و بیگاہ
گرچہ پنہاں کنی از و خود را	آشکارا کند بجوید راہ
آنچہ داری بہ دست اگر بدہی	ہم نیابی از و تو ہیچ پناہ

مسرور۔ بیشک آپکو افسوس ہوا ہوگا لیکن میں جس کام کیواسطے آیا ہوں وہ تو اس سے بھی زیادہ قابل افسوس ہے

جعفر۔ مسرور یہ موقع اشارہ و کنایہ کی گفتگو کا نہیں ہے جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو۔

مسرور۔ (نہایت غصہ سے) امیرالمومنین نے آپکے قتل کا حکم دیا ہے۔

جعفر۔ مسرور یہ تمہاری غلط فہمی ہے خدا کی قسم نیند کے نشے میں تم اگا ایسا حکم دیا ہو گا یہ انکا اصلی حکم نہیں ہے تم لوٹ جاؤ

مسرور۔ یہ مذاق نہیں ہے میں آپ کا سر کاٹنے آیا ہوں۔

جعفر۔ مسرور تم اس وقت واپس جاؤ۔ اگر صبح کو امیرالمومنین کو پشیمان پانا تو کہہ دینا کہ جعفر زندہ ہے اور اگر وہ اپنے حکم پر مستقل رہا تو مجھے کوئی عذر نہوگا اور رات بھر کی مہلت کا صلہ اس قدر دونگا کہ جس کا حساب نہیں ہے اور اگر یہ ناممکن ہے تو مجھ کو امیرالمومنین کے سامنے لے جا کر کھڑا کرے کیا عجب ہے کہ مجھے دیکھ کر رحم آجائے اور اپنے حکم کو منسوخ کر دے۔

مسرور۔ مجھے خوب معلوم ہے امیرالمومنین آپ کو کسی طرح پر زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

جب جعفر نے مسرور کی یہ گفتگو سنی تو اس کو اپنے قتل کا یقین ہو گیا اور مسرور سے کہا کہ اچھا میرے قتل میں تھوڑا سا اور توقف کر اور خلیفہ سے جا کر کہہ کہ حکم کی تعمیل کر دی گئی اور میں بھی خلیفہ کا حکم اپنے کانوں سے سننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مسرور نے یہ منظور کیا اور خلیفہ سے جا کر اطلاع کی کہ میں نے جعفر کو قتل کر دیا ہے۔ ہارون الرشید اس وقت غضبناک بیٹھا ہوا تھا پوچھا سر کہاں ہے؟ مسرور نے عرض کیا کہ فلاں خیمے میں جہاں قتل کیا گیا ہے حکم دیا کہ فوراً پیش کر۔ چنانچہ مسرور جعفر کے پاس گیا اور کہا کہ اب تو میرے

قول کی آپ کو تصدیق ہو گئی۔ اُس وقت جعفر رونے لگا اور مسرور کے قدموں پر گرنا چاہا۔ اور نہایت عاجزی کے لہجہ سے کہا کہ "مجھے اس قدر مہلت دو کہ میں حرم سرا میں جا کر جو وصیت کرنا ہے کر آؤں۔ لیکن مسرور نے یہ درخواست نامنظور کی اور کہا کہ "جو وصیت کرنا ہے یہاں کر لیجئے اندر جانے کی اجازت نہیں مل سکتی ہے" تب جعفر نے کہا کہ اے مسرور! میرے جس قدر حقوق تجھ پر ہیں کیا اُس کے مکافات میں ایک ساعت کی مہلت دینے کی تجکو قدرت نہیں ہے" مسرور نے کہا میں مجبور ہوں امیرالمومنین کے حکم کے خلاف کیونکر کروں۔ جب جعفر کو یقین ہو گیا کہ کمبخت مسرور کسی طرح اُس کو زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔ اس وقت

جعفر کی وصیت

کلمہ طیبہ بآواز بلند پڑھا اور حاضرین جلسہ کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم گواہ رہو۔ میرے جس قدر لونڈی غلام ہیں وہ آج سے فی سبیل اللہ آزاد ہیں۔ اور میرا جس قدر مال ہے وہ مساکین پر وقف ہے۔ جس قدر امانتیں اور قرضہ میرا لوگوں پر ہے میں اُس کو بھی معاف کرتا ہوں" حاضرین جلسہ کا اُس وقت بُرا حال تھا۔ سب زار زار رو رہے تھے جبرئیل کی روایت ہے کہ پھر ہرثمہ بن اعین نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور جعفر کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ "اے فاسق اُٹھ کھڑا ہو" اتنے میں ہارون الرشید کا ایک اور خادم آیا اور کہا کہ جلد لے چلو" چنانچہ جعفر کو اُس کے خیمے سے ہارون الرشید کے خیمے تک بُری طرح گھسیٹتے لے گئے اور اُسی جگہ مسرور نے ایک ہاتھ تلوار کا جعفر کی گردن پر جمایا

حاشیہ سلہ طبقات الاطباء صفحہ ۴۰ ۱۲ جلد اول

مارا کہ سر تن سے جدا ہو گیا!!

جعفر کی موت چھتیس[1] برس کی عمر میں سترہ[2] برس سات مہینے گیارہ دن وزارت کرکے محرم کی آخری تاریخ (مستہل صفر) سنیچر کی رات[3] ۲۹ جنوری ۸۰۳ء میں بمقام عمر نہایت حسرت و بیکسی کی حالت میں یہ بلند اقبال وزیر دنیا سے رخصت[4] ہوا۔

؎ خوش درخشیدہ ولے دولتِ مستعجل بود۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۰

واقعات بعد از قتل جعفر برمکی

جب مسرور جعفر کو قتل کر چکا تو خون میں رنگی ہوئی تلوار لئے ہوئے ہارون کے سامنے حاضر ہوا اور جعفر مرحوم کا سر جس سے خون کے فوارے جاری تھے۔ ایک طشت میں رکھ کر پیش کیا جس وقت ہارون الرشید کی نظر اس خون آلودہ چہرے پر پڑی تو بے ساختہ ایک ٹھنڈی سانس لی اور چیخ مار کر رونے لگا۔ جبرئیل[5] بن بختیشوع طبیب کا قول ہے کہ جعفر کو قتل ہوئے آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ایک خادم آیا اور کہا کہ چلئے امیر المومنین یاد فرمارہے ہیں چنانچہ میں فوراً حاضر ہوا۔ جعفر کا سر ایک طشت میں ہارون کے سامنے

حاشیہ [1] ایام وزارت کی مقدار تمام مؤرخوں نے سترہ برس لکھی ہے لیکن تاریخی مطابقت سے تخمیناً پندرہ برس کا زمانہ ہوتا ہے۔ توفیقات الہامی مختار پاشا صفحہ ۲۰۹۔ [2] صفر کی چاندرات اور سنیچر کی شب میں جعفر قتل ہوا۔ یہی روایت معتبر ہے اکثر شعرا نے مرثیوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ رقاشی نے بھی لکھا ہے کہ ؎ اتی السبت بالامر الذی هد رکننا ۞ وفی صفر جاء البلاء مصمما [3] جعفر کے قتل کے واقعات طبری کبیر۔ روضۃ الصفا۔ کامل ابن اثیر۔ اعلام الناس المحاضرہ۔ حیات الحیوان سے لکھے گئے ہیں۔ [4] جبرئیل بلخوی ہے کہ پہلی تاریخ محرم ۱۸۷ ہجری کو میں نے ہرشہد

رکھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کہا کہ "جبرئیل تم مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ غذا کیوں گھٹ گئی ہے؟" میں نے عرض کیا کہ "جی ہاں"۔ کہا "مجھے اسی کی فکر تھی جو اس وقت دیکھ رہے ہو۔ اب میں اچھا ہوں چنانچہ اسی وقت کھانا منگایا اور مثل تندرست آدمیوں کے خوب سیر ہو کر کھایا"

ہارون الرشید کا دربار

ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ جعفر کا سر ہارون کے سامنے رکھا ہوا تھا اور وہ اس کے دانتوں پر چھڑی مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ "اے جعفر میں نے تجھ کو کیسا رتبہ دیا تھا کیا اس کا یہی عوض تھا۔ افسوس! تو نے میرا کچھ بھی حق نہ پہچانا میرے خسروانہ مراحم کا تو نے کچھ بھی لحاظ نہ کیا اور یہ بھی نہ سوچا کہ ذرا دیر میں زمانہ کیسے انقلاب برپا کر دیتا ہے افسوس! تو نے میرے اور اپنے دونوں کے حق میں برا کیا"

پھر حاضرین جلسہ کے سامنے جعفر کے اور جرائم بھی بیان کئے۔ اس کے بعد خاص انتظام کر کے دربار سے اٹھ گیا **محمد بن اسحاقؒ** (بروایت جعفر بن محمد بن حکیم) راوی ہے کہ مجھ سے خود **سندی بن شاہک** نے بیان کیا کہ جعفر کے قتل کی صبح کو میرے پاس ہرکارہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۲ سے شکایت کی کہ آپ کی غذا روز بروز کم ہوتی جاتی ہے اس کا کیا سبب ہے کچھ جواب نہ دیا۔ جب میں نے متواتر پوچھا تو کہا کہ بغداد کی آب و ہوا ان دنوں مجھے موافق نہیں ہے اور دار السلطنت سے دور دراز مقام پر جانا بھی منظور نہیں ہے تمہارے نزدیک دار السلطنت سے متصل اگر کوئی مقام ہو تو تجویز کرو کہ تبدیل آب ہوا کے واسطے وہاں چلوں۔ میں نے حیرہ کا نام لیا یہ ناپسند کیا۔ کیونکہ وہ دور تھا لیکن انبار کو پسند کیا۔ اور بغداد سے کوچ کر دیا۔ مگر کمی غذا کی شکایت بدستور رہی۔ یہاں تک کہ جس دن جعفر کو قتل کیا ہے اس روز خوب شکم سیر ہو کر کھایا اور مجھ سے کہا کہ میں تھوڑا تھوڑا اس وجہ سے کھاتا تھا کہ بیمار نہ ہو جاؤں۔ طبقات الاطباء حالات جبرئیل صفحہ ۱۳۴ جلد اول ۔ طبری کبیر صفحہ ۶۸۰ جلد ۳ مطبوعہ ہالینڈ

آیا اور ایک لفافہ میرے حوالہ کیا جب میں نے اس کو کھول کر پڑھا تو معلوم ہوا کہ امیرالمومنین ہارون نے خود اپنے قلم سے لکھا ہے جس کے یہ الفاظ تھے۔

یا سندی اذا نظرت فی کتابی		سندی! جس وقت تم اس خط کو پڑھو۔
هذا فان کنت قاعدا فقم۔ وان		پس اگر بیٹھے ہو تو اٹھ کھڑے ہونا۔
کنت قائما فلا تقعد حتی تصیر الیّ		اور اگر کھڑے ہو تو پھر نہ بیٹھنا یہاں تک کہ مجھ تک پہنچ جاؤ

چنانچہ ہارون الرشید اس وقت موضع عمرپس تھا۔ جس قدر جلد ممکن ہوا میں بھی جا پہنچا۔ اول عباس بن فضل بن ربیع سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ خلیفہ میرے ہی انتظار میں اس وقت فرات کے کنارے بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے فوراً اپنی حاضری کی اطلاع کرائی چنانچہ اسی وقت حضور میں طلب ہو گیا۔ جو لوگ بیٹھے تھے وہ رخصت کر دئے گئے۔ جب خلوت ہو گئی تو کہا میرے قریب آن کر بیٹھو۔ جب میں قریب ہو گیا تو پوچھا جانتے ہو میں نے تم کو کیوں خط لکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ امیرالمومنین مجھے کیا علم ہے! تب کہا کہ ایک امر میں مشورہ کرنا ہے لیکن وہ ایسی بات ہے کہ اگر اس سے میری قمیص واقف ہو تو میں اس وقت فرات میں ڈال دوں۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ معتمد افسران فوج اور خدام میں سے کون کون موجود ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ہرثمہ اور مسرور الکبیر کہاں سمیع ہے۔ پھر مجھے حکم دیا کہ "ان دونوں کو اپنے ہمراہ لے کر مدینۃ السلام بغداد کو

احکام ضبطی جاگیرات برامکہ و گرفتاری خاندان

روانہ ہو۔ اور برامکہ کے کل مکانات ضبط کر کے ہر ایک

پر پہرہ مقرر کردو تاکہ کوئی شے مکان سے نکلنے نہ پائے اور جعفر کی نعش کے تین ٹکڑے کرکے ایک ایک ٹکڑا بغداد کے پلوں پر لٹکا دیا جاے اور سر جداگانہ جسرا وسط پر آویزاں کیا جاے۔ چنانچہ میں نے بہمراہی ہرثمہ بن اعین۔ وابراہیم بن حمید المروزی جعفر کے سر کو روانہ کردیا اور خود بغداد پہنچکر برامکہ کی تمام جاگیریں ضبط کرلیں میرے پہنچنے کے بعد ہرثمہ بھی آگیا تھا اور جعفر کی نعش ایک اونٹ پر تھی جس پر پالان تک نہ تھا۔ اور سر جسر اوسط[1] پر عبرۃ للناظرین لٹکا دیا گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے جعفر کے مکان پر سرور کو فضل کے مکان پر ابراہیم بن حمید اور حسین خادم کو اور یحییٰ و محمد کے مکان پر یحییٰ بن عبدالرحمن اور رشید کو بحیثیت ایک ذمہ دار افسر کے نگران مقرر کیا اور متعلق ضبطی دیگر جاگیرات کے اسی قسم کے احکام تمام شہروں میں جاری کردئے گئے کہ کل مال و اسباب برامکہ کا ضبط کیا جائے۔

جعفر کے قتل کا اثر خاندان پر

جب اس انتظام سے فرصت ہوئی تو برامکہ کی گرفتاری کی فکر ہوئی چنانچہ سب سے پہلے **یحییٰ فضل و موسےٰ** جو رشید کے ہمراہ تھے گرفتار کرلئے گئے اور جس قدر مال و اسباب خزانہ سفر میں ہمراہ تھا وہ بھی ضبط کرلیا گیا۔ **محمد برمکی**۔ گرفتاری سے محفوظ رہا۔ کیونکہ ہارون کے خوف سے یا کسی اور وجہ سے محمد برمکی کو اپنے بھائیوں فضل و جعفر وغیرہ سے کسی قسم کی ہمدردی نہ تھی اس سبب سے ہارون محمد سے خوش تھا اور جو جاگیر محمد برمکی کے نام تھی وہ بھی

[1] از طبری و عقد الفرید

بہتوں قیملی سے بری کی دیکھی ہے ان قیدیوں کے ہمراہ **زبیدہ بنت منیر** فضل برمکی کی والدہ اور **دنانیر** کنیز یحییٰ برمکی بھی تھی

عبرت کیا خدا کی شان ہے کہ جس سر کے سامنے بڑے بڑے مغرور اور متکبروں کی گردنیں جھک جاتی تھیں

جسکا اعزاز اور مرتبہ خود خلیفہ سے بڑھ کر تھا۔ آج اُس کا سر بغداد کے ایک پل پر لٹک رہا ہے جس کا کوئی پرسان حال

نہیں ہے۔ کل تک وہ اقبال مند تھا اور آج دنیا میں اس سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں !! جعفر کے شاعر ابونواس

نے اس غمناک سین کو نہایت دلکش الفاظ میں اس طرح پر دکھایا ہے۔

یا ایہا المغتر بالدھر	اے زمانے پر دھوکہ کھانے والے!
والدھر ذو صرف و ذو غدر	یہ زمانہ پھر جاتا ہے اور دھوکہ دے جاتا ہے
لا تامن الدھر وصولاتہ	اُس سے اور اُس کے حملوں سے۔
وکن من الدھر علی حذر	ہمیشہ بچتے رہنا۔
ان کنت ذا جہل بتصریفہ	اگر تو اس کے الٹ پھیر سے واقف نہیں ہے
فانظر الی المصلوب بالجسر	تو اُس کی حال سے عبرت پکڑ جسکو بغداد کے پل پر سولی دیگئی ہے

حاشیہ ا یحییٰ برمکی کی کنیزوں میں دنانیر کا درجہ سب سے بڑھ کر تھا۔ علاوہ کمال حسن و صباحت منظر کے علم موسیقی میں یکتائے فن تھی۔ نظم و نثر، خوشنویسی اور حساب میں ماہر تھی۔ موسیقی میں بذل۔ ابن جامع۔ ابراہیم اسحاق حکم الوادی کی شاگرد تھی۔ اور ایک ایک راگنی کی تعلیم میں یحییٰ نے ہزار ہا دینار صرف کیئے تھے۔ ہارون الرشید اکثر دنانیر کے ذوق نغمہ و سرود میں یحییٰ کے گھر جایا کرتا تھا۔ موسیقی میں کتاب مجردنے الاغانی اس کی تصنیفات سے مشہور ہے جعفر کے قتل کے بعد ہارون نے اس سے فرمایش کی کہ عود بجا کر کوئی چیز سناؤ تو اُس نے انکار کیا لیکن جب بہت اصرار ہوا تو درد انگیز لہجے میں ایسے اشعار سنائے کہ تمام مجلس چیخ اُٹھی۔ آخر ہارون رشید نے اس کو قید سے چھوڑ دیا۔ زمانہ آزادی میں دنانیر نے ہارون الرشید سے بڑے بڑے انعام حاصل کئے۔ ایک موتیوں کا ہار قیمتی تیس ہزار دینار ایک مرتبہ انعام میں دے دیا تھا۔ مصنف درالمنثور نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔

اغانی جلد ۱۶ صفحہ ۱۳۶

قیدیوں سے سلوک

لیکن ہارون نے اس قدر مہربانی کی کہ قید میں کسی قسم کی سخت سزا انہیں دی جاتی تھی تمام ضرورت کے سامان مہیا تھے۔ اور جو خدمتگار و کنیزیں برامکہ کی تھیں وہ سب اُن کے پاس تھیں عبدالملک بن صالح جو ان قیدیوں پر نگراں مقرر تھا۔ وہ بھی بہت اچھی طرح سے پیش آتا تھا تاہم جعفر مرحوم کے بعد جو مصیبت اس خاندان پر نازل ہوئی وہ قیامت سے کم نہ تھی ہارون الرشید کے خوف سے برامکہ کے قرابت والے بھی اپنے رشتے سے انکار کرتے جاتے تھے اور جن لوگوں کو برامکہ کی دوستی کا دعوے تھا وہ دشمن ہو گئے تھے۔

یحییٰؐ۔ فضل۔ موسیٰ۔ خالد کے علاوہ جو نوجوان اس خاندان کے گرفتار ہوئے وہ حسب ذیل تھے۔

شجرۂ قیدیان آل برمک

پسران جعفر بن یحییٰ	پسران فضل بن یحییٰ	پسران محمد بن یحییٰ	پسران خالد بن یحییٰ
۱ عبدالملک	۱ عاصی	۱ یحیی	۱ ابراہیم
۲ یحیی	۲ یزید	۲ جعفر	۲ مالک
۳ خالد	۳ خالد	۳ زید	۳ جعفر
	۴ معمر		۴ عمر
			۵ معمر

ؐ عقد الفرید جلد سوم صفحہ ۲۱ - و کتاب الامامۃ والسیاست ابن قتیبہ دینوری صفحہ ۳۲۱

لیکن علاوہ مذکورہ بالا اشخاص کے جن کو کچھ بھی لگاؤ رشتہ داری یا ملازمت وغیرہ کا تھا۔
وہ سب گرفتار ہو گئے تھے۔ طبری کی روایت ہے کہ جس وقت جعفر۔ فضل۔ اور محمد کے لڑکے
ہارون الرشید کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے ان سب کو قید سے رہا کر دیا۔ اور بعض روایت
سے محمد برمکی کی گرفتاری بھی پائی جاتی ہے مگر وہ حقیقت میں برائے نام تھی۔ کیونکہ طبری کا
بھی یہی قول ہے کہ محمد برمکی ان مصائب سے مستثنیٰ رہے۔ ان نوجوانوں کی گرفتاری دیکھ کر
کوئی ایسا سخت دل نہ تھا جو برامکہ پر غم کے آنسو نہ بہاتا ہو۔ مگر یحییٰ کے صبر و استقلال میں کچھ بھی
فرق نہ آیا تھا۔ مثل سچے اور پاک نفس مسلمانوں کے وہ ہارون الرشید کے شدائد پر صبر کر رہا تھا۔
لوگ تعزیت سے اس کے غم کو ابھارتے تھے مگر وہ ایک غمناک کلمے کہکر چپ ہو جاتا تھا۔
اور مشیت ایزدی سے دم بخود تھا۔ ایوب بن ہارون بن سلیمان بن علی نے یحییٰ کو تعزیت نامہ
لکھا اس کے جواب میں یحییٰ نے بجز اس کے اور کچھ نہیں لکھا کہ " انا بالقضاء | الله راضٍ و
بالخیار منه عالم ولا یؤاخذ الله العباد الا بذنوبهم وما ربك بظلام للعبید
وما یعفوا الله اکثر ولله الحمد " محمد بن اسحاق راوی ہے کہ جب جعفر قتل ہو چکا تو لوگوں نے
یحییٰ سے کہا " تمہارا پیارا بیٹا جعفر آج قتل کر ڈالا گیا اور تمہارے مکان ویران کر دئے گئے " یہ سنکر
کہا کہ " جس طرح جعفر قتل ہوا ہے ویسے ہی ہارون کا بیٹا بھی قتل ہوگا اور ایسے ہی اس کے مکان
بھی ویران اور برباد ہونگے " امین الرشید کے قتل ہونے پر یہ یحییٰ کی پیشین گوئی لوگوں کو بہت
یاد آتی تھی۔ جب ہارون الرشید نے یہ ولگداز کلمات سنے تو کہا " مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا ہی نہو۔

حاشیہ [۱] طبری کبیر صفحہ ۹۰۶ جلد سوم [۲] طبری کبیر صفحہ ۶۸۵ جلد سوم [۳] طبری صفحہ ۳۰۸ جلد سوم۔

کیونکہ یحییٰ جو کچھ کہتا ہے وہ صحیح ہوتا ہے" ہارون الرشید کا خیال تھا کہ وہ بڑا کامل نجومی ہے جو کچھ کہتا ہے نجوم کے موافق کہتا ہے سہل بن ہارون راوی ہے کہ ہارون الرشید کا کمپ رقہ میں پڑا ہوا تھا میں یحییٰ کے ہمراہ رکاب تھا کہ یکایک یحییٰ کو بے چین ہو کر نیند آگئی پھر چند سیکنڈ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "سہل! یہ کیا ہوا۔ خدا کی قسم میری حکومت اور عزت جاتی رہی" میں نے عرض کیا کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ تب کہا یہ شعر کس نے پڑھا۔

کانّ لم یکن بین الحجون الی الصفا	حجون سے لیکر صفا تک گویا کوئی کبھی دوستوں میں تھا ہی نہیں۔
انیس ولم یسمر بمکۃ سامر	اور گویا مکہ میں کبھی کسی نے قصہ نہیں کہا تھا
میں نے فی البدیہہ جواباً عرض کیا۔	
بلی نحن کنا اھلھا فابادنا	ہاں ہم وہاں کے رہنے والے تھے۔
صروف اللیالی والجدود العواثر	لیکن ہم کو زمانے کے انقلابات اور تقدیر نے مٹا دیا

یحییٰ چپ ہو رہا۔ لیکن جس روز یہ گفتگو ہوئی ہے اُس دن سے میں برابر دیکھتا رہا کہ دیکھئے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے چنانچہ تیسرا ہی دن تھا میں یحییٰ کے پاس بیٹھا ہوا لوگوں کے عرائض پر حکم لکھ رہا تھا کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور یحییٰ پر گر پڑا۔ یحییٰ نے سر اُٹھا کر پوچھا کہ

یحییٰ کا صبر اور استقلال

"کمبخت بتا تو سہی کیا خبر لایا ہے؟" اس نے کہا کہ "امیرالمومنین نے ابھی جعفر کو قتل کرا دیا ہے" جب وہ کہہ چکا تو کر پوچھا کہ ہاں

حاشیہ ۱؎ عقد الفرید جلد سوم صفحہ ۲۱ و کتاب الامامۃ و السیاسۃ ابن قتیبہ دینوری صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ مصر ۱۲؎ ۱۲؎ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ سندی بن شاہک نے جعفر کو بعد از قتل خواب میں دیکھا کہ وہ زرد کپڑے پہنے ہوئے ہے اور مذکورہ بالا ہر دو شعر پڑھ رہا ہے۔

فی الحقیقۃ جعفر قتل ہوگیا اُس نے کہا ہاں۔ یہ سُنکر یحیےٰ کے ہاتھ سے قلم چھوٹ کر گر پڑا اور کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا اور کہا کہ "قیامت بھی یکایک ایسی طرح آوے گی"

تعداد مال منضبطہ جعفر کے قتل کے بعد ہی اگرچہ بغداد کو ہرثمہ روانہ کر دیا گیا تھا کہ برامکہ کے مکانات اور مال و اسباب کو ضبط کرے لیکن اس ابتدائی حکم کے بعد بہت سختی سے اُس کا عملدرآمد ہوا۔ سہل بن ہارون کہتا ہے کہ برامکہ کے کل مال و اسباب و نقدی و جاگیرات کی ضبطی سے تین کرور چھ لاکھ چھہتر ہزار دینار وصول ہوئے بجملہ اسکے ایک کرور بیس لاکھ کی رقم صرف آمدنی خراج کی تھی جو برامکہ کی جاگیرات سے وصول ہوکر داخل خزانہ ہوئی تھی۔

برامکہ کی مدح سرائی کی ممانعت جب برامکہ کا تیار شدہ قافلہ بغداد پہنچا تو ہارون الرشید نے مردوں کو جیلخانہ **حبس زنادقہ** (منصور نے بنایا تھا) میں اور عورتوں کو **دارالبانوقہ** میں (بانوقہ ہارون کی بہن کا نام تھا) قید کر دیا۔ اور تمام ملک میں عام منادی کرادی کہ کوئی شخص برامکہ کی تعریف نہ کرے نہ اُنکے مرثیے لکھے ورنہ وہ تعزیر کا سزاوار ہوگا۔ لیکن ہارون الرشید کا یہ حکم محض فضول تھا۔ جعفر کا قتل کوئی معمولی بات نہ تھی۔ تمام ملک اور قوم پر جعفر کے قتل کا اثر ہوا تھا یہ ممکن ہے کہ طبقہ امرا کو جعفر کے قتل سے کچھ نقصان نہ پہنچا ہو۔ لیکن عوام الناس کے واسطے یہ واقعہ

حاشیہ لہ بارنی تغیر بھی روایت سلام الابرش کی ہے دیکھیو کامل ابن اثیر ذکر تباہی برامکہ ۲ے یہ روایت عقد الفرید سے لکھی ہے سکہ انگریزی کے مطابق ۱۵ کروڑ ۳۰ لاکھ ۵۰ ہزار روپیہ ہوا۔

خدا کا ایک قہر تھا۔ ہزاروں۔ نہیں۔ بلکہ لاکھوں ہی خاندان اُس کی فیاضی اور سلوک سے امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ جعفر کا مکان فقرا۔ علما۔ شعرا۔ اور مشائخ کا مرجع و مآب تھا۔ جہاں چند آدمی جمع ہو جاتے تھے اُسی جگہ برامکہ کا ذکر ہونے لگتا تھا۔ عوام جعفر و یحییٰ کے حالات سننے کے اس قدر شائق تھے کہ راہ چلتے شعرا سے اُن کے مرثیے پڑھوا کر سُنتے تھے۔ اور اُس کا کچھ بھی خیال نہ تھا کہ بموجب احکام سلطنت ہم ملزم ہیں۔ باوجود ممانعت کے شعرا نے جس قدر برامکہ کے مرثیے لکھے ہیں اُن کی تعداد اُن مرثیوں سے کہیں زیادہ ہے جو ایک اُولوالعزم بادشاہ کے انتقال پر لکھے جا سکتے ہیں۔ خلیفہ ہارون الرشید اور برامکہ کے شعرانے جو مرثیے جعفر مرحوم کے لکھے ہیں اس کا انتخاب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

سیف بن ابراہیم

ھوت انجم الجد وی شلت ید الندے	برمکیوں کے بعد فیاضی کا ستارہ ٹوٹ پڑا اور سخاوت کے ہاتھ لنج ہو گئے
وغاضت بحور الجود بعد البرامک	اور بخشش کا دریا خشک ہو گیا ہے۔
ھوت انجم کانت لابناء برمک	خاندان برمک کے ستارے جن سے اونٹ
بھا یعرف الحادی طریق المسالک	چلانے والے رستہ پہچانتے تھے غروب ہو گئے۔

ابونواس

یا غائبا فی الثری تبلی محاسنہ	اے وہ شخص کہ خاک میں گم ہو گیا ہے اور اُس کی خوبیوں کا وظیفہ پڑھتے ہیں

الله یولیك غفرانا و احسانا	خدا تجھ کو مغفرت اور احسان عنایت کرے۔
ان کنت جرعت کاس الموت واحدة	اگر تو نے موت کا ایک پیالہ پیا ہے۔
فی کل یوم اذوق الموت الوانا	تو ہم لوگ ہر روز طرح طرح کی موت چکھتے ہیں۔

دعبل بن علی الخزاعی

ولما رایت السیف جندل جعفرا	جب میں نے دیکھا کہ تلوار نے جعفر کو خاک پر گرا دیا
ونادی مناد للخلیفة فی یحیی	اور خلیفہ کے منادی نے یحیی کی نسبت اعلان دیا۔
بکیت علی الدنیا وایقنت انما	میں دنیا پر رویا اور مجھ کو یقین ہو گیا۔
قصاری الفتی فیها مفارقة الدنیا	کہ آدمی کا اخیر نتیجہ دنیا کو چھوڑنا ہے۔

رقاشی

هدا الخالون عن شجوی فناموا	جن لوگوں کے دل غم سے خالی ہیں وہ آرام سے سو رہے
وعینی لا یلائمها منام	لیکن میری آنکھوں سے نیند کو انس ہی نہیں ہوتا۔
وما سهری لانی مستهام	میری بیداری اسلئے نہیں ہے کہ میں شیفتہ ہوں۔
اذا ارق المحب المستهام	جبکہ عاشق شیفتہ بے خواب رہتا ہے۔
ولکن الحوادث ارقتنی	البتہ مصیبتوں نے مجھ کو بیخواب کر رکھا ہے۔
فلی سهر اذا هجد النیام	تو جب اور لوگ سوتے ہیں میں جاگتا رہتا ہوں۔

اصبت بسادة كانوا نجوما	مجھ کو ان سرداروں کے مرنے کی مصیبت پیش آئی
بهم نسقى اذا انقطع الغمام	جن سے ہم لوگ سیراب ہوتے ہیں جبکہ مینہ بند ہو جاتا ہے
على المعروف والدنيا جميعا	جب خاندان برمک نہ رہا تو
لدولة آل برمك السلام	دنیا اور بھلائی - دونوں کو سلام ہے -
جزعت عليك يا فضل بن يحيى	اے فضل بن یحیی میں تیرے لئے روتا ہوں -
ومن يجزع عليك فلا يلام	اور جو تجھ پر روئے وہ قابل ملامت نہیں -
فلم ار قبل قتلك يا ابن يحيى	تیرے قتل سے پہلے میں نے اے یحیی کے بیٹے
حساما فله السيف الحسام	یہ نہیں دیکھا تھا کہ تلوار تلوار کو کاٹے -
أ الهو بعدكم واقر عينا	کیا میں تم لوگوں کے بعد کھیل کود میں پڑ سکتا ہوں اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو سکتی ہیں
على اللهو بعدكم حرام	تمہارے بعد مجھ پر کھیل کود حرام ہے -
وكيف لطيب لي عيش وفضل	کیا میری زندگی پر لطف ہو سکتی ہے -
اسير دونه البلد الشآم	جبکہ ایسے منحوس شہر میں فضل قید ہے -
وجعفر ثاويا بالجسر أبلت	اور جعفر پل پر پڑا ہوا ہے - جس کی خوبیوں کو -
محاسنه السمائم والقتام	گرد اور لو نے مٹا دیا ہے -
اقول وقمت منتصبا لديه	میں اسکے (لاشہ) کے پاس سرو قد کھڑا ہو کر کہتا رہا -
الى ان كاد يفضحني القيام	یہانتک کہ قریب تھا کہ میری فضیحتی ہو -
اما والله لولا خوف واش	کہ واللہ اگر چغل خور اور خلیفہ کی
وعين للخليفة لا تنام	آنکھوں کا ڈر نہ ہوتا جو کبھی سوتی نہیں -

لطفنا حول جذعك واستلمنا		تو میں تیری سولی کے گرد طواف کرتا۔
كما للناس بالحجر استلام		اور بوسہ دیتا جس طرح حجر اسود کو لوگ بوسے دیتے ہیں

مرؔ طبری اور اغانی میں جعفر مرحوم کے جس قدر مرثیے لکھے ہیں اُن کے انتخاب کیواسطے بھی البرامکہ کی وسعت کافی نہیں ہے لہذا مذکورہ بالا اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یوں تو اپنے اپنے رنگ پر ہر ایک شاعر نے جعفر کے مرثیے خوب لکھے ہیں۔ لیکن ان سب میں رقاشی کا مرثیہ نہایت دلکش ہے کیونکہ اس شاعر نے اپنے سچے جوش اور دلی ذوق سے لکھا ہے۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ جس مقام پر جعفر کا سر آویزاں تھا۔ رقاشی وہاں بیٹھ کر پہروں رویا کرتا تھا اور جیسا کہ اُس نے اخیر شعر میں لکھا ہے فی الحقیقت جعفر کے سر کے گرد طواف کیا کرتا تھا۔ اور جب ان اشعار پر پہنچتا تھا تو اس کو سخت رقت ہوتی تھی۔ اور چونکہ سلطنت نے برامکہ کی مدح سرائی کو قانوناً جرم قرار دیا تھا۔ اس وجہ سے رقاشی علی رؤس الاشہاد نہ تو مرثیہ پڑھ سکتا تھا نہ اُس مرحوم کا ماتم کرسکتا تھا۔ لیکن جعفر کے عام احسانات رقاشی پر اسقدر تھے کہ اُسنے بلا خوف مواخذۂ قانونی خفیہ طور پر جعفر کا مرثیہ لکھ ڈالا اور اس کا کچھ بھی خیال نہیں کیا کہ مثل دیگر شعرا کے میں بھی قتل کر دیا جاؤنگا۔ یا سزایاب ہونگا۔

اغانیؔ کی روایت ہے کہ جب مخبروں نے ہارون الرشید سے رقاشی کے حال کی اطلاع کی تو اس نے رقاشی کو دربار میں بلایا اور مخاطب کرکے کہا کہ " رقاشی! کیا تو نے میرا حکم نہیں سنا ہے کہ کوئی شاعر جعفر کا مرثیہ نہ لکھے اور نہ برامکہ کی مدح سرائی کرے۔ پھر تجھے کس چیز نے

حاشیہ ۱؎ اغانی علامہ اصفہانی صفحہ ۳۰۲ جلد ۱۵۔

جعفر کے مرثیے لکھنے پر جرأت والی ہے "۔ رقاشی نے عرض کیا کہ " امیرالمومنین جعفر کی سرکار سے مجھ کو ایک ہزار دینار سالانہ وظیفہ ملتا تھا اس کے علاوہ جعفر کے احسانات مجھ پر اس قدر ہیں کہ جس سے میں مجبور رہا " جب رشید نے یہ مرثیہ سُنا تو اُس کا بھی دل بھر آیا اور حکم دیدیا کہ " جب تک رقاشی زندہ رہے اُس کو دو ہزار دینار سالانہ وظیفہ ملا کرے " حقیقت میں رقاشی بڑا خوش نصیب تھا کہ وہ زندہ بچ گیا۔ ورنہ یہ دارو گیر کا زمانہ تھا۔ جس نے برامکہ کا ذکر کیا وہ مارا گیا۔ اگر خوبی قسمت سے زندہ رہ جاتا تو قید کی سختیاں ضرور اُٹھاتا۔ جس کی تائید میں یہ دو نظیریں کافی ہیں ❊

ابراہیم بن عثمان بن نہیک کا قتل

طبری[1] کی روایت ہے کہ قتل جعفر کے بعد ابراہیم بن عثمان بن نہیک برامکہ کا ذکر کرکے اُن کے حال پر رویا کرتا تھا۔ بلکہ روتے روتے اُس کی یہ حالت ہو جاتی تھی کہ جعفر کا قصاص مانگنے لگتا تھا۔ اور جب نبیذ پیکر کنیزوں کے ساتھ مجلس عیش میں بیٹھتا تو تلوار ہاتھ میں لے کر کہتا تھا " واجعفراہ واسیداہ " ہائے جعفر ہائے میرے سردار! میں تیرے قاتل کو ضرور قتل کر ڈالوں گا اور تیرے خون کا عوض لونگا " جب ابراہیم میں یہ جوش انتقام بڑھ گیا تو ابراہیم کے بیٹے نے رشید سے جا کر اطلاع کر دی۔ رشید نے ابراہیم کو بُلایا اور اُسے خوب نبیذ پلائی۔ اور جب ابراہیم نشے میں متوالا ہو گیا تو رشید نے ابراہیم سے کہا کہ " میں جعفر کو قتل کرکے نادم ہوں۔ بلکہ یہی جی چاہتا ہے کہ بغداد سے چلا جاؤں۔ اور جعفر کے غم میں مجھے نیند حرام ہو رہی ہے " بقول شخصے دیوانہ را

حاشیہ [1] طبری کبیر صفحہ ۶۹۹ جلد سوم و کامل ابن اثیر صفحہ ۷۱ جلد ۶ و ابن خلدون۔

ہوتے بس ست۔ رشید کی باتیں سنتے ہی ابراہیم رونے لگا اور اس کے آنسو جاری ہوگئے۔ پھر رشید سے کہنے لگا کہ "اے ابوالفضل! خدا تجھپر رحم کرے خدا کی قسم تونے بڑی غلطی کی ہے اب دنیا میں جعفر کا مثل کہاں مل سکتا ہے"۔ یہ سنکر رشید جھلا اُٹھا اور ابراہیم سے کہا کہ "چل اُٹھ کھڑا ہو ملعون"۔ دو قدم اُٹھ کر چلا تھا کہ پیچھے سے اس کے بیٹے نے تلوار کا ایک ہاتھ لگایا۔ جس کے صدمے سے جانبر نہ ہوسکا اور چند ہی راتوں میں انتقال کر گیا۔

انس بن ابی شیخ کا قتل

دوسرا واقعہ[۱] انس بن ابی شیخ کا ہے (خالد الحذاء المحدث کا بھتیجا تھا) زبیر بن بکار بروایت جعفر بن الحسین کہتا ہے کہ جعفر کے قتل کی صبح کو خلیفہ ہارون الرشید اور انس سے کچھ گفتگو ہوئی اور اُسی روز اُس کو قتل کردیا۔ اور ابن قتیبہ کا قول ہے کہ انس جعفر کی دوستی میں سولی دیا گیا اور یہ شخص زندیق[۲] بھی مشہور تھا۔

آل برمک کا بغداد میں قید ہونا۔ اور مصائب اُٹھانا یحییٰ کا ہارون الرشید سے رہائی کی درخواست کرنا۔ اور نامنظور ہونا۔ مع دیگر واقعات

جعفر کا غم سب سے زیادہ فضل برمکی کو تھا۔ اور اپنے عزیز بھائی کے فراق میں کسی وقت اُس کو آہ و زاری سے فرصت نہ تھی۔ خالد بن عثمان فضل کا ایک مصاحب راوی ہے کہ جعفر کے قتل کے بعد فضل کا کھانا۔ پینا۔ بالکل چھوٹ گیا تھا اور یہ ارادہ کرلیا تھا کہ اسی حالت میں دنیا سے رخصت

حاشیہ[۱] طبری کبیر صفحہ ۶۸۱ و کتاب المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۴۰ [۲] طبری نے اس واقعہ کے ذیل میں یہ شعر بھی لکھا ہے ؎ تلمظ السیف من شوق الی انس۔ فالسیف ملحظ والا قدار تنتظر۔

ہوں۔ جب ہارون نے یہ حال سُنا تو رات کے وقت فضل کے پاس گیا اور جب فضل نے ہارون کو آتے ہوئے دیکھا تو واسطے تعظیم کے کھڑا ہو گیا۔ اور ہارون کو سلام کر کے بے ساختہ رونے لگا۔

ہارون اور فضل کی گفتگو

ہارون نے فضل کو مخاطب کر کے کہا کہ "جعفر کے قتل کا تم کو اس قدر افسوس کیوں ہے؟ وہ تو فاسق اور بدکردار آدمی تھا۔ تم سے اُس کو دلی رنج تھا۔ کیونکہ مجھے اکثر جعفر نے اس پر آمادہ کیا تھا کہ میں تم کو مضرت پہنچاؤں علاوہ بریں تمہاری ماں اور ہے اور جعفر کی ماں اور"۔ ہارون کی تقریر سُنکر فضل سے ضبط نہ ہو سکا اور رونے لگا۔ تب ہارون نے گلے لگا لیا۔ اور جو چادر اوڑھے تھا وہ فضل کو اوڑھا دی پھر کھانا منگایا اور قسمیں دلا کر کسی قدر کھلایا اور پھر فضل سے کہا کہ "تم جعفر کا غم نہ کرو وہ تم سے نہ صرف عداوت ہی رکھتا تھا بلکہ تم کو معزول کرنا چاہتا تھا"۔ فضل نے جواب دیا کہ "میں نے مانا جعفر ایسا ہی تھا۔ لیکن اُس کا قصور ایسا نہ تھا جس پر امیرالمومنین نے قتل کر دیا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اب جعفر جیسا وزیر آپ کو میسر نہیں آسکتا ہے اور وہ بیگناہ قتل کیا گیا ہے جب اُس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا تو میں نہیں کہہ سکتا ہوں یحییٰ اور نیز میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا"۔ فضل کی تقریر سنکر ہارون چپ ہو رہا اور خفا ہو کر چلا گیا بعد ازاں ان قیدیوں پر جو سختی کی گئی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔[1]

قید میں فضل پر تشدد

ابوالحسن احمد بن حسین (عدالت میں محرر تھا) راوی ہے۔ کہ ایک دن مسرور نے چند غلاموں کو طلب کیا اور انکو چپکنا نہ

حاشیہ [1] تاریخ ضیاء برنی و ابن خلکان سے یہ واقعہ لکھا گیا ہے۔

روانہ کیا۔ اور پھر چند غلام اپنے ساتھ لیکر خود روانہ ہوا۔ مندیل سر پر بندھی ہوئی تھی۔ اور ایک
تازیانہ ہاتھ میں تھا۔ میں سمجھ گیا کہ فضل کو سزا دینے جاتا ہے۔ مجبوراً میں بھی چلا اور مسرور کو
سلام کیا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ تم بھی چلو دیکھو تو آج فضل کے ساتھ کیا کرتا ہوں، یہ سنکر
میرے ہوش جاتے رہے۔ کیونکہ میں فضل کا پروردہ تھا اور ہر روز دو مرتبہ جا کر دیکھ آتا تھا مسرور
نے جیلخانہ میں پہنچ کر فضل کو بلایا۔ اور نہایت حقارت آمیز کلمات سے مخاطب ہوا۔ فضل نے
کہا کہ "مسرور ہم پر یہ عتاب کیوں ہے" جواب دیا کہ "امیرالمومنین نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تمہارے
مال و دولت کی تصدیق کروں کہ کس قدر ہے اور جو کچھ ہے وہ پیش کیا جائے کیونکہ امیرالمومنین
کو روپے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر صحیح صحیح نہ بتاؤ گے تو دو سَو تازیانے لگائے جائیں گے"
فضل نے کہا "اے مسرور تو خدا سے نہیں ڈرتا ہے کہ میں تجھے اس کے قہر سے آگاہ کروں۔
جو تجھے حکم ہے اُس کو پورا کر البتہ اس قدر التجا ہے کہ کوڑے کی آواز یحییٰ کے کانوں تک
نہ پہنچے ورنہ اُس کے دل پر سخت صدمہ پہنچیگا۔ دوسرے یہ کہ امیرالمومنین سے کہدے کہ ہمارے
پاس جو دولت تھی وہ سب خرچ ہو چکی ہے۔ بلکہ اس ایثار و کرم سے امیرالمومنین رضامند تھے۔
اور فرمایا کرتے تھے کہ تم پر خدا کی رحمت ہو کیا اچھی زندگی بسر کرتے ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہے۔
کہ نہ ہم نے چوری کی ہے نہ خیانت۔ جو مال تھا وہ سب فی سبیل اللہ صرف ہو چکا ہے اور مسرور!
تو خوب جانتا ہے کہ ہم اپنی عزت کو مال سے بچاتے ہیں۔ اور جان تو مال سے کہیں زیادہ
عزیز ہے بجائے ایک کوڑا کھانے کے جان دے دینا آسان ہے" مسرور نے فضل کی
باتیں سنیں تو غصے سے آگ ہو گیا اور چاروں غلاموں کو جو اس کے ہمراہ تھے حکم دے دیا

سزائے تازیانہ فضل برمکی

ہر ایک پچاس پچاس کوڑے فضل کی پیٹھ پر ماریں چنانچہ ان ظالموں نے نہایت بیدردی سے مسرور کا حکم پورا کیا۔ شدت ضرب سے فضل بیہوش ہو گیا تھا۔ جب مسرور چلا گیا تو میں نے فضل کا سر گود میں لے لیا۔ تھوڑی دیر میں فضل نے آنکھ کھولی۔ میں نے تسلی دی اور کہا کہ ہارون الرشید پر خدا کی لعنت ہو جس نے تم کو صدمہ پہنچایا ہے۔ فضل نے کہا کہ "اس کی جواب دہی قیامت میں ہو گی"۔ اور مجھے حکم دیا کہ ایک ہوشیار جراح کو لاؤ کیونکہ میرے جسم کا اکثر حصہ پھٹ گیا ہے اور زخموں کی تو کوئی انتہا نہیں ہے۔ میں نے جراح کو حاضر کر دیا اور علاج شروع ہو گیا۔ جب یحییٰ کو فضل کی خبر ہوئی تو خودکشی پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن پہرے کے سپاہیوں نے اس کو اس ارادے سے روکا۔ جس وقت بغداد میں یہ خبر مشتہر ہوئی ہے اسوقت لوگوں کا برا حال تھا۔ مگر ہارون کے خوف سے سب دم بخود تھے۔ میں روزانہ مزاج پرسی کو جایا کرتا تھا۔ چنانچہ چند روز میں فضل کو صحت ہو گئی۔ غسل صحت کے دن ایک دوست سے قرض لیکر بیس ہزار دینار اس جراح کو انعام دئے اور مجھ سے کہا کہ "برادر من! دیکھتے

فضل کی ایک تقریر

ہو۔ ہارون نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔ میرے باپ نے ہارون پر بہت کچھ احسان کیے ہیں خلیفہ ہادی ہارون کے قتل پر تلا ہوا تھا۔ صرف میرے باپ کی سعی کا نتیجہ ہے کہ وہ زندہ رہا اور ہماری ہی کوشش سے ہارون کو تخت سلطنت پر بیٹھنا نصیب ہوا ہے۔ میری ماں کا اس نے دودھ پیا ہے اور جس قدر ممالک فتح ہوئے ہیں وہ ہماری ہی جانفشانی کا نتیجہ ہے۔ جو خدمت ہمارے

سپرد تھی اُس میں اور نیز جاگیرات میں ہم نے کوئی خیانت نہیں کی ہے نہ کبھی بدخواہی کا خیال ہمارے دل میں آیا ہے ہمارے ساتھ ہارون نے بڑے بڑے وعدے اور عہد نامے کیے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اِس وقت اُس نے سب کو بھلا دیا ہے مال کے حیلے سے ہم کو قید کر دیا ہے۔ نہ اُس کو خدا کا خوف ہے نہ لوگوں سے شرم ہے کہ آخر اس ظلم کو دیکھ کر خلق خدا مجھ کو کیا کہے گی۔ ہارون الرشید کی بے وفائی اور عہد شکنی مسلمانوں کو یاد رہے گی۔ اور ہم تو اب چند روز کے مہمان ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ہمارے بعد ہارون کو بھی بقا نہیں ہے۔" ابن خلکان کی روایت ہے کہ زمانۂ قید میں فضل یہ اشعار پڑھا کرتا تھا

الی اللّٰہ[1] فیما نالنا نرفع الشکوی	جو مصیبت ہم پر پڑی ہم اُس کا شکوہ خدا سے کرتے ہیں
ففی یدہٖ کشف المضرۃ والبلوی	کیونکہ اُسی کے ہاتھ میں تکلیف اور مصیبت کا دفع کرنا ہے
خرجنا من الدنیا ونحن من اھلھا	ہم دنیا سے خارج ہو گئے حالانکہ ہم ابھی تک دنیا میں ہیں
فلا نحن فی الاموات فیھا ولا الاحیا	سو ہم نہ زندہ ہیں نہ مردہ۔

مذکورۂ بالا واقعہ کے بعد شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کا یہ شعر ہم کو یاد آتا ہے۔

ماجرا ہوگا ہمارا عبرت اوروں کے لئے
چھپ جائیں گے بہت سنکر ہماری داستاں

باپ کی اطاعت

باپ اور بیٹے[2] میں جو فطرتی محبت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے لیکن فضل کو

حاشیہ [1] علامہ ابن خلکان تحریر فرماتے ہیں کہ اسمیں اختلاف ہے کہ یہ اشعار ابو العتاہیہ کے ہیں یا صالح بن عبد القدوس کے جب وہ بحکم مہدی عباسی بالزام زندقہ قید تھا۔ لیکن دیوان ابو العتاہیہ کا جزو اول (فی الزہدیات) ہمارے سامنے ہے اس میں یہ اشعار درج ہیں۔ مطبوعہ بیروت صفحہ۔ [2] حیات الحیوان دمیری صفحہ ۶۵ جلد ۱ و ابن خلکان صفحہ ۔ ۵۲ کتاب المحاسن والمساوی امام بیہقی صفحہ ۱۹۱ جلد ۱۔

یحییٰ کے ساتھ جو محبت تھی وہ اس واقعہ سے اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ یحییٰ کو زمانۂ قید میں بواسیر کا عارضہ تھا اور اُس زمانے میں جاڑا شدت سے پڑتا تھا۔ قیدیوں کو بجائے گرم پانی کے سرد دیا جاتا تھا۔ یحییٰ کو بھی مجبوراً اُسی سرد پانی سے وضو کرنا پڑتا تھا جب فضل نے دیکھا کہ یحییٰ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے تو اُس نے یہ ترکیب نکالی کہ آفتابہ قندیل کے پاس رکھ دیتا تھا۔ صبح کی نماز تک حدت قندیل سے پانی میں گرمی آجاتی تھی۔ یحییٰ اُس پانی سے وضو کرتا تھا۔ یحییٰ نے جب اپنے بیٹے کی یہ خدمت دیکھی تو بہت خوش ہوا۔ اور دعائیں دینے لگا جب داروغہ جیل کو یہ حال معلوم ہو گیا تو اُس کمبخت نے قندیل کمرے سے علٰحدہ کرا دی۔ تب فضل نے یہ تدبیر کی کہ ابتدائے شب سے آفتابہ کو اپنے پیٹ میں لگا لیتا جس میں بمقابلہ سرد پانی کے کسی قدر گرمی آجاتی تھی۔ اس حال کو دیکھ کر آخر کار داروغہ کو بھی رحم آگیا اور سزائیں بند کر دیں۔

قید میں سب سے زیادہ سختی فضل برمکی پر تھی اور اُس کی ایذا دہی کے واسطے ہارون الرشید طرح طرح کی فکریں کرتا تھا۔ یحییٰ برمکی (بسبب ضعیفی)... قید کی سزاؤں سے مستثنیٰ تھا تاہم فضل کی تکلیفیں دیکھ کر وہ بے چین ہو جاتا تھا جب ہارون الرشید فضل کے صبر و استقلال کا امتحان کر چکا اور جہاں تک ممکن ہوا اُس کو سزا بھی دے چکا۔ تب یحییٰ کو ستانا شروع کیا۔

عبد الملک بن صالح کی گرفتاری بالزام بغاوت

اور ایک دوسرا حیلہ نکال کر فضل کے قتل کی دھمکی دی لیکن یحییٰ نے کچھ اس کی پروانہ کی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسی زمانے میں عبد الرحمٰن عباسی نے اپنے

[1] یہ واقعہ حسب ذیل تواریخ سے ماخوذ ہے کامل ابن اثیر صفحہ ۵۹ جلد ۶ مروج الذہب صفحہ ... برزنی صفحہ ۱۲ طبری کبیر صفحہ ۶۹۳ جلد ۱۰ ابن خلدون جلد ۳ ناقفات ششلہ ۱۲

باپ عبدالملک دبن صالح بن علی بن عبداللہ بن عباس ہاشمی) کی ہارون الرشید سے شکایت کی
کہ وہ خلافت کا دعویدار ہے اور امیرالمومنین کو معزول کرنا چاہتا ہے اور اپنی تائید میں قمامہ
کاتب کو پیش کر دیا۔ یہ بغاوت انگیز خبر سنکر ہارون سے ضبط نہ ہوسکا اور فوراً عبدالملک کو
گرفتار کرکے فضل بن ربیع کے سپرد کر دیا کہ تم اس کو اپنی قید میں رکھو۔ چنانچہ زمانۂ قید میں
ایک دن عبدالملک کو اپنے سامنے طلب کیا اور نہایت غصے ہو کر کہا کہ " عبدالملک تم نے ناسپاسی
کی۔ اور ہماری بخشش واحسانات کے منکر ہوئے "۔ عبدالملک نے نہایت فصاحت سے تقریر
شروع کی اور عرض کیا کہ " مجھے تو آپ کی اطاعت فرض ہے۔ کیونکہ آپ خلیفۂ رسول اللہ اور حامی
دین ہیں لیکن جو کچھ آپ فرماتے ہیں اس کی کچھ بھی اصلیت نہیں ہے یہ سارا فساد ہمارے
حاسدوں کا ہے اور انھیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں ہے کہ باعتبار قرابت مجھے امیرالمومنین
سے کس قدر تعلق ہے "۔ ہارون نے کہا " نہیں یہ بالکل غلط ہے۔ جیسا تم زبان سے کہتے
ہو ویسا دل سے کرنا نہیں چاہتے ہو۔ خود قمامہ نے جو تمہارا کاتب ہے تمہاری بدنیتی اور
مخالفت کی مجھ سے اطلاع کی ہے اور اس کی بھی تقریر سنو "۔ چنانچہ قمامہ فوراً حاضر کیا گیا۔
ہارون نے کہا کہ " بلا خوف وخطر جو کچھ جانتے ہو بیان کرو "۔ قمامہ نے کہا کہ عبدالملک جو امیرالمومنین
کے سامنے حاضر ہے وہ نقض بیعت پر آمادہ ہے اور بغاوت کیا چاہتا ہے۔ عبدالملک نے کہا
کہ " امیرالمومنین! قمامہ تو جھوٹا ہے۔ جبکہ وہ میرے سامنے تہمت لگا رہا ہے تو میرے پیچھے وہ
ضرور جھوٹ بولتا ہوگا۔ ایسے شخص کی باتوں کا مجھے کیونکر یقین آسکتا ہے۔ ہارون نے کہا کہ
میں نے مانا قمامہ جھوٹ بولتا ہے لیکن عبدالرحمن بھی تمہاری مفسدانہ کارروائیوں کی خبر دیتا

ہے اگر کہو تو وہ بھی پیش کیا جائے اور ہمارے نزدیک ان دو گواہوں سے زیادہ کیا سچی شہادت ہو سکتی ہے" جب عبدالملک نے عبدالرحمٰن کا نام سنا تو کہا "امیر المومنین! وہ تو مامور ہے اس لئے وہ معذور ہے اور اس کی بات کا یوں بھی مجھے اعتبار نہیں ہے کیونکہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ عبدالرحمٰن گو میرا ہی بیٹا ہے لیکن جبکہ وہ باغی ہو گیا تو پھر ایسی نافرمان اولاد کی باتوں کا یقین نہیں ہو سکتا۔" یہ سنکر رشید اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا معاملے کی اہلیت تو مجھ پر کھل گئی ہے مگر اس معاملے میں مجھے عجلت منظور نہیں ہے میں خدا کو حکم قرار دیتا ہوں۔ عبدالملک نے کہا "میں بھی رضامند ہوں۔ خدا بہتر حکم ہے۔ اور امیر المومنین حاکم ہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ امیر المومنین خدا کی رضامندی پر اپنی خواہشات نفسانی کو ترجیح نہ دینگے۔" اس گفتگو کے بعد عبدالملک کو پھر قید میں بھیج دیا اور چند روز کے بعد دوبارا اپنے سامنے بلا کر ایک دن پھر سمجھایا۔ عبدالملک نے کہا کہ "امیر المومنین خدا سے خوف کیجئے بجائے شکر گذاری کے خدا کی نعمتوں کی ناشکری نہ کیجئے۔ آپ کے قیام سلطنت کے واسطے جو کوششیں میں نے کیں ہیں ذرا اس پر خیال فرمائیے۔" لیکن ہارون الرشید نے کچھ خیال نہیں کیا اور کہا کہ اگر بنی ہاشم پر رحم کرنے کی میری عادت نہ ہوتی تو میں ضرور تمکو قتل کر دیتا۔ کیونکہ بغاوت کے تمام سامان میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد مسرور کو یحیےٰ کے پاس روانہ کیا اور کہلا بھیجا۔ میں نے سنا ہے کہ تو اس کی کوشش کر رہا ہے کہ عبدالملک بن صالح تخت خلافت پر

حاشیہ [۱] عبدالملک ہارون الرشید کے زمانے تک برابر قید رہا امین الرشید نے تخت سلطنت پر بیٹھکر قید سے آزاد کیا اور شام کا والی مقرر کر دیا۔

بیٹھے اور میں محروم کیا جاؤں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عبدالملک جس قدر تمہاری عزت کرتا ہے ویسی میری نہیں کرتا ہے۔ اگر اصلی حالات ظاہر کرو تو میں فوراً تم کو قید سے چھوڑ دونگا اور پھر اسی اعزاز پر پہنچا دونگا۔ یحییٰ نے جب یہ پیام سُنا تو مسرور سے کہا میرا خدا گواہ ہے اگر میں اس میں شریک ہوں۔ مجھپر یہ محض بہتان ہے۔ ہاں اگر خلیفہ کو یہ منظور ہے کہ معاملات سلطنت میں خیانت کا الزام لگا کر مجھے بدنام کرے۔ اور لوگوں پر یہ ظاہر کرے کہ جو سزا دیجاتی ہے وہ حق بجانب ہے تو ایسی حیلہ سازی کی میرے قتل کے واسطے حاجت نہیں۔ کیونکہ نہ صرف علام الغیوب بلکہ ساری خدائی جانتی ہے کہ ہم لوگ بے گناہ ہیں لیکن اگر وہ قتل کرنا چاہتا ہے تو ہم کو قتل کر دے تاکہ اس کا بھی دلی بخار نکل جاے اور ہم بھی اس مصیبت سے چھوٹ جائیں اب رہی یہ بات کہ میں عبدالملک کی محبت کا دم بھرتا ہوں اور اس کی عزت کرتا ہوں۔ یہ امر بلحاظ تقدس دینی کے ہے۔ اس کو کسی دنیاوی معاملے سے تعلق نہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ عبدالملک میں ادب۔ شرم۔ وحیا۔ پارسائی۔ دیانت۔ اور عقل وفہم سب عباسیوں سے بڑھ کر ہے۔ نعوذ باللہ ایسے نفس زکیہ کو حکمرانی کی آرزو کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور اس کی تصدیق خود عبدالملک سے ہو سکتی ہے اس وقت ہارون الرشید کو میری سچائی کا حال معلوم ہو جائیگا۔" چنانچہ مسرور نے یحییٰ کا جواب ہارون الرشید کو جا سُنایا۔ ہارون نے یہ پیام سنکر کہا کہ جو کچھ یحییٰ نے کہا ہے وہ بالکل غلط ہے میں تحقیق کر چکا ہوں عبدالملک کے واسطے بیعت ہو چکی ہے۔ یحییٰ سے دوبارہ جا کر کہو کہ "اگر صحیح صحیح حالات ظاہر کروگے تو اس قید سے چھوٹ جاؤگے۔ ورنہ فضل کے قتل کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ اور فضل کے

قتل کی دھمکی اس وجہ سے دیگئی تھی کہ یحییٰ کو فضل سب سے زیادہ عزیز تھا۔ لیکن مسرور کو دربردہ یہ حکم تھا کہ فضل کو یحییٰ سے الگ کرکے دوسری جگہ چند روز تک قید رکھے کیونکہ فضل کے فراق کی طاقت یحییٰ میں نہیں ہے وہ ضرور عبدالملک کی بیعت کا حال کہدیگا۔ چنانچہ جب مسرور نے یحییٰ سے دوبارہ جاکر کہا تو یحییٰ رونے لگا۔ اور کہا کہ اے مسرور مجھے اس بیعت کی کچھ بھی خبر نہیں ہے۔ بفرض محال اگر میرا گناہ بھی ہے تو مستحق سزا کا میں ہوں۔ غریب فضل نے کیا کیا ہے کہ وہ قتل کیا جاتا ہے۔ خداوند تعالےٰ ایسا مکابرہ پسند نہیں کرتا اور وہ جبار منتقم ہے ضرور اس ظلم کا بدلا لے گا۔" مسرور نے جواب دیا کہ آپ ہارون الرشید کی نازک مزاجی سے واقف ہیں جو اس نے حکم دیا ہے اگر میں اس کے حکم کی تعمیل نہ کروں تو مجھے مع اہل وعیال قتل کرڈالیگا۔ یہ کہکر فضل کا ہاتھ پکڑ لیا اور لے چلا۔ اس وقت یحییٰ کی حالت قابل رحم تھی۔ آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ یحییٰ نے رخصت کے وقت فضل کو دعا دی۔ مسرور کی روایت ہے کہ جب میں فضل کو باہر لے آیا تو ایک گوشے میں لے جاکر اس کے کپڑے اتروالئے۔ اور بجز ایک شلوار کے اس کے پاس کچھ نہ رہا۔ اس وقت فضل نے کہا کہ "اے مسرور ہارون الرشید سے میرا ایک پیام کہہ دینا اور وہ یہ ہے کہ جو معاہدے تم نے کئے تھے وہ سب شکست کردئے۔ اب بجز بچوں اور عورتوں کے کوئی نہیں ہے۔ جیسا برتاؤ تو اُن سے کرے گا ویسا ہی لوگ تیرے ساتھ کریں گے۔" مسرور نے فضل کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی لیکن تھوڑی دیر بعد پھر کھول دی۔ اور کہا کہ میرا جی نہیں چاہتا ہے کہ میں تجھ ایسے نوجوان کو قتل کروں۔ اب میں پھر جاتا ہوں۔ خلیفہ سے عرض کرونگا۔"

فضل نے کہا افسوس جس قدر آج تو مجھپر مہربان ہے۔ کاش جعفر مرحوم کے ساتھ ایسی شفقت کی ہوتی۔ کیونکہ جعفر نے کسی قسم کی بدسلوکی تجھ سے نہیں کی تھی۔ چنانچہ مسرور نے تین دن تک یحیی سے فضل کو الگ رکھا جب کچھ نہ معلوم ہوا تو مجبوراً پھر یحیی کے پاس بھیج دیا۔ اور مسرور نے بھی سفارش کی کہ فضل عالم اور پارسا ہے اُس کو عبدالملک کی بیعت کا کچھ علم نہیں ہے ورنہ وہ ضرور بیان کر دیتا چنانچہ ہارون نے بھی اُس کی سچائی کا اس طرح پر تجربہ کیا کہ فضل سے پوچھا کہ قید میں تمہارے ساتھ کس کس شخص نے سلوک کیا ہے۔ فضل نے صاف کہہ دیا کہ یحیی بن معاذ اور محمد بن عباس نے میری ہر طرح مدد کی ہے چنانچہ ہارون نے بھی یحیے سے دریافت کیا تو اس نے بھی تصدیق کی اور یحیی کی وفاداری پر تحسین کی۔ لیکن محمد بن عباس نے چونکہ انکار کر دیا تھا۔ لہٰذا اُس کو چار مہینے کے واسطے قید کر دیا۔

ہارون الرشید کے حکم سے قدم قدم پر مخبر اور جاسوس بیٹھے ہوئے تھے۔ جو شخص برامکہ کی خدمت کرتا یا مالی امداد پہنچاتا۔ فوراً اس کی اطلاع کیجاتی تھی مگر وہ لوگ جن کو برامکہ سے فائدہ پہنچا تھا بلاخوف وخطر جیل میں جا کر یحیی وغیرہ سے ملتے اور جس قدر ممکن تھا اُن کی مدد کرتے تھے۔

یحیی برمکی کا خط بنام خلیفہ ہارون الرشید

سیارہ بن معروف راوی ہے کہ جب زمانہ قید میں یحیی برمکی پر سختی ہونے لگی۔ اور پاؤں کی بیڑیاں معمولی مقدار سے بھاری کر دی گئیں اُس وقت یحیی نے ہارون کو ایک خط

حاشیہ سلہ عقد الفرید جلد سوم صفحہ ۲۵۔ اعلام الناس صفحہ ۱۶۲۔ تاریخ ضیاء برنی صفحہ ۱۶۶

لکھا جس کا مضمون یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خط یحییٰ کی طرف سے امیرالمومنین ہارون الرشید کے نام ہے جو تمام مسلمانوں کا امام اور رسول اللہ صلعم کا جانشین ہے۔ یحییٰ گنہگار ہے اور اس کو اپنے گناہوں کا اقرار ہے لیکن پھر بھی وہ امیرالمومنین کی مہربانیوں کا امیدوار ہے کیونکہ جب سے امیرالمومنین نے اپنی مہربانی کی نظر پھیر لی ہے اس وقت سے تمام بلائیں اس پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ راحت۔ محنت سے تبدیل ہوگئی ہے آنکھوں نے شب بیداری کا سرمہ لگا لیا ہے۔ بجائے جگمگاتے ہوئے عالیشان محلوں کے تنگ و تاریک زندان میں گرفتار ہے۔ اب مرتے دم تک اس کو بجز غم کھانے کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ اس کی مصیبت کا ایک ایک دن سال کے برابر ہے اور جو رات کہ رنج و غم میں کٹتی ہے وہ درازی میں روز قیامت کے ہم پلہ ہے۔ موت اس کے سامنے ہر دم کھڑی رہتی ہے۔ اب وہ مرنے پر آمادہ ہے۔ اے موت! کاش تو اپنے وقت سے پہلے آجاتی اور قید حیات سے چھڑا دیتی۔ امیرالمومنین مجھے اسکا افسوس نہیں ہے کہ میں آپ کی فیاضیوں سے محروم ہوں۔ بلکہ دلی صدمہ یہ ہے کہ آپ سے دور ہوں۔ امیرالمومنین! خدا گواہ ہے اگر میں جھوٹ کہتا ہوں مجھے اپنی عزت اور مال و اسباب کے تلف ہونے اور جعفر کے قتل کئے جانے کا کچھ بھی افسوس نہیں ہے۔ کیونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ سب چیزیں مستعار تھیں۔ اور اگر شے مستعار اسکے مالک کو واپس کیجائے تو وہ شکایت بے جا ہے۔ میرا مقصد اس تحریر سے صرف اسقدر

ہے کہ جعفر پر جو مصیبت آئی وہ اُس کے گناہوں کا نتیجہ تھا۔ میں اس معاملے میں کوئی نکتہ چینی نہیں کرنا چاہتا۔ نہ یہ کہتا ہوں کہ آپ نے ظلم کیا بلاشبہ جس سزا کا وہ مستحق تھا سیاست ملکی نے اس کو پورا کیا۔

ہاں یہ فقیر اقرار صالح کے ساتھ اپنے گناہوں کا معترف ہے اور امیر المومنین سے معذرت کرتا ہے اگر اس کے خدمات اور ضعیفی پر لحاظ فرمایا جاے تو وہ اُس کا مستحق ہے کیونکہ نوکروں سے قصور ہوا ہی کرتے ہیں اور آقا ہمیشہ معاف کر دیا کرتے ہیں۔ پس اگر امیر المومنین بھی رحم فرمائیں اور رضامند ہو جائیں تو آخرت کی نجات اور دنیا کی نیکنامی کے لیے بس ہے۔"

نثر کے بعد جو نظم یحییٰ برمکی نے لکھی ہے اس کا انتخاب بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

قل للخلیفة ذی الصنیعه	خلیفہ سے کہدو جو صاحب احسان
والعطایا الفاشیه	اور کثرت سے انعام دینے والا ہے
وابن الخلائف من قریش	اور قریشی خلفاء
والملوك العالیه	اور بلند پایہ بادشاہوں کی اولاد میں سے ہے
راس الامور وخیر من	جو مہمات کا سردار ہے اور اُن سب سے بڑھ کر ہے
ساس الامور الماضیه	جنھوں نے امور کو انجام دیا۔
ان البرامکة الذین	"برمکی" جن پر
رموا الدیك بداهیه	تیری وجہ سے مصیبت پڑی۔

صفر الوجوه عليهم	اُن کے چہرے زرد ہیں۔
خلع المذلة بادية	اور اُن پر علانیہ ذلت کا لباس ہے۔
فكانهم مما بهم	گویا وہ اُس مصیبت کی وجہ سے
اعجاز نخل خاوية	درخت کے تنے ہیں جو اُلٹ گیا ہے۔

لیکن خلیفہ[1] ہارون الرشید نے یحییٰ کے اس طولانی خط کو پڑھ کر یہ مختصر جواب لکھا۔

يا آل برمك انكم	اے خاندان برمک۔
كنتم ملوكا عاتية	تم سرکش بادشاہ تھے۔
فعصيتمو وطغيتمو	تم نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھ گئے۔
وكفرتمو نعمائيه	اور میری نعمتوں کی ناشکری کی
هذي عقوبة من عصى	یہ اُس شخص کی سزا ہے۔
من فوقه وعصانيه	جو اپنے افسر کی اور میری نافرمانی کرے۔

اور نظم کے خاتمے پر قرآن شریف کی یہ آیت[2] لکھی وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ

حاشیہ [1] عقد الفرید اور اعلام الناس میں یحییٰ کا خط نظم میں پورا موجود ہے۔ لیکن جواب کے اشعار صرف اعلام الناس میں ہیں

[2] اور خدا ایک گاؤں کی مثال بیان فرماتا ہے کہ وہاں کے لوگ (ہر طرح پر) امن و اطمینان سے تھے ہر طرف سے بافراغت ان کا رزق اُنکے پاس چلا آتا تھا پھر اُنھوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اُنکے کرتوتوں کے بدلے میں اللہ نے انکو مزہ بھی چکھا دیا کہ بھوک اور خوف کو (اُنکا) اوڑھنا (بچھونا) بنا دیا۔ سورۂ نحل پارۂ ۱۴ رکوع ۱۴ ترجمہ مولانا نذیر احمد صاحب دہلوی صفحہ ۴۴۴۔

اٰمِنَۃً مُّطْمَئِنَّۃً یَّاْتِیْھَا رِزْقُھَا رَغَدًا مِّنْ کُلِّ مَکَانٍ فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ۔ جب یحییٰ برمکی نے ہارون الرشید کا جواب پڑھا تو اُس کو یقین ہو گیا کہ بس اب میری قید سے رہائی نہ ہوگی اور دلی رنج و غم کا یہ نتیجہ ہوا کہ یحییٰ کو بخار آنے لگا۔ اب یحییٰ کا یہ حال تھا کہ وہ زمین پر سوتا تھا اور اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔

یحییٰ کے اقبال اور ادبار کی حکایت

زمانۂ قید کا ذکر ہے کہ یحییٰ برمکی سے کسی نے سوال کیا کہ اے وزیر کرم! سب سے عمدہ واقعہ جو آپ کے زمانۂ اقبال میں گزرا ہو بیان فرمائیے۔ یحییٰ نے کہا کہ ایک دن تفریحاً میں دریا کی طرف گیا۔ کشتی پر سوار ہوتے وقت انگوٹھی کا نگینہ دریا میں گر پڑا۔ یہ نگ یاقوت احمر کا تھا جس کی قیمت ایک ہزار مثقال سونا تھا۔ میں نے اس واقعہ کو فال قرار دیا۔ اور گھر کو واپس آیا تو باورچی نے وہی یاقوت میرے سامنے لاکر پیش کیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور باورچی سے پوچھا کہ تجھے یہ کیونکر ہاتھ لگا۔ اُس نے کہا کہ "میں نے آج ایک مچھلی خریدی تھی۔ اُس کے پیٹ سے یہ یاقوت نکلا۔ میں نے خیال کیا کہ وزیر کے سوا اور کون ہے جسکے نذر کے قابل یہ ہو سکتا ہے"۔ یہ واقعہ تو میرے اقبال کے زمانے کا ہے۔ اب میرے ادبار کا ذکر سنو کہ اسی قید میں ایک دن میں نے گوشت کھانا چاہا۔ ہزار دینار قرض منگائے اور گوشت۔ سرکہ۔ ہانڈی۔ اور ضروری سامان خرید کرایا۔ اور آگ جلا کر گوشت پکانا شروع کیا۔ آگ پھونکتا جاتا تھا اور میری داڑھی زمین پر لگ لگ جاتی تھی۔ جب گوشت تیار ہو گیا

تو میں نے روٹی پکانا شروع کی اور ہانڈی کو اوتارنا چاہا۔ اس وقت میرا ہاتھ ڈگمگایا اور ہانڈی ہاتھ سے چھوٹ کر چولھے میں گر پڑی شوربا جو دل سے مرغوب تھا وہ سب گر چکا تھا مجبوراً زمین پر سے بوٹیاں چن لیں اور صاف کرکے اسی کو کھالیا اس سے زیادہ مصیبت کا اور کیا واقعہ[1] ہوگا۔ اور اس سے زیادہ عبرت ناک ذیل کا واقعہ ہے۔

یحییٰ کی بی بی اور اسکی مصیبت

محمد بن[2] غسان حاکم کوفہ کا بیان ہے کہ عید الضحےٰ کے دن میں اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اس کی مجلس میں میں نے ایک ضعیف عورت کو دیکھا جو پرانی چادر اوڑھے ہوئے نہایت فصاحت و بلاغت سے بول رہی ہے۔ میری ماں نے کہا کہ بیٹا! اپنی خالہ کو سلام کرو۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تب کہا کہ یہ عتابہ ام جعفر برمکی ہیں۔ یہ دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ اور انقلاب زمانہ پر مجھے نہایت تعجب ہوا۔ پھر میں نے سلام کیا اور پوچھا کہ یہ کیا حال ہے بیان فرمائیے؟ کہا اے بیٹا! کیا پوچھتا ہے۔ دنیا ایک آنے جانے والی چیز ہے۔ کل کی بات ہے کہ عید کے دن میرے سر نے چار سو کنیزیں کھڑی ہوتی تھیں۔ باوجود اسکے میرا خیال تھا کہ جعفر میری خدمت میں کوتاہی کرتا ہے۔ اور ایک دن یہ ہے کہ میرے پاس دو پوستین ہیں جن میں سے ایک اوڑھنا ہے اور ایک بچھونا! فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ۔

حاشیہ [1] اعلام الناس صفحہ ۱۴۱۔ حیات الحیوان دمیری ابن خلکان و تاریخ نگارستان میں بھی یہ روایت کم و بیش تحریر ہے [2] تاریخ ضیاء الدین برنی و تاریخ اسحاقی بروایت احمد بن خطیب کاتب۔

حقیقت میں برامکہ کی تباہی اور ان کی مصیبت کے حالات پڑھنے سے دل پر زمانے کے انقلاب کا پورا اثر پڑتا ہے اور انسان کے اقبال وادبار کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ یہ وہی جعفر کی والدہ ہے کہ جو آج معمولی تن کے کپڑوں کو محتاج ہے۔ اور کل اسکے بیٹے جعفر کا وہ زمانہ تھا کہ ہزاروں اس کے مکان سے خلعت فاخرہ پہنکر نکلتے تھے۔

جعفر کے قتل پر خلیفہ ہارون الرشید کا تاسف۔ وزیر کی ضرورت ملکی بغاوتیں سفر رے جعفر کی نعش کا جلانا۔ اور بغداد سے سفر رقہ

جعفر کے قتل کے بعد خلیفہ ہارون الرشید کو کسی وقت اطمینان نصیب نہیں ہوا۔ گو ملکی اسقبا سے جعفر کو قتل کر دیا تھا۔ مگر ہر مشکل موقع پر جعفر یاد آتا تھا۔ خصوصاً جب ملک میں بغاوتیں ہونے لگیں اور والیان ملک کی سرکشی کی خبریں آنے لگیں۔ اس وقت جعفر کا نام ورد زبان ہوتا تھا۔ اور چونکہ وزارت کمزور ہاتھوں میں تھی۔ اسلئے انتظامات ملکی میں ایک ایک مصاحب سے صلاح لیتا تھا **ابو الحسن** علوی کا بیان ہے کہ جعفر کے قتل کے بعد ہارون الرشید دن رات پریشان اور غمناک رہتا تھا۔ اسی زمانے میں ایک دن میں بھی ہارون کے پاس گیا۔ اپنے پاس بلا کر بٹھا لیا۔ اور باتیں کرنے لگا۔ پھر سب کو رخصت کر دیا۔ جب میں تنہا رہگیا تو مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ "ایک راز کی بات کہنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ افشا نہ کروگے کیونکہ اپنے آقا کے حقوق نعمت سے تم واقف ہو" میں نے عرض کیا کہ "امیر المومنین! ایسی گفتگو ہونا چاہئے جسے

حاشیہ ؎ تاریخ ضیاء الدین برنی صفحہ ۵۷۔

وراثتاً یا فراستاً کوئی نہ پہنچ سکے۔ ورنہ درباری لوگ قیاس عقلی پر بہت کچھ خبریں مشہور کردینگے" خلیفہ نے کہا کہ نہیں وہ ایسی بات ہے جس کو کنایۃً بھی کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے۔ پھر مجھ سے کہنے لگا کہ ابوالحسن! مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی ہے کہ میں نے انجام کار پر کچھ خیال نہ کیا اور صرف ذاتی غصّہ۔ کینہ۔ عداوت۔ اور حسد سے میں نے ایسے خاندان کو تباہ کردیا جس کی ذات سے میری سلطنت کا نظام تھا۔ دیکھو ملک میں ہرطرف بدامنی پھیل رہی ہے جس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہرشورش کے دبانے کے واسطے مجکو خود جانا پڑتا ہے ورنہ پیشتر یہ حال تھا کہ ملک کا بڑے سے بڑا حادثہ باغ سے بیٹھے بیٹھے برامکہ کی تدبیروں سے ختم ہوجاتا تھا جب بہت ہی بڑی ضرورت ہوتی تھی اُس وقت جعفر یا فضل کو بھیج دیتا تھا۔ برامکہ کی بربادی کے مسئلہ پر میں نے برسوں غور کیا تھا۔ لیکن اخیر کو میری عقل جاتی رہی۔ اور مغلوب الغضب ہوگیا

جعفر کو قتل کرکے ہارون الرشید کا نادم ہونا

اور اپنی نادانی و ناتجربہ کاری سے جو نہ کرنا تھا وہ کر چکا۔ جب میں نے جعفر کو قتل کردیا تو پھر دوسروں کے قتل کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن کلیتاً اس خاندان کو میں نے برباد کردیا۔ اب جو کام برامکہ کے سپرد تھے۔ بتاؤ میں کس کے سپرد کروں؟ میں نے عرض کیا "جو ہونا تھا وہ ہوچکا اب اُسکی تلافی محال ہے پشیمانی سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میری رائے میں بشرطیکہ امیرالمومنین کے

حاشیہ [1] مصنف زہرالربیع لکھتا ہے "ہارون الرشید عزم کرد کہ برامکہ را استاصل نماید واز وقتیکہ این ارادہ کرد تا ہنگامے کہ ایشانرا ازمیان برداشت دہ سال گذشت۔ مسرور خادم سبب نا گہر قتل ایشان از وقت ارادہ از رشید پرسید گفت کسے را ندیدم کہ بجاے ایشان قرار بدہم واگر ایشان را دفع مے کردم مملکت من فاسد میشود بعد از انکہ اشخاصے بہمرسید کہ بجاے ایشان قرار داد ایشان را نابود کردم۔ جلد اول صفحہ ۴۴۴۔

نزدیک بھی مناسب ہو تو فضل بن ربیع (جو اس خاندان کا پروردۂ نعمت ہے) وزیر مقرر کر دیا جائے۔" میری رائے سنکر ہارون الرشید نے کہا کہ "ابوالحسن! خدمت وزارت کا مستحق وہی شخص ہے جو تمام قوم میں افضل ہو۔ سیف و قلم کا مالک ہو اور اس کی تقریر میں یہ اثر ہو کہ خواص و عوام دونوں کو اپنا شیدا بنا لے۔ ان میں سے ایک بات بھی فضل میں نہیں ہے نہ اس کا کینہ بڑا ہے نہ مکارم اخلاق میں مشہور ہے۔ نہ فیاضی میں اس کی شہرت ہے۔ جس کے باعث ملک کا اس کی طرف رجحان ہو۔ نہ کسی خاص ہنر میں کمال ہے نہ عقل و فہم میں ممتاز ہے۔ علاوہ بریں درہم و دینار کا بندہ ہے۔ فضل ربیع کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتے ہو۔ فضل کی طرف سے مجھے بھی افسوس ہے۔ کیونکہ وہ ہمارا ہی خادم اور پروردہ ہے لیکن ایسے لوگوں کو معزز درجہ پر مقرر کرنے سے ملکی غرض حاصل نہیں ہو سکتی ہے! اولوالعزم بادشاہوں کا قول ہے کہ "انتظامی خدمتیں اور بڑے بڑے عہدے ان لوگوں کو دینا چاہئے کہ جن کی ذات سے اس عہدے کو شرف اور اعزاز حاصل ہو۔ اور جن کے قلم اور کلام سے بادشاہ کا مطلب پورا ہو جائے۔ اور اگر اس خدمت سے وہ معزول کر دئے جائیں تو بھی ان کے ذاتی اعزاز اور حشم میں کچھ فرق نہ آئے۔ بدرجہ مجبوری میں بھی چاہتا ہوں کہ فضل ربیع کو خدمت وزارت پر مقرر کروں لیکن مجھے یقین ہے کہ جو کام برامکہ نے کیے ہیں اس کا ہزارواں حصہ بھی فضل سے نہ ہوگا۔" یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ فضل بھی آموجود ہوا۔ اور آتے ہی یہ اطلاع کی کہ "جملہ سردارانِ فوج سلیمان کے لڑکوں کے ہمراہ آئے ہیں اور ان کا یہ بیان ہے کہ پچھلے زمانے میں ہمارے بزرگوں کی بڑی عزت ہوتی تھی اور ہم خلیفہ کے

کام آتے تھے۔ اب زمانہ امیرالمومنین میں ہم سے کوئی کام نہیں لیا جاتا ہے لہذا ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمارا استعفا منظور فرمایا جائے اور اپنی جاگیر پر واپس جانے کی اجازت دیجائے کیونکہ موجودہ برتاؤ امیرالمومنین کا ہم کو پسند نہیں ہے۔ ایسی ملازمت سے کاشت کاری کرکے زندگی بسر کرنا بدرجہا بہتر ہے۔ میں نے ان لوگوں کو ہر چند سمجھایا کہ اس وقت امیرالمومنین خلوت میں ہیں وقت فرصت کے عرض کرنا مگر انہوں نے نہیں مانا۔ سلیمان کردو کے یہ لڑکے بڑے فسادی ہیں ان کے سروں میں باغیانہ خیالات ہیں میرے نزدیک یہ گستاخ واجب القتل ہیں" جب فضل اپنی تقریر ختم کر چکا تو ہارون الرشید نے میری طرف دیکھا (یعنی اس بات کا اشارہ کیا کہ فضل کی عقل و سمجھ کو دیکھو) پھر فضل کو حکم دیا کہ "میری طرف سے پیام دو کہ کوئی شبہ نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ میں نے غفلت کی ہے۔ جس سے تم کو صدمہ پہنچا لیکن مجھے تمہاری ضرورت اس سے بھی زیادہ ہے کہ جتنی **ابوجعفر منصور** و خلیفہ **مہدی** کو تھی جو کچھ ہوا میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ آئندہ کے واسطے میری مہربانی کے امیدوار رہو" فضل نے ہارون الرشید کا جواب سنکر کہا کہ "ایسے سرکشوں کے واسطے ایسا نرم جواب مناسب نہیں ہے"۔ لیکن خلیفہ یہ گستاخانہ جواب سن کر فضل پر بہت غصہ ہوا اور کہا کہ "میرے حکم میں دخل دینے کا تجھکو کیا حق ہے جو میں نے حکم دیا ہے وہ ان لوگوں سے جا کر کہدے۔ اور پھر میری طرف دیکھ کر کہا کہ بجائے جعفر اور یحیی کے ایسے شخص کی سفارش کرتے ہو جس کی عقل اور سمجھ کا یہ حال ہے۔ تھوڑی دیر میں فضل واپس آیا اور عرض کیا کہ "میں نے امیرالمومنین کا فرمان سنادیا۔ سب گھوڑوں پر سے اتر پڑے اور اطاعت کا سر جھکا دیا۔ اور خوشی خوشی دعا دیتے ہوئے واپس گئے"۔

پھر مجھ سے کہا کہ "دیکھو اس وقت نرمی سے کیسا کام نکل گیا۔ اگر میں فضل کے کہنے پر چلتا۔ تو معلوم نہیں کیا انجام ہوتا۔ اور میں نے تاریخ عجم میں پڑھا ہے کہ کسریٰ امیر نوشیرواں عادل نے بزرجمہر سے پوچھا کہ عورتیں جس قدر باتوں سے خوش ہوتی ہیں اتنا مال سے نہیں آخر اس کا سبب کیا ہے؟ حکیم نے جواب دیا کہ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں۔ اُن کی سمجھ مال یا مقاصد مال تک نہیں پہنچتی ہے۔ غرضکہ تم نے میری بات کا نتیجہ سمجھ لیا ہوگا۔ اب میں تم کو ایک

جعفر کی ذکاوت

واقعہ جعفر کی ذکاوت و فراست کا سناتا ہوں۔ ایک روز میں شکار میں تھا۔ جعفر برمکی میرے آگے آگے چلا جا رہا تھا۔ مجھے اس وقت اُس کے جرائم کی یاد آگئی اور طبیعت میں غصہ پیدا ہو گیا اور دل میں یہ خیال آیا کہ جعفر کی گردن مروا دوں اور اس خیال سے دل کو ایسی مسرت ہوئی کہ مجھے ہنسی آگئی جعفر نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور مجھ سے پوچھا کہ بغیر مشاہدے کسی عجیب شے کے ہنسی کا کیا سبب ہے؟ میں نے کہا کہ شب کو کنیزوں نے جو بے تکلفی اور شوخیاں کی تھیں اُسی کا خیال آگیا ہے۔ جعفر نے کہا نہیں بلکہ امیرالمومنین کا یہ خیال ہے کہ جعفر کشتنی ہے خداوند نعمت! اس خیال سے ڈرنا چاہئے۔ میں بے گناہ ہوں۔ خون ناحق اپنی گردن پر نہ لیجئے۔" میں جعفر کی ذہانت سے دنگ رہ گیا۔ جب یہ قصہ کہہ چکا تو پھر مجھے رخصت کر دیا اور تاکید کی کہ دیکھو ان باتوں کا کسی سے ذکر نہ آنے۔ چنانچہ میں رخصت ہو گیا اور اس گفتگو کا یہ نتیجہ نکالا کہ سلطنت اور وزارت دونوں کی کم عقلی سے ملک میں ابتری پیدا ہوتی ہے۔ ہوشیاری کی روایت ہے کہ برامکہ کے معاملات میں ہارون

حاشیہ ۱؎ مصنف اعلام الناس نے بھی ایک حکایت میں جعفر کا یہ واقعہ لکھا ہے صفحہ ۱۴۸ ۲؎ ابن خلکان صفحہ ۳۰۰ جلد دوم

افسوس کیا کرتا تھا۔ بلکہ ایک دفعہ یہ بھی کہا تھا کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ برامکہ کی نیت اچھی ہے تو میں ان کو پھر اصلی درجہ پر پہنچادوں۔ جعفرؒ کا قتل نہ صرف اس کے دوستوں کو گراں تھا۔ بلکہ مسرور جو دشمنِ برامکہ اور جعفر کا قاتل تھا۔ اس نے اکثر موقعوں پر کہا ہے کہ جعفر کے قتل کے بعد مجھے کھانے میں مزا نہ ملا۔ جب میں بغداد میں سوار ہو کر نکلتا تھا تو مجھے یہی ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رعایا مجھے سنگسار کروا دے۔ یہ تو خود میرا حال تھا۔ اور ہارون الرشید کی یہ حالت تھی کہ بالکل چپ رہتا تھا۔ جب اطراف ملک سے کوئی وحشت انگیز خبر آتی تو چلا اُٹھتا تھا کہ "آج اگر برامکہ ہوتے تو یہ کچھ بھی نہ ہوتا" اور اس کی یہ پریشانی دم مرگ تک نہ گئی۔ جب امین اور مامون میں لڑائی ہوئی اور طاہر ذوالیمینین فتحیاب ہوا اور امین مارا گیا۔ اس وقت تمام ملک میں یہ صدا نہایت بلند تھی کہ "یہ بے گناہ جعفر کے خون کا بدلہ ہے"

جعفر کے قتل کے بعد چونکہ ہارون الرشید مختل الحواس ہو گیا تھا۔ اور نظامِ سلطنت بھی درہم برہم تھا اس سبب سے خاندانِ خلافت کے بعض ارکان خودسر ہو گئے تھے۔ اور صوبہ جات میں بھی بغاوت انگیز خیال پیدا ہو چلے تھے۔ اس لئے جب کسی قدر خمار اترا تو اس طرف متوجہ ہوا لیکن نیکوفورس (نقفور) قیصر روم سے جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے ان سازشوں کا کوئی انتظام نہیں ہوا لیکن جب غزوہ روم سے فراغت ہوئی تو خراسان کی فکر ہوئی۔ کیونکہ جب سے یہ ملک برامکہ کی حکومت سے نکلا تھا اسی وقت سے یہاں کی ہوا بگڑ گئی تھی۔ چنانچہ ۱۹۳ھ میں خراسان کے انتظام کے واسطے خود ہارون نے سفر کیا۔ اور

حاشیہ: تاریخ ضیا برنی۔ ۱ دیکھو واقعات ۱۹۳ھ مطابق ۱۹۔ جنوری ۸۰۹ء

اس سفر کی تحریک کا بڑا سبب یہ ہوا۔ کہ اعیان خراسان نے[1] علی ابن عیسیٰ والی کے ظلم و ستم کی متواتر عرضیاں بھیجی تھیں اور یہ بھی لکھا تھا کہ علی امیرالمومنین کی مخالفت پر تیار ہے۔ چنانچہ صفر سنہ ۱۸۹ھ (جنوری ۸۰۵ء) ہجری میں ہارون نے رَے کا سفر کیا۔ ماموں الرشید اور قاسم دونوں شہزادے بھی ساتھ تھے۔ چار مہینے تک رَے میں خیام شاہی نصب رہے علی ابن عیسےٰ بھی جوابدہی کے لئے حاضر ہوا لیکن علی نے اطاعت کی حکمت عملی سے ہارون الرشید کا خیال پلٹ دیا۔ اور لاکھوں ہی کے قیمتی تحفے نذر کئے اور علاوہ شاہی نذرانے کے ماموں الرشید۔ قاسم۔ افسران فوج۔ کتاب۔ اور تمام اہل دفتر کو جدا جدا تحفے دئے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی لالچی طبیعت نے اس کے ظلم و ستم کی کچھ بھی تحقیقات نہیں کی اور پھر خراسان کو واپس کر دیا اور آخر ذی الحجہ میں بغداد کو لوٹ آیا۔ غریب جعفر کا سر اس وقت تک جسر بغداد میں لٹکا ہوا تھا۔ سہل[2] بن ہارون راوی ہے کہ میں نے جعفر کے چہرے کی طرف دیکھا سورج کی سیدھی کرنیں جعفر کے منہ پر پڑ تی تھیں۔ تو خدا کی قسم یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا سورج جعفر کی بھووں کے اندر سے نکل رہا ہے۔ جب ہارون کی نظر جعفر کے چہرے پر پڑی تو اس کے قریب گیا اور پریشان بالوں کو جمع کر کے چہرے کو گرد و غبار سے صاف کیا۔ اور آنکھوں کو جو کھلی ہوئی تھیں بند کر دیا۔ عبدالملک بن فضل حاجب نے کہا کہ افسوس جعفر کا گناہ اس درجہ عظیم الشان تھا کہ اس کو امیرالمومنین کا عفو بھی نہ معاف کر سکا۔ ہارون الرشید نے کہا کہ "جو شخص حد سے گزر جاتا ہے اس کی یہی سزا ہے"۔ پھر حکم دیا کہ جعفر[3] کا سر اور نعش

حاشیہ [1] کامل ابن اثیر صفحہ ۷۳، جلد ۶۔ واقعات ۱۸۹ھ [2] عقد الفرید جلد سوم کتاب الامۃ قتیبہ دینوری صفحہ ۲۲۳۔

[3] طبری کبیر صفحہ ۶۸۳ جلد سوم بروایت محمد بن اسحاق ◆

جلاد بجا ے چنانچہ اُسی وقت حکم کی تعمیل ہوگئی۔ جس وقت جعفر کا سر جلایا جارہا تھا ہارون کہتا جاتا تھا کہ اگرچہ جعفر کا اثر زائل ہو گیا ہے۔ لیکن اُس کے حالات باقی رہیں گے۔ اور گو اس کا مرتبہ گھٹ گیا ہے مگر اس کا ذکر بلند ہوگا۔"

عبرت

ایک[۱] محرر کا بیان ہے کہ میں نے ہارون الرشید کے دفتر کے جمع خرچ کو دیکھا تو ایک فرد حساب میں لکھا تھا کہ جعفر برمکی کو نقد اس قدر اور عطریات اور کپڑا اس قدر مرحمت کیا گیا جس کی کل میزان تیتیس ہزار درہم تھے۔ دوسری فرد کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ قیمت نفط اور بوریہ جس میں جعفر کی نعش جلائی گئی چار درہم اور نیم دانگ تھی۔

جب تک[۲] جعفر کا سر پُل پر لٹکتا رہا۔ لوگوں کے واسطے وہ بھی ایک عجیب و غریب تماشا تھا جو آتا تھا عبرت کے آنسو بہا کر وہاں سے گزر جاتا تھا۔ ایک دن ایک عورت نے اس سر کو دیکھا تو کہا جس طرح کل تو سخاوت میں فرد تھا۔ ویسا ہی آج لوگوں کے واسطے عبرت ہے۔"

حالات سفر رقہ

خلیفہ ہارون الرشید نے رَے سے واپس ہوتے ہوے بغداد میں قیام نہیں کیا۔ اور دار السلطنۃ سے باہر ہی باہر رقہ کو کوچ کر دیا۔ روانگی کے بعد ہارون الرشید کو یہ خیال ہوا کہ برامکہ کو اپنے ہمراہ رقہ لے جانا مناسب[۳] ہے۔ کیونکہ لشکری۔ بازاری۔ دیہاتی۔ اور شہری رعایا مع اعیان ملک کے سب برامکہ کے مرہون منت ہیں۔ ایسا نہو کہ میری عدم موجودگی میں جیل پر دھاوا کر کے قیدیان برامکہ کو چھوڑا کر لے جائیں۔" اس لئے یحییٰ کی بیڑیاں کاٹ دی گئیں۔ اور ایک اونٹ پر عماری کسوا کر

حاشیہ [۱] نگارستان [۲] حیات الحیوان صفحہ ۱۴۳ جلد دوم کامل ابن اثیر صفحہ ۷۳، جلد ۶ [۳] تاریخ ضیاء الدین برنی۔

اُس پر بٹھایا۔ اور حکم دیا کہ یحییٰ میرے ساتھ رہے۔ اور فضل۔ موسیٰ۔ و مستورات کی سواریوں کے اونٹ لشکر کے ساتھ کر دئے جائیں چنانچہ حمید بن ابراہیم مروزی کو ان لوگوں پر نگران مقرر کیا کہ لشکر کے ساتھ ساتھ رہے۔ اور جب کوچ و مقام کرتا ہوا یہ لشکر دیر قائم میں پہنچ گیا تو ہارون نے یحییٰ کے پاس پیام بھیجا۔ کہ یہ مقام مع اطراف کے ہمیشہ تمہارے قبضۂ حکومت میں رہا ہے لہٰذا اگر تم پسند کرو تو میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ اسی جگہ پر رہو۔ لیکن تمہارے اہل و عیال ساتھ نہ رہ سکیں گے۔ اور نہ تم پر کسی قسم کا پہرہ ہوگا۔ لیکن فضل وغیرہ قید رہیں گے۔ یحییٰ نے کہا میں اُس قید کو جو اہل و عیال کے ساتھ ہو اس آزادی پر فوق دیتا ہوں۔ چنانچہ بتاریخ ۱۵۔ ماہ جمادی الاول ۱۹۱ھ یوم دوشنبہ داخل رقہ ہوا۔ اور جب لشکر رقہ پہنچ گیا۔ اس وقت سب قیدی ایک جگہ کر دئے گئے۔ مسرور اور ہرثمہ بن اعین کا پہرہ مقرر رہا۔ لیکن یہ حکم ہو گیا تھا کہ برامکہ سے جو لوگ ملنا چاہیں وہ بلا مزاحمت مل سکتے ہیں۔ اور تین لاکھ درہم اور تین سو جوڑے کپڑے مرحمت فرمائے۔ اور جو سزائیں دیجاتی تھیں وہ بند کر دی گئیں۔ اس کارروائی سے برامکہ و نیز رعایائے بغداد کی تالیف قلوب منظور تھی۔ کیونکہ برامکہ کی سخت سزائیں دیکھ کر بعض لوگ خلیفہ کے مقابلے میں تلوار اُٹھانے کو تیار تھے۔

سرداران قبائل اعراب کا جعفر کی تعزیت کو آنا

جعفر کے قتل سے رقہ پہنچ کر اب کسی قدر آرام ان قیدیوں کو ملا تھا۔ دوست و احباب یحییٰ وغیرہ سے ملنے آتے تھے اور جعفر کی تعزیت کرتے تھے۔ خلیل بن ہشیم

حاشیہ ۱؎ دیر القائم الاقصیٰ۔ دریائے فرات کے کنارے رقہ سے سمت بغداد واقع ہے۔ معجم البلدان صفحہ ۶۷۱ جلد ۲

کی روایت ہے کہ رقہ میں مختلف قبائل عرب کے سردار آتے تھے۔ ایک دن عبدالعزیز بن
حمید جو تمام قبائل اعراب کا سردار تھا۔ جعفر کی تعزیت کو آیا۔ جب یحییٰ کو اونٹ پر سوار دیکھا تو
گھوڑے سے اتر پڑا اور یحییٰ کے قدم کا بوسہ لیا۔ اور اس حال میں دیکھ کر رونے لگا۔ پھر بلند آواز
سے جعفر کا مرثیہ پڑھنا شروع کیا۔ عبدالعزیز کے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم تھا۔ یحییٰ کے آنسو
جاری تھے۔ حاضرین چیخیں مار مار کر روتے تھے اور عبدالعزیز وہ شخص ہے جس کو جعفر نے
نہایت اعزاز کا درجہ دیا تھا۔ گھوڑے کی سواری۔ تیراندازی۔ اور بہادری میں (جو عرب کا حصہ ہے)
عبدالعزیز بے مثل تھا۔ جب عبدالعزیز لشکر میں آیا تو ہارون الرشید کو بھی ان حالات سے
اطلاع ہوئی کہ عبدالعزیز نے علے رؤس الاشہاد جعفر کا مرثیہ پڑھا ہے۔ اس لئے عبدالعزیز
کو جواب دہی کے لئے ہارون الرشید نے اپنے حضور میں طلب کیا۔ اور مخاطب کرکے کہا کہ
"عبدالعزیز! کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ میں نے تمام ملک میں منادی کرادی ہے کہ کوئی جعفر کا مرثیہ نہ
پڑھے۔ نہ اس کے غم میں سوگوار ہو ورنہ وہ سیاست کا مستحق ہوگا۔ تم نے میرے مشتہرہ حکم سے
انحراف کیا ہے۔ بتاؤ کیا وجہ ہے کہ تم کو اس عدول حکمی کی سزا نہ دیجائے"۔ عبدالعزیز نے جواب دیا
کہ "امیرالمومنین! جعفر مرحوم کا غم اس سے کہیں بالاتر ہے کہ آپ کے حکم سے مرثیہ پڑھنا، تعزیت
کرنا۔ ایک دم سے بند ہو جائے۔ اور پھر جعفر ایسے شخص کا کہ جس کا مثل ہفت اقلیم میں نہ تھا۔
یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اس کی مدح نہ کیجائے۔ اور ایسے بزرگوں کا مرثیہ پڑھنا تو ایک رسم ہے
جس کو خلیفہ خود جانتا ہے۔ اور میں جعفر سے بے انتہا نفع اٹھا چکا ہوں۔ اگر اس مصیبت
میں جعفر کا شریک نہ ہوں تو میری ناسپاسی ہے۔ البتہ میں طرنم ہوں لیکن جعفر کے صدقے

میں امیر المومنین میرا قصور معاف فرمائیں۔" خلیفہ نے عبدالعزیز کا جواب نہایت ناگواری سے سُنا۔ غصہ سے چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اور عبدالعزیز سے کہا" معلوم ہوتا ہے کہ تم نے جعفر کے گناہوں کا حال نہیں سُنا ہے۔ اور میرے اعلان کی صدا بھی تمہارے کانوں میں نہیں گئی ہے۔ ورنہ ایسی نافرمانی تم سے نہ ہوتی۔ بہرحال اب یہی بہتر ہے کہ تم اپنے ملک کو لوٹ جاؤ تاکہ میری رعایا اور فوج میں ایسی گستاخی کی جرأت نہ ہو۔" چنانچہ عبدالعزیز۔ یحییٰ سے مل کر واپس چلا گیا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید نے بھی اس معاملے میں زیادہ زور نہیں دیا۔ کیونکہ اگر عبدالعزیز پر ذرا بھی سختی کی جاتی تو تمام اعراب بگڑ جاتے اور ملک میں ایک شورش ہو جاتی خاندان برامکہ اعراب (بدو) کی (جن کی تقریر و خطبوں پر لغت و فن ادب کا مدار ہے) ہمیشہ قدر دانی کرتا تھا۔ اس واسطے یہ بادیہ نشین قبائل برامکہ کے ہر وقت مطیع رہتے تھے۔

رقہ میں ہارون کے کیا خیالات تھے

رقہ پہنچ کر ہارون الرشید کے خیالات میں تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ اور برامکہ کو بہ نظر ترحم دیکھنے لگا تھا۔ اگرچہ برامکہ قید تھے مگر ان سے قیدیوں کا سا برتاؤ نہیں تھا۔ جو لوگ برامکہ کی دوستی کا دم بھرتے تھے۔ وہ بلائے جاتے تھے۔ ان سے اپنی پریشانی کہتا اور چپ ہو جاتا تھا۔

محمد بن محمد ایک مقرب دربار ہارون الرشید راوی ہے کہ بمقام رقہ بعد نماز فجر ہارون الرشید نے مجھے بلا بھیجا۔ میں ڈر گیا کہ معلوم نہیں کیا کہنا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں قصر ابیض اکوشک سعیدم میں پیش کیا گیا۔ خلیفہ صحن مکان میں ٹہل رہا تھا۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور ٹھنڈی سانس بھری۔ پھر مصری خچر پر سوار ہو کر سیر کو نکلا۔ اور مجھ سے کہنے لگا کہ" خلفا میں سے کسی کو خداوند تعالےٰ

نے ایسے فرزند - اہلکار - امرا - غلام - اور خادم نہیں عطا فرمائے تھے جیسے میرے ہیں - اور اُس خداوند عالم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس نے اپنے رسول کے چچا کی اولاد کو یہ سلطنت بخشی اگر وہ خدا مجھ سے یہ نعمتیں چھین لیتا تو بھی مجھے اس قدر رنج نہ ہوتا جتنا رنج مجھ کو جعفر کے قتل کا ہے" میں نے ڈر کے مارے عرض کیا کہ "مجھے برامکہ سے جس قدر محبت تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ امیر المومنین اُن پر مہربانی فرماتے تھے - اب مجھے بھی اُن سے کوئی ہمدردی نہیں رہی ہے" خلیفہ نے کہا کہ محمد! تم مجھ سے مت ڈرو - میں تو تم سے واقعی اپنا درد دل کہنا چاہتا ہوں - تم میرے خلاف کیوں کہتے ہو - اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہی میرے دل میں ہے جب میں نے دیکھا کہ اس وقت ہارون الرشید رحم دل ہو رہا ہے - تو عرض کیا کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے - سوائے جعفر کے سب خاندان زندہ ہے - اگر امیر المومنین رحم فرمائیں تو برامکہ کو اُسی درجہ پر پہنچا دینا ممکن ہے یہ سنکر مجھ سے کہنے لگا کہ " محمد مجھ دار ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو - اس خاندان میں جو سب سے زیادہ محترم تھا میں نے اُس کو تو قتل کر دیا اور بقیہ کے ساتھ جو کچھ کیا گیا اُس سے اُن کی رسوائی اور ذلت میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا - تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں انتظامات سلطنت پھر اُن کے سپرد کر دوں - معلوم ہوتا ہے کہ تم قانون سیاست اور امور سلطنت سے واقف نہیں ہو - یہ کہکر حرم سرا میں چلا گیا -

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہارون الرشید اب وہ نہیں رہا تھا جو پہلے تھا مگر اپنے احکام کا پابند تھا آزادی کے ساتھ جو قید برامکہ کو تھی اُسی حالت میں اُس کو رکھنا منظور تھا -

چنانچہ ہرثمہ نے بخیال رضامندی ہارون رشید بمقام رقہ جب ان قیدیوں پر سختی کی اور

معمولی استعمال کی چیزیں دینا بند کردیں تو اس پر ہارون الرشید سخت ناراض ہوا۔ اور دوسرا نیک دل افسر نگراں مقرر کیا اور کہا کہ "یحییٰ بجائے باپ کے ہے اسکے مجھ پر بہت سے حقوق ہیں۔ لہذا کسی قسم کی تکلیف نہ دیجائے" جب خلیفہ ہارون الرشید سفر رقہ سے بغداد کو واپس گیا۔ اس سال نہایت شدت سے جاڑا پڑا تھا اسلئے حکم دیا کہ "ایک ہزار چھروں پر لکڑی۔ اور تین ۳۰۰ سو پر کوئلہ لدوا کر یحییٰ کے پاس بھیجا جائے۔ اور تین ۳۰۰ سو نفیس کپڑے۔ علاوہ پوستین۔ سمور۔ اور قاقم کے عتابہ ام جعفر کے پاس روانہ کئے جائیں" اور خود اپنے قلم سے ایک رقعہ لکھا۔ جس کا یہ مضمون تھا کہ "آپ بجائے خیزران (مادر ہارون) کے ہیں۔ اور آپ کی لڑکیاں میری بہنیاں ہیں۔ اگر یحییٰ کے پاس رہنا مناسب ہے تو وہاں قیام کیجئے۔ ورنہ بغداد میں تشریف لائیے۔ آپ کے واسطے کوئی روک ٹوک نہیں ہے"

اور دوسرا خط یحییٰ برمکی کی والدہ کے نام حسب ذیل تھا۔

خلیفہ ہارون الرشید کا خط بنام مادر یحییٰ برمکی

مادر من! شرم و خجالت مانع تھی اس سبب سے آج تک میں نے کوئی عریضہ نہیں لکھا تھا۔ اور یہ تو آپ پر ظاہر ہے کہ جعفر نے کیا گناہ کیا تھا۔ اور اس کی خیانت کس درجہ تھی۔ اور ایسے جرم کی خلفا اور بادشاہ کیا سزا دیتے ہیں، چونکہ معاملہ سلطنت کا تھا میں نے بھی وہی کیا جو کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ قصور کی معافی کی گنجائش باقی نہیں تھی میں نے غور و فکر کے بعد جعفر کے قتل کا حکم دیا ہے۔ اور چونکہ جعفر قتل ہوچکا۔ اس لئے آل برمک کو کوئی موقع مجھ سے مصالحت کا باقی نہیں رہا۔ اب حکم الٰہی جاری ہوچکا پشیمانی اور تاسف بیسود ہے۔ میں نے اب تک کوئی چیز نہیں بھیجی

تھی۔ اب جو ضرورت ہو لکھئے۔ فوراً بھیجی جائیگی" چنانچہ یہ دونوں خط مع سامان سرملک کے پہنچے۔ یہ عورتیں بہت خوش ہوئیں۔ اس ضعیفہ نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن فاطمہ[1] ملقب بہ عتابہ نے ہارون الرشید کے ہر دو خط کا جواب اپنے قلم سے لکھا اور روانہ کر دیا۔ جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

حاشیہ[1] فاطمہ دختر محمد بن حسین بن قحطبہ ملقب بہ عتابہ کی نسبت ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ وہ عالمہ اور متکلم تھی خصوصاً نحو شعر اور حساب میں فرد تھی۔ لیکن یہ عورت صرف فاطمہ ہی کو نہیں تھی بلکہ تاریخ سے واضح ہے کہ برامکہ میں جس طرح علے العموم مرد قابل تھے ویسے ہی اس خاندان کی عورتیں بھی جامع صفات تھیں جیسا کہ ذیل کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک دن خلیفہ ہارون الرشید دربار عام میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی اور ہارون کو مخاطب کر کے یہ دعا دی" یا امیر المومنین اقر اللّٰہ عینک وفرحك بما اتاك واتم سعدك لقد حكمت فقسطت" یعنے خدا امیر المومنین کی آنکھ ٹھنڈی کرے اور جو دیا ہے اس سے فرحت بخشے اور سعادت کو پورا کرے۔ بیشک تو نے انصاف سے حکومت کی ہے۔ جب یہ کہہ چکی تو خلیفہ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں خاندان برامکہ سے ہوں جن کے مردوں کو تو نے ہلاک کر دیا ہے۔ جن کی دولت چھین لی ہے اور اُن کی فیاضیاں بند کر دی ہیں یہ سنکر خلیفہ نے کہا کہ مردوں کی بابت تو اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ حکم الٰہی سے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ البتہ مال تجھے واپس ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد حاضرین جلسہ سے پوچھا کہ تم بھی سمجھے کہ اس عورت نے کیا کہا؟ سب نے کہا اس نے امیر المومنین کو دعا دی ہے خلیفہ نے کہا کہ بیشک تم کچھ نہیں سمجھے وہ مجھ کو کوس رہی ہے۔ پہلی بات تو وہ یہ کہتی ہے کہ میں اندھا ہو جاؤں کیونکہ جب آنکھ کو اس کی معمولی حرکت سے سکون ہوتا ہے تو وہ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور اس کا ٹھنڈا ہونا عدم بصارت کی دلیل ہے اور دوسرا فقرہ اس آیت سے ماخوذ ہے حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً (یہاں تک کہ جو نعمتیں اُن کو دی گئیں تھیں جب اُن کو پا کر خوش ہوئے یکایک ہم نے ان کو (عذاب میں) دھر پکڑا) اور تیسرا فقرہ اس شعر سے ماخوذ ہے ؎ اذا تم امر بدا نقصه ۔ ترقب زوالا اذا قیل تم ۔ جب کوئی کام پورا ہو چکتا ہے تو اس میں نقص شروع ہو جاتا ہے۔ اسلئے ہر چیز کے تمام ہونے پر زوال کے امیدوار رہنا چاہئے یعنے اب تیری سلطنت کا خاتمہ قریب ہے۔ اور چوتھا فقرہ اس آیت سے ماخوذ ہے وَاَمَّا الۡقَاسِطُوۡنَ فَكَانُوۡا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (اور جنہوں نے سرتابی کی وہ ٹیڑھے رستے چلے اور آخرکار) دوزخ کے کندے بن گئے) خلیفہ ہارون الرشید کی اس عجیب غریب نکتہ سنجی سے سب دنگ رہ گئے اور وہ عورت چلی گئی۔ المستطرف فی کل فن مستظرف جلد اول صفحہ ۴۰۔ [2] از تاریخ ضیاء الدین برنی صفحہ ۱۳۱

فاطمہ مادر جعفر برمکی کا خط ہرون الرشید کے نام

امیر المومنین کا فرمان۔ خدمتگزار کنیز کے پاس پہنچا بمقتضاے بزرگی جو شفقت آمیز کلمات لکھے ہیں وہ معلوم ہوے۔ لیکن امیر المومنین کی عالی ہمتی پر مجھے سخت تعجب ہے کہ جعفر مرحوم کے سوگ میں میرے دل کے زخم کو تازہ کردیا۔ جعفر کی خیانت اور عدول حکمی جو بیان کی گئی ہے۔ امیر المومنین کو اپنی فیاضی سے سزاوار تھا کہ مجھ تک ان باتوں کا ذکر نہ آتا۔ کیونکہ جو الزام تھے اُس کی سزا دیدی گئی۔ اور اگر ناکردہ گناہ جعفر پر ظلم کیا گیا ہے تو اُس کی بھی امیر المومنین کو خبر ہے مجھ غریب دُکھیا کے دل جلانے سے کیا فائدہ ہے۔ امیر المومنین کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میرا بیٹا جعفر اِ کس رتبے کا شخص تھا۔ ہنر۔ عقل۔ فیاضی۔ اور شجاعت میں کوئی اُس کا مثل نہ تھا۔ افسوس کہ جب ایسا فرزند جوان اور وہ بھی مظلوم مارا جائے تو اُس کی ماں کا کیا حال ہوگا اور وہ کیونکر زندہ رہ سکتی ہے۔ میری زندگی یا سعادت جو کچھ سمجھو اب اس میں ہے کہ میں بھی جعفر سے جا ملوں۔ جو معاملہ اب چھپا ہوا ہے روز محشر میں کیسا چھپا رہے گا امیر المومنین نے اپنی مہربانی ذرہ نوازی اور فیاضی سے یہ حکم دیا ہے کہ جو آرزو ہو لکھو۔ اس دنیا میں میری امید اور آرزو میرا وہی بیٹا تھا جسکو امیر المومنین نے مجھ سے جدا کردیا خداوند تعالےٰ سے بہ تضرع وزاری اب یہی دعا ہے کہ میں بھی جعفر سے جا ملوں وھو المامول للاجابۃ والقادر علیہ اگر امیر المومنین مجھ ضعیفہ کی خدمات سابق پر لحاظ فرمائیں تو صرف ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ جاگیرات منضبطہ میں سے تھوڑی سی اراضی واگذار فرمائی جائے جو میرے یتیم بچوں کی پرورش کے واسطے کافی ہو۔ اور گدائی کی ذلت سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ یہ صدمہ میرے لئے مرنے

کے بعد بھی موت سے زیادہ ہوگا امیرالمومنین کو اچھی طرح سمجھنا چاہیئے کہ مجھ جیسا مصیبت زدہ نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا۔ کیونکہ جیسا خدا نے مجھکو عدیم المثال بیٹا دیا تھا۔ اب ویسی ہی عدیم النظیر مصیبت بھی دی ہے۔ جس نے میرے بیٹے کو ہلاک کیا اُس کے حقوق بھی مجھپر بہت ہیں۔ اسلئے میرے دل سے بددعا نہیں نکلتی ہے۔ اور یہ مروت اور حق شناسی کا نتیجہ ہے کہ بدگوئی سے میری زبان بند ہے اور قیامت میں بھی میری طرف سے کوئی دعوے نہ پیش ہوگا۔

خلیل بن ہشیم کہتا ہے کہ جب ہارون نے یہ خط پڑھا۔ بہت رویا اور کہنے لگا کہ مجھپر خدا کی پھٹکار ہو۔ اور اُس دن پر بھی۔ کہ جس دن میں نے جعفر کو قتل کیا تھا۔ اور **فاطمہ** سے کہلا بھیجا کہ مجکو اور آپ کو خدا جعفر مرحوم کا صبر مرحمت فرمائے۔ جو حال فراق جعفر میں آپ کا ہے وہی میرا ہے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ مسرور کی روایت ہے کہ ہارون الرشید نے اس خط کو مکرر پڑھا۔ میں اپنے دل میں ڈرتا تھا۔ کہ اس حالت بے قراری میں کہیں میرے قتل کا حکم نہ دیدے۔ کیونکہ جعفر کا قاتل تو میں ہی تھا۔ جب کسی قدر تسکین ہوئی تو مجھے حکم دیا۔ کہ خزانے سے زر نقد۔ ظروف اور کل اسباب واپس کر دے۔ اور حکم دیا کہ جعفر کی ماں سے کہو کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ مجھے اپنے حال سے اطلاع دیا کریں۔

زبیدہ بنت منیر مادر فضل کی موت

مادر فضل برمکی نے بحالت قید رقہ میں انتقال کیا۔ یہ ہارون الرشید کی رضاعی ماں تھی۔ جب اس کے انتقال کی خبر سنی تو رشید نے بہت افسوس کیا اور نہر فرات کے کنارے دیر مارسرجیس میں اُس کا مقبرہ

حاشیہ ۵؎ معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۷۰۔

تیار کرادیا۔ یہ عالیشان عمارت سلطان محمود غزنوی کے زمانے تک باقی تھی۔ اور قبہ برکمیہ سے مشہور تھی۔

یحییٰ کی موت

زبیدہ[1] کے انتقال کے بعد اسی قید میں یحییٰ برمکی نے بھی بتاریخ ۲۸ ۔ فروری ۸۰۵ء ۳ ربیع الثانی ۱۹۰ھ یوم شنبہ دنیا سے سفر کیا۔ لیکن اپنی اولاد کو بدستور قید میں چھوڑ گیا۔ ابن خلکان کی روایت ہے کہ انتقال کے وقت یحییٰ کو کسی قسم کا عارضہ نہ تھا۔ لیکن متواتر صدمات اور بڑھاپے کی وجہ سے وہ تحلیل ہو گیا تھا۔ ایک مورخ لکھتا ہے کہ جب یحییٰ کی موت کا وقت قریب آگیا تو اس نے اپنے قلم سے ایک رقعہ لکھا اور فضل کو وصیت کی کہ میرے بعد اس کو خلیفہ ہارون الرشید کے پاس بھیج دینا۔ مضمون اس کا یہ تھا ”قد تقدم الخصم الی موقف الفصل وانت علے الاثر واللہ حکم عدل وستقدم فتعلم“ یعنے مدعی دادخواہی کے واسطے عدالت کے کٹہرہ میں جاتا ہے اور تو بھی پیچھے آنے والا ہے۔ خدا عادل اور منصف ہے۔ وقت پیشی کے وہاں معلوم ہو جائے گا۔ اور نثر کے ساتھ حسب ذیل اشعار لکھے ہیں

ستعلم فے الحساب اذا التقینا	قیامت کے دن حساب کے وقت جب ملاقات ہوگی۔
غدا یوم القیام من الظلوم	تو معلوم ہو جائے گا کہ کون ظالم تھا۔
وینقطع التلذذ عن اناس	دنیا کی لذت منقطع ہو جائے گی۔
من الدنیا وتنقطع الھموم	اور غم کا خاتمہ ہو جائے گا۔
تنام ولم تنم عنک المنایا	تم سو رہے ہو۔ لیکن موت نہیں سوئی۔
تنبہ للمنیۃ یا نؤوم	اے سونے والے موت کے لئے ہوشیار ہو۔

[1] حاشیہ[1] ماخوذ از اعلام الناس۔ عقد الفرید۔ المستطرف۔ ابن خلکان۔ کامل ابن اثیر۔ ضیاء برنی۔

وحق اللہ ان الظلم لوم	خدا کے حق کی قسم ظلم کرنا کمینہ پن ہے۔
وان الظلم مرتعہ وخیم	اور ظلم کی چراگاہ بری ہے۔
الی دیان یوم الدین نمضی	قیامت کے دن بڑے بدلہ دینے والے کے پاس ہم اٹھ جائینگے
وعند اللہ تجتمع الخصوم	اور خدا ہی کے ہاں خصوم کا مجمع ہوگا۔

موسیٰ عباسی کی روایت ہے کہ فضل نے انتقال یحییٰ برمکی کے بعد یہ رقعہ ہارون الرشید کے پاس بھیجدیا۔ مضمون پڑھ کر وہ بہت رویا اور کہنے لگا کہ" خدا کی قسم یحییٰ نے انتقال نہیں کیا۔ بلکہ آج جود و سخا دنیا سے اُٹھ گئی"۔ اور اس نظم کو اکثر اوقات پڑھا کرتا تھا۔

یحییٰ کی رہائی کے واسطے فاطمہ ام جعفر کی کوششیں

اخیر زمانے میں یحییٰ برمکی پر قید میں وہ سختی نہیں تھی جو عموماً قیدیوں پر ہوتی ہے اور بمقام رقہ وہ بالکل آزاد تھا لیکن فاطمہ کو جو یحییٰ کی غمگسار بی بی تھی اُس کا اس حالت میں بھی رہنا منظور نہ تھا۔ اس لئے یحییٰ کے انتقال سے پہلے اس نے یہ کوشش کی تھی کہ عفو قصور ہو کر قید سے رہائی مل جائے۔ لیکن ہارون الرشید کی سنگدل طبیعت اس معاملے میں بالکل نہ پسیجی۔ اور اس نے یحییٰ کا بغداد میں آنا اور رہنا نامنظور کیا۔

سہل بن ہارون کی روایت[1] ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے فاطمہ کا دودھ پیا تھا۔ اور اپنی اُس رضاعی ماں کی وہ بہت عزت کرتا تھا۔ اسی زمانے میں جبکہ خاندان برامکہ معرض زوال میں تھا ہارون نے قسم کھا کر کہا تھا کہ فاطمہ کے واسطے کسی قسم کی روک ٹوک نہیں ہے وہ

حاشیہ [1] عقد الفرید صفحہ ۲۰ جلد ۳ و کتاب الامامۃ والسیاست صفحہ ۲۲۵۔

جب چاہیں میرے پاس آسکتی ہیں اور جو سفارش کریں وہ منظور ہوسکتی ہے"۔ چنانچہ ہارون الرشید کی اجازت سے جب فاطمہ۔ رقہ سے بغداد میں واپس آئی تو دار بانو قہ سے محل شاہی میں آنے کی اجازت چاہی۔ مگر جب اجازت کے ملنے میں دیر ہوئی تو گھبراہٹ میں بلا اجازت فاطمہ گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ اور ننگے پاؤں بانقاب محل شاہی تک آ پہنچی۔ عبدالملک بن فضل حاجب نے اطلاع کی کہ "امیر المومنین کی دایہ دروازے پر حاضر ہے"۔ اس وقت ہارون نے گھبرا کر جلدی سے آنے کی اجازت دی اور برہنہ پا چل کر چند قدم کے فاصلے پر خود استقبال کیا۔ اور پیشانی کا بوسہ لے کر اپنے قریب بٹھایا اور ہارون الرشید سے کہا کہ "امیرالمومنین! کیا زمانہ ہم پر اسی طرح سختی کئے جائے گا اور آپ کے خوف سے ہم کو لوگ یونہیں ستائے جائینگے اور ایسی ہی جھوٹی تہمتیں لگائے جائینگے۔ میں نے اسی واسطے آپ کو دودھ پلایا تھا اور خدمت کی تھی کہ زمانہ۔ اور دشمنوں کے ہاتھ سے امان ملیگی"۔ فاطمہ کا یہ سوال سنکر ہارون نے بطور تجاہل کے پوچھا کہ مادر مہربان کیا ہوا اور کس بات کی شکایت ہے؟ فاطمہ نے جواب دیا کہ "بعد مہدی عباسی کے یحییٰ کا درجہ ہے اور وہ بجائے آپ کے والد کے ہے اور جس رتبے کا وہ شخص ہے اس سے آپ خود واقف ہیں کہ اس نے کیسی کیسی مہربانیاں کی ہیں۔ اور خاصکر ہادی کے مقابلے میں جو کوشش کی ہے وہ تو ظاہر ہے"۔ ہارون الرشید نے کہا کہ "ہاں لیکن جو حکم الٰہی تھا وہ جاری ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی ایک خدا کا غضب تھا"۔ فاطمہ نے کہا کہ "خدا کو بڑی قدرت ہے۔ یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ اُمّ الکتاب"۔ ہارون نے کہا بیشک یہ سچ ہے کہ خدا جس کا چاہتا ہے قصور معاف کر دیتا

ہے۔ لیکن یہ قصور ایسا نہیں ہے جس کو خدا معاف کردے۔ فاطمہ نے کہا کہ "معاملات غیب کی تو انبیائے مرسلین کو بھی خبر نہ تھی۔ امیر المومنین کو کیسے معلوم ہو گیا کہ خدا معاف نہیں کریگا؟" سہل بن ہارون کہتا ہے کہ یہ چبھتا ہوا فقرہ سنکر ہارون چپ رہ گیا۔ پھر کسی شاعر کا یہ شعر پڑھا۔

واذا المنیة انشبت اظفارها	جب موت اپنے ناخن چبھوتی ہے۔
الفیت کل تمیمة لا تنفع	تو کوئی تعویذ فائدہ نہیں دیتا۔

لیکن فاطمہ نے بھی فی البدیہہ جواب دیا کہ "امیر المومنین میں تو یحییٰ کے حق میں تعویذ نہیں ہوں اور نہ میرا یہ دعوے ہے لیکن آپ اسی شاعر کا یہ دوسرا شعر بھی پڑھے۔

واذا افتقرت الی الذخائر لم تجد	جب تم کو سرمائے کی ضرورت پیش آئے۔
ذخرا یکون کصالح الاعمال	تو کوئی سرمایہ اچھے اعمال سے بڑھ کر نہیں ملے گا

اور خداوند تعالیٰ نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ؂ فاطمہ کی یہ برجستہ تقریر سنکر ہارون الرشید نے سر جھکا لیا۔ پھر دیر تک جانبین سے اسی قسم کی عالمانہ گفتگو ہوتی رہی۔ اور فاطمہ نے گذشتہ اقوال و معاہدے ہارون کو یاد دلائے لیکن ہارون پر کسی قسم کا اثر نہیں ہوا۔ تب مجبور ہو کر فاطمہ نے ایک ڈبہ زمرد سبز کا پیش کیا۔ جس میں سونے کا قفل لگا ہوا تھا۔ ہارون نے اس کو کھولا تو اسی کے بال اور بچپن کے ٹوٹے ہوے دانت نکلے جو مشک میں ڈوبے ہوے تھے۔ تب فاطمہ نے کہا کہ "میں ان چیزوں کو اپنا شفیع بناتی ہوں اپنے ہاتھ پیروں کے صدقے میں رحم

فرما کر یحییٰ کو چھوڑ دیجئے۔ لیکن ہارون نے کچھ لحاظ نہیں کیا۔ البتہ ان چیزوں کو دیکھ کر رونے لگا اور اس کے درباری بھی اس غم میں شریک ہوئے لیکن جب آنسو تھمے تو پھر ڈبہ بند کر دیا اور فاطمہ سے کہا کہ "حقیقت یہ ہے کہ آپ نے خوب ہی امانت کا حق ادا کیا ہے" فاطمہ نے جواب دیا تو میں اس صورت میں معاوضے کی مستحق ہوں" لیکن ہارون الرشید نے کوئی جواب نہیں دیا اور ڈبہ کو بند کر کے واپس کر دیا۔ اور کہا کہ "خدا کا حکم یہی ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کیجائیں" اس کے بعد ابن الرشید کے ذریعہ سے زبیدہ خاتون کو یحییٰ کی سفارش کے لئے آمادہ کیا۔ اور زبیدہ نے سفارش بھی کی لیکن ہارون نے یہ کہکر ٹال دیا کہ "یہ جرائم قابل معافی نہیں ہیں"

محمد برمکی کی موت

یحییٰ کے انتقال کے بعد فضل اور موسیٰ اس خاندان میں باقی رہ گئے تھے۔ محمد برمکی بھی مہینہ صفر ۱۹۳ھ ہجری میں انتقال کر چکا تھا۔ محمد کے انتقال میں دو روایت ہیں بعض مؤرخین کا قول ہے کہ اگرچہ محمد کو کوئی ہمدردی اپنے خاندان سے نہ تھی تاہم بھائی کا قتل اور بھتیجوں کی گرفتاری کا اسکے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اسی غم میں مر گیا۔ اور بعض کا قول ہے کہ یحییٰ برمکی کے طرفداروں نے جبکہ وہ اپنی دار الحکومت سواد کو واپس جا رہا تھا زہر دے دیا۔ ہارون الرشید کو محمد کے انتقال کا بہت افسوس ہوا نماز جنازے کی خود ہی پڑھائی اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوا۔ اور رعایا کی تالیف قلوب کے واسطے حکومت سواد پر اس کے بیٹے کو مقرر کر دیا۔ براکمہ میں محمد برمکی

حاشیہ[۱] تاریخ ضیاء الدین برنی۔

سب سے زیادہ دولتمند تھا۔ حتیٰ کہ لوگ اُس کو قارون ثانی کہتے تھے۔ چنانچہ ایک شاعر اس کے مرثیے میں لکھتا ہے۔[۱]

سالت الندی والجود مالی اراکما	میں نے جود و کرم سے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے میں تمکو دیکھتا ہوں
تبدلتما عزاً بذل مؤبد	کہ تم نے اپنی عزت ہمیشہ کی ذلت سے بدلدی ہے۔
وما بال رکن المجد امسی مهد ما	اور یہ کیا بات ہے کہ آج عزت کا ستون گرا ہوا ہے۔
فقالا اصبنا بابن یحیی محمد	دونوں نے جواب دیا کہ ہمپر محمد برمکی کے مرنے کی مصیبت پڑی ہے
فقلت فهلا متما بعد موته	اس پر میں نے کہا کہ تم بھی اس کے مرنے کے بعد کیوں نہ مر گئے
وقد کنتما عبدیه فی کل مشهد	اور تم تو ہر موقع پر اس کے ندیم رہتے تھے۔
فقالا اقمنا کی نعزی بفقده	دونوں نے جواب دیا کہ ہم اسلئے ٹھیر گئے کہ اسکے مرنے کا ہمکو پرسا دیا جائے
مسافة یوم ثم نتلوه فی غد	پھر کل ہم بھی اُس سے جا ملیں گے۔

حاشیہ[۱] اعلام الناس صفحہ ۱۹۶ و مستطرف جلد اول صفحہ ۱۴۸۔ اعلام الناس نے تغییر یہی اشعار ابن الرشید کے مرثیہ میں بھی موجود ہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد برمکی اگرچہ تمام خاندان میں سب سے زیادہ مالدار تھا مگر کوئی واقعہ اُسکی فیاضی کا ہمکو تاریخوں میں نہیں ملا البتہ اُسکے بخل کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔ چنانچہ سید نعمت اللہ اپنی کتاب زہر الربیع میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک بدو نے لوگوں سے کہا کہ تو لباس کیوا سطے محمد برمکی کے پاس کیوں نہیں جاتا ہے اُس نے کہا خدا کی قسم اگر اُسکا گھر سوئیوں سے بھرا ہوا ہو اور حضرت یعقوب علیہ السلام مع تمام پیغمبروں کے شفیع ہوں اور کل ملائکہ کی ضمانت دلائیں اور ایک سوئی مستعار مانگیں کہ جسمیں قمیص حضرت یوسف کے واپس کردینگا۔ تب بھی وہ نہ دیوے اور اسی مضمون کو اعرابی نے نظم میں اسطرح پر ادا کیا ہے۔

لوان دارك انبتت لك واحتشت	اگر تیرے گھر میں سوئی کی کھیتی اُگے اور
ابرا یضیق بها فناء المنزل	وہ کثرت ہو کہ صحن مکان میں کہیں رکھنے کی گنجائش نہ رہے۔
واتاك یوسف یستعیرك ابرة	اور حضرت یوسف اپنے قمیص سینے کے لئے
لیخیط قد قمیصه لم تفعل	سوئی لینے آویں تو تو کبھی نہ دیگا۔

جلد اول صفحہ ۱۰۰ زہر الربیع مطبوعہ بمبئی۔

یحییٰ اور محمد برمکی کے انتقال کے بعد فضل کی حالت بھی نہایت خراب تھی کیونکہ وہ عارضہ ثقل بالکسان میں مبتلا ہو رہا تھا۔ اور خلیفہ ہارون الرشید بھی اندرونی صدمات کے علاوہ جو اس کے دل پر تھے۔ ملک کی ظاہری بد امنی سے نہایت پریشان تھا۔ علی بن عیسےٰ والی خراسان کا زور شور ہنوز قائم تھا۔ اسلئے ۱۹۱ھ میں تنگ ہو کر اس کو معزول کر دیا اور اس وقت جعفر کا قول یاد آیا جو اس نے ایک موقع پر کہا تھا کہ "بجاے ایک ایک درہم کے جو خزانہ میں اس وقت آیا ہے خلیفہ کے سو سو دینار خرچ ہونگے اور تب بھی تکلیفیں دور نہونگی"۔ اور بجاے علی کے ہرثمہ بن اعین کو خراسان کی حکومت سپرد کر دی اور ضبطی خزانہ کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ ہرثمہ نے اسی لاکھ کی رقم منضبط اکہزار پانچ سو اونٹوں پر لاو کر دار الخلافہ میں روانہ کر دی۔ اور اسکے بعد نہایت ذلت سے ایک اونٹ پر سوار کر کے علی بن عیسےٰ کو بھی روانہ کیا۔ حسن بن عبد اللہ کاتب کا بیان ہے کہ جب بعض اضلاع خراسان کی برہمی کے حالات ہارون الرشید نے سنے تو ۱۹۲ھ میں پھر سفر کیا۔ اور بغداد میں امین الرشید کو اپنا جانشین بنایا۔ اور انتظام رقہ۔ قاسم کے سپرد کر کے خراسان کو روانہ ہو گیا۔ چونکہ جرجان میں بیمار ہو گیا تھا اس لئے خراسان میں ایک مہینے تک قیام کیا۔ جب کسی قدر افاقہ ہو گیا تو طوس کو روانہ ہوا۔ یہاں پہنچکر عوارض شکم میں مبتلا ہو گیا۔ اور بیماری نے اس قدر طول کھینچا کہ اپنی زیست سے ناامید ہو گیا اور فضل کی علالت کی گرم خبروں نے ہارون کو اور بھی بیتاب کر دیا تھا۔ اسلئے فضل بن ربیع وزیر اعظم کو حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو رقہ سے فضل

حاشیہ ۱۔ واقعات ۱۹۱ھ و ۱۹۲ھ و ۱۹۳ھ کامل ابن اثیر صفحہ ۶، ۷، ۱۰، ۱۱

طلب کیا جائے۔ لیکن ربیع نے فضل کی طلبی میں بہت توقف کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اگر فضل برمکی ہارون الرشید تک پہنچ گیا تو مجھے معزول کر کے فضل کو پھر وزیر مقرر کر دیگا۔ چنانچہ ہارون نے جب پوچھا کہ اب فضل کا کیا حال ہے تو یہی جواب دیا کہ وہ سخت بیمار ہے معلوم نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا مر گیا ہے۔ چنانچہ اسی عارضے میں فضل برمکی نے بروز جمعہ وقت

فضل کی موت

وقت صبح ماہ اکتوبر ۸۰۸ء ماہ محرم ۱۹۳ہجری ایس بمقام رقہ[۱] انتقال کیا۔ عزیزوں نے مکان کے اندر جنازے کی نماز پڑھائی۔ پھر دوسری مرتبہ مجمع عام میں جماعت سے نماز پڑھی گئی۔ ناصر بن خلیل کہتا ہے کہ فضل اپنی بیماری میں بار بار ہارون الرشید کے مرنے کی خبر پوچھا کرتا تھا۔ ایک بار میں نے سوال کیا کہ آپ بار بار کیوں ہارون کی موت کو دریافت کرتے ہیں۔ تو جواب دیا کہ میری اور ہارون کی ولادت ایک ہی وقت اور ایک ہی ساعت کی ہے۔ اجرام فلکی کا اثر جو باعتبار علم نجوم کے ہے وہ ہم دونوں پر یکساں ہے۔ یعنے اگر وہ مر چکا ہے تو میری موت بھی قریب ہے۔ فضل کی موت کا تمام ملک کو افسوس ہوا لیکن فضل بن ربیع کو سب سے زیادہ خوشی ہوئی کیونکہ فضل برمکی اس کا دشمن تھا اور اس موقع پر جو خوف وزارت کے نکل جانے کا اس کے دل میں تھا۔ اس سے فی الجملہ تسکین ہو گئی۔ شعرائے فضل کے انتقال پر جانگداز مرثیے لکھے ہیں۔ چنانچہ رقاشی کے دو تین شعروں پر ہم بھی اکتفا کرتے ہیں۔ اور فضل سے رخصت ہوتے ہیں۔

الآن استرحنا واستراحت رکابنا		ہم اور ہماری سواریاں آرام سے ہمیشہ گیئں۔

حاشیہ ۱؎ ابن خلکان صفحہ ۴۲۰ جلد ۲- و کامل اثیر صفحہ ۸۰ ج ۶ و تاریخ برنی صفحہ ۱۰۰

اشعار	ترجمہ
واهسك من يجدی ومن كان يجتدی	اور دینے والا اور مانگنے والا۔ دونوں رک گئے۔
فقل للمطايا قد امنت من السری	اونٹنیوں سے کہدو کہ اب راتوں کے سفر۔
وطی الفيافی فدفدا بعد فدفد	اور صحرا و ٹیکرے طے کرنے سے تم سبکدوش ہو گئیں۔
فقل للمطايا بعد فضل تعطلی	فضل کے بعد سخاوت سے کہدو کہ بیکار ہو جا۔
وقل للرزايا كل يوم تجددی	اور مصیبت سے کہدو کہ ہر روز نئی ہوتی جائے۔
الا ان سيفا برمكيا مهندا	ہاں برمکی ہندی تلوار کو۔
اصيب للسيف هاشمی مهند	ہاشمی ہندی تلوار نے ضرر پہنچایا۔

ہارون الرشید کا انتقال

فضل کے انتقال کے بعد ۳۔ جمادی الآخری ۱۹۳ھ مطابق ۲۴ مارچ ۸۰۹ء عیسوی رشب شنبہ میں بمقام طوس ہارون الرشید نے بھی انتقال کیا اور اسی مقام پر دفن ہوا۔

امیر المومنین مامون الرشید کی خلافت۔ فضل بن سہل کی وزارت۔ آل برمک کا قید سے رہائی پانا۔ اور ملکی عہدوں پر مقرر ہونا۔

خلیفہ ہارون الرشید کے انتقال پر بغداد میں امین الرشید اور مرو میں مامون الرشید تخت خلافت پر بیٹھے۔ یہ دونوں شہزادے مع اپنی اپنی اعیان و انصار کے مستقل خلافت کی فکر میں تھے لیکن بقول ایک فلسفی کے کہ "ایک جنگل میں دو شیر۔ اور ایک ملک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے ہیں"۔ خیر خواہوں کو یہ فکر ہوئی کہ صرف ایک ہی خلیفہ بلا شرکت غیرے کل سلطنت پر

حکمرانی کرے۔ اسلئے فضل بن الربیع نے جو تمام دربار کا مالک تھا امین الرشید کا ساتھ دیا۔ اور جس کی پرزور کوششوں کا یہ نتیجہ بھی ہوا کہ دار الخلافہ بغداد میں فوج شاہی اور خزانہ عامرہ پر امین کا قبضہ ہوگیا۔ لیکن فضل بن سہل نے بھی حق رفاقت ادا کیا اور اس ناداری میں مامون کے ساتھ رہا۔ چنانچہ اس وزیر کی دانائی اور طاہر ذوالیمینین (دو ہاتھوں والا) کی بہادری سے تین برس کی خونریز لڑائیوں کے بعد بتاریخ ۲۵ محرم ۱۹۸ھ یوم پنجشنبہ مطابق ستمبر ۸۱۳ء مامون الرشید مستقل خلیفہ ہوگیا۔ اور فضل بن سہل جس کو مامون الرشید نے ذوالریاستین کا لقب دیا تھا۔ وزارت اعظم کے درجے پر ممتاز ہوا۔ جب اس وزیر کو جو بہ لحاظ اقتدار حقیقت میں خلافت کرتا تھا۔ ان خانہ جنگیوں سے فرصت ہوئی اور ملک میں امن وامان کی عام منادی ہوگئی۔ تب اپنے قدیم سرپرست اور محسن خاندان کا خیال آیا یعنے آل برمک کو قید سے رہا کرانا چاہا۔ چنانچہ خلیفہ مامون الرشید سے تمام موجودہ قیدیوں کا قصور معاف کراکر قید سے رہا کرادیا۔ اور مامون الرشید نے بھی اپنی فیاضی سے

حاشیہ ۱؎ فضل بن سہل اور حسن بن سہل دونوں حقیقی بھائی تھے اصلاً و مذہباً مجوسی تھے۔ ۱۹۰ھ میں مامون الرشید کے ہاتھ پر فضل اسلام لایا تھا۔ جعفر برمکی نے ہارون الرشید کی خدمت میں اس تقریب سے اسکو پیش کیا تھا کہ شہزادہ مامون کی مصاحبت کے لائق ہے۔ لیکن جب ہارون نے امتحاناً دربار میں طلب کیا تو شاہانہ عظمت وجلال کا ایسا اثر ہوا کہ فضل حیرت زدہ رہ گیا۔ اور آداب سلام کے معمولی الفاظ بھی ادا نہ کرسکا۔ ہارون نے متعجبانہ جعفر کی طرف دیکھا۔ فضل نے بڑھ کر عرض کی کہ امیر المومنین! غلام کی سعادت کی یہ بڑی دلیل ہے کہ آقا کی ہیبت سے متاثر ہوا۔ ہارون پھڑک اٹھا اور جعفر کے انتخاب کی تعریف کی۔ ابتدا میں مامون کا ندیم خاص رہا۔ اور اب وزیر اعظم تھا نہایت فیاض۔ مدبر۔ فرزانہ۔ علم دوست تھا۔ المامون صفحہ ۲۵۹۔ اور کامل اثیر کی روایت ہے کہ فضل کا باپ سہل خلیفہ مہدی کے ہاتھ پر مسلمان ہوا۔ اور بعض کا قول ہے کہ فضل وحسن دونوں یحییٰ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ بہرحال اس خاندان کی رسائی دربار خلافت میں برامکہ کے طفیل میں ہوئی تھی دیکھو کامل صفحہ ۹ جلد ۶۔

سب کو گرانمایہ خلعت اور انعامات سے مالامال کردیا۔ اور جو جاگیریں اس وقت تک ضبطی میں تھیں وہ سب بحق برامکہ واگذار کردی گئیں۔ اور جو نوجوان لڑکے اس خاندان میں باقی رہ گئے تھے ان کو خلیفہ کے روبرو پیش کرکے حسب استعداد ملکی عہدوں پر مقرر کرادیا۔ چنانچہ مقام مرو سے جو خط فضل بن سہل نے اپنے مخدوم زادوں کے نام لکھا تھا وہ حسب ذیل ہے جس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں آل برمک پر اس وزیر نے بہت بڑا احسان کیا۔ اور یحییٰ و جعفر کے حقوق نعمت سے سبکدوش ہوا[1]۔

فضل بن سہل کا خط بنام عباس بن فضل و موسیٰ ابن یحییٰ برمکی

"آپ کو معلوم ہے کہ میری تعلیم و تربیت میں آپ کے آبا و اجداد نے کس قدر کوشش کی تھی خصوصاً یحییٰ برمکی کی شفقتیں اور احسانات مجھ پر بہت ہیں۔ میری تعلیم و تربیت میں جیسی محنت یحییٰ نے کی تھی میں کہہ سکتا ہوں کہ اپنے بیٹوں کی پرورش۔ تہذیب۔ اور تادیب میں بھی اسقدر سختیاں یحییٰ کو نہ اٹھانا پڑی ہونگی۔ علاوہ بریں فضل و جعفر کے حقوق نعمت ہیں۔ میں ان تمام حقوق کو فرو گذاشت نہیں کرسکتا ہوں۔ میں جو کچھ آپ کے حق میں کوشش کروں وہ کم ہے۔ امیرالمومنین مامون الرشید کا اقتدار بڑھتا جاتا ہے۔ تمام خراسان پر قبضہ ہوچکا

حاشیہ[1] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن جعفر برمکی۔ ابن الرشید کا رضیع تھا۔ اور مامون الرشید بھی یحییٰ سے بہت خوش تھا۔ اس کی سفارش سے تمام ضبط جاگیریں بحال کردی گئی تھیں۔

[1] تاریخ ضیاءالدین برنی صفحہ ۱۹۶۔

ہے اور ہر شہر میں حکام مقرر ہوتے جاتے ہیں۔ اب عراق کا قصد ہے۔ انشاء اللہ عنقریب تمام سلطنت عباسیہ کا مامون الرشید مالک ہونے والا ہے۔ اور مستقل خلافت مامون کے حق میں ہوگی میں آپ کو مژدہ سناتا ہوں کہ تمام جاگیرات کے بحالی کا فرمان امیر المومنین سے حاصل کر لیا ہے۔ اب جس قدر جلد ممکن ہو دربار میں حاضر ہو۔ اور میں بھی خدا سے مدد کا امید وار ہوں کہ آپ کے حق سے جلد ادا ہوں"۔

عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ خلیفہ مامون الرشید کے حضور میں سات آٹھ نوجوان فضل نے پیش کئے تھے۔ چنانچہ ان میں سے عبداللہ بن یحییٰ کو سب سے زیادہ پسند کیا اور اپنے خاص ندیموں میں مقرر کیا۔ موسیٰ[1] ابن یحییٰ کو مدینہ اور عباس بن فضل کو خراسان کی حکومت مرحمت فرمائی۔

مامون الرشید کے اس انتظام سے رعایائے خراسان نہایت خوش ہوئی اور جو بغاوتیں اور بدامنیاں پھیلی ہوئی تھیں وہ سب دور ہو گئیں۔ اور جو خاندان جلاوطن ہو گئے تھے وہ سب ملک میں واپس آ گئے۔ چنانچہ موسیٰ اور عبداللہ نے اپنے اپنے مقام حکومت پر انتقال کیا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے جیسی آل برمک پر سختی کی تھی۔ مامون الرشید نے اس سے بڑھ کر ان کے حال پر مہربانی فرمائی۔ لیکن موجودہ خاندان میں کوئی شخص جعفر یا فضل کے مثل باقی نہیں رہا تھا اس وجہ سے عہد مامون میں اس خاندان کو وہ شہرت حاصل نہیں

حاشیہ [1] موسیٰ اور عباس کے تقرری کے حالات کامل ابن اثیر وغیرہ تاریخوں میں نہیں ہیں کیا عجب ہے کہ یہ چند روزہ انتظام ہو البتہ علامہ بلاذری نے لکھا ہے۔ کہ موسیٰ منصورہ (سندھ) کا گورنر تھا۔ دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۴۴۵۔

ہوئی جو ہونا چاہئے تھی۔ جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ عبرت کا نمونہ تھے۔ جو اُن کے دشمن تھے وہ خوش تھے۔ اور جو دوست تھے وہ اُن کے افسانے سُنکر اور مرثیے پڑھ کر غم کے آنسو بہاتے تھے خصوصاً جعفر برمکی جو حسن و جمال اور فضل و کمال میں اپنا آپ نظیر تھا وہ بہت یاد آتا تھا اور انصاف یہ ہے کہ آل برمک میں جعفر اس شعر کا مصداق تھا" حالی۔

قیس سا پھر کوئی اُٹھا نہ بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

ملک کی نوحہ خوانی برامکہ کی تباہی اور فیاضی پر

جعفر کے قتل اور برامکہ کی تباہی کو اگرچہ عہد مامون الرشید تک گیارہ یا بارہ برس کا زمانہ ہو چکا تھا مگر جو لوگ برامکہ کے دلدادہ اور اُن کی فیاضیوں سے امیر الامرا بنگئے تھے اُنکے دلوں میں ہنوز یہ واقعات تازہ تھے اور جس طرح وہ عہد ہارون میں بلا خوف و خطر برامکہ کے قصص و حکایات بیان کیا کرتے تھے۔ اسی طرح پر آج بھی وہ اُن کے حال پر آنسو بہاتے تھے چنانچہ مسرور کی

منذر بن المغیرہ دمشقی دربار مامون الرشید میں[1]

روایت ہے کہ ایک روز بوقت شب مجکو خلیفہ مامون الرشید نے طلب کیا۔ اور کہا کہ "چند آدمیوں نے مجھ سے اطلاع کی ہے کہ ایک بڑھا شخص ہر روز آدھی رات یا پچھلے پہر کو برامکہ کے

حاشیہ[1] ماخوذ از مستطرف جلد اول صفحہ ۱۸۱۔ کتاب فرج بعد الشدۃ صفحہ ۲۹۰۔ اعلام الناس صفحہ ۱۸۱۔ وکتاب المحاسن والمساوی بیہقی صفحہ ۲۰۰۔ جلد اول۔

مسمار شدہ مکانات میں آکر رویا کرتا ہے اور انکے مرثیے پڑھ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ لہذا تو اسی وقت علی بن محمد اور دینار بن عبداللہ کو اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہو۔ جب وہ بوڑھا اپنے کاموں سے فارغ ہو تو بلاتامل میرے سامنے پیش کرؤ" چنانچہ ہم لوگ اس مقام پر پہنچے اور دیواروں کی آڑ میں چھپ کر بیٹھے۔ صبح ہوتے ہوئے ایک حبشی غلام آیا۔ اور ایک آہنی کرسی بچھا کر چلا گیا۔ چند منٹ کے بعد ایک بوڑھا آیا اور اس کرسی پر بیٹھ گیا۔ اول اس نے برامکہ کی مدح وثنا میں بہت سے اشعار پڑھے پھر نوحہ وزاری شروع کی جب رو چکا تو اٹھ کھڑا ہوا لیکن ہم لوگوں نے اس کو فوراً گرفتار کر لیا۔ تب اس نے گھبرا کر پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا کہ امیرالمومنین کا خادم ہوں۔ چلیے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ یہ سنتے ہی اسکے ہوش اڑ گئے۔ اور کہا کہ بس اب پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا ہے۔ مجھے اس قدر مہلت دو کہ وصیت کر لوں میں نے کہا کہ کوئی تردد کی بات نہیں ہے۔ اطمینان سے چلئے۔ چنانچہ ایک دوکان کھلوا کر لکھنے کا سامان منگایا۔ اور وصیت نامہ لکھ کر غلام کو دے دیا۔ اور ہمارے ساتھ ہو لیا۔ جس وقت مامون الرشید کا سامنا ہوا۔ تو اس نے بوڑھے سے پوچھا کہ "تو کون ہے۔ اور برامکہ کا تجھ پر کیا حق ہے کہ ان پر رویا کرتا ہے۔ جو سچی بات ہو عرض کر؟" اس نے کہا کہ میں امیرالمومنین سے برامکہ کے احسانات اور فیاضیاں کیا عرض کروں۔ ان کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔ تاہم اگر آپ اجازت دیں تو میں صرف اپنا ایک ابتدائی واقعہ عرض کروں۔ خلیفہ نے کہا ہاں اجازت ہے کہو۔ تب اس نے کہا کہ امیرالمومنین! میرا نام منذر ہے۔ مغیرہ دمشقی کا بیٹا ہوں۔ میرا خاندان حسب ونسب میں ممتاز تھا۔ اور میں نے عیش وآرام کی گود میں پرورش پائی تھی۔ لیکن زمانہ کی

عادت کے موافق میرے خاندان پر بھی تباہی آگئی۔ اور راحت و ثروت دونوں نے ساتھ چھوڑ دیا نوبت بہ اینجا رسید کہ مردوں کی پگڑیاں اور عورتوں کی چادریں بک گئیں تب مجھے لوگوں نے صلاح دی کہ برامکہ کی خدمت میں جاؤ۔ چنانچہ ملک شام سے میں بغداد میں آیا۔ میرے ساتھ مرد و عورت ملاکر سب تیئیس ۲۳ آدمی تھے ۔

جب میں مدینۃ السلام بغداد میں پہنچا ہوں اُس وقت اتنا بھی سہارا نہ تھا کہ کچھ بیچ کر یا رہن کرکے کھانے پینے کی فکر کروں اس لئے ایک مسجد میں ٹھیر گیا۔ اور ایک جوڑہ کپڑا جو میرے ساتھ تھا اُس کو پہنکر باہر نکلا۔ اور اہل و عیال کو اُسی حالت میں چھوڑ دیا۔ چنانچہ برامکہ کا پتہ پوچھتے پوچھتے ایک مسجد کے دروازے پر جا پہنچا۔ یہ نہایت عالیشان مسجد تھی۔ دروازے پر خوب صورت نقش و نگار تھے۔ اور صحن میں نفیس پُر تکلف فرش بچھے ہوئے تھے۔ دروازے پر خادم کھڑے ہوئے تھے اور اندر دیرینہ سال بزرگوں کا مجمع تھا۔ چنانچہ میں بھی اُن میں جاکر بیٹھ گیا۔ پھر یہ ارادہ کیا کہ اُن لوگوں سے اپنا حال کہوں لیکن سوال کی ذلت سے مجھے پسینہ آگیا اور خاموش بیٹھا رہا اتنے میں ایک خادم آیا۔ اور سب سے کہا کہ دوسرے مکان میں تشریف لے چلئے چنانچہ سب کے ساتھ میں بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایک رفیع الشان محل کے دروازے پر پہنچا۔ یہ بڑی لمبی چوڑی عمارت تھی۔ صحن سے ملا ہوا پائین باغ تھا اُس میں ایک زرنگار تخت پر یحییٰ بن خالد برمکی بیٹھا تھا۔ اور داہنے بائیں دس نوجوان سبزہ آغاز بیٹھے ہوئے تھے۔ اور تخت کے چاروں طرف ہاتھی دانت کی مرصع چوکیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ہم لوگ اُس پر جاکر بیٹھ گئے۔ پھر ایک خادم نے حاضرین مجلس کو شمار کیا تو سب ایک سو ایک آدمی تھے۔ پھر بقدر تعداد مذکورہ خادم آئے جن کی کمریں

زرین پٹکے بندھے تھے۔ اور ہر ایک کے ہاتھ میں نقرئی انگیٹھی تھی۔ جس میں عود اور لوبان سلگ رہا تھا۔ چنانچہ سب مہمانوں کے کپڑے بخورات سے بسائے گئے۔ اُس کے بعد ایک نوجوان نہایت خوبرو۔ موزوں اندام۔ سبزہ آغاز آیا۔ اور یحییٰ کے قریب آن کر بیٹھ گیا۔ اس وقت قاضی سے یحییٰ نے کہا کہ آپ میرے بھتیجے کا عقد میری بیٹی عائشہ سے کر دیجئے۔ چنانچہ قاضی نے خطبہ پڑھا اور نکاح ہو گیا۔ چاروں طرف سے مبارکباد کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اور یحییٰ نے جوش مسرت سے مشک و عنبر کی گولیاں لوگوں پر پھینکیں۔ امیر المومنین! خدا کی قسم میں نے تو اس لوٹ میں اپنی آستین بھر لی۔ جب چھڑا در ہو چکی تو پھر ایک سو ایک خادم آئے۔ ان سب کے ہاتھ میں ایک ایک نقرہ طبق تھا۔ اور ہر طبق میں ایک ہزار دینار تھے۔ چنانچہ سب کے سامنے ایک ایک رکھ دیا۔ ان لوگوں نے دینار اپنی آستینوں میں رکھ لئے اور طبق بغل میں دبا لیا اور رخصت ہو گئے۔ اب میں اکیلا رہ گیا۔ چونکہ مال زیادہ تھا اس وجہ سے میری جرأت نہ ہوتی تھی کہ میں بھی بے دیکھے چلتا ہو جاؤں اور نہ مفلسی کی وجہ سے یہ ہو سکتا تھا۔ کہ یہ رقم چھوڑ کر خالی ہاتھ چلا جاؤں۔ جب مجھے اس ششش و پنج میں ایک خادم نے دیکھا تو اشارہ کیا کہ دونو چیزیں لے کر چلا جا۔ چنانچہ میں اٹھا کر چلا لیکن مجھے یقین نہ آتا تھا کہ میں گھر تک اس کو لے جاؤں گا بلکہ میرا خیال تھا۔ کہ یہ نوکر مجھ سے چھین لیں گے اسلئے پھر پھر کر پیچھے دیکھتا جاتا تھا۔ میری ان حرکتوں کو خود یحییٰ نے دیکھا تھا اس لئے جب پہلے دروازے کے قریب پہنچا اور میں نے چاہا کہ پردہ ہٹا کر باہر نکل جاؤں کہ اتنے میں ایک خادم نے مجھے روکا۔ اور یحییٰ کے پاس لے گیا۔ تب مجھے یقین آگیا کہ ضرور یہ دینار چھین لئے جائیں گے۔ لیکن یحییٰ نے مجھے اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور

مفصل حالات پوچھے۔ میں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ اور جس وقت میں نے کہا کہ میرے اہل وعیال بھوکے پیاسے فلاں مسجد میں بیٹھے ہیں۔ اس وقت اپنے بیٹے موسیٰ کو بلایا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص عالی خاندان ہے۔ اور کسی زمانے میں صاحب ثروت تھا۔ اب حوادث ایام سے پریشان ہے۔ اس کو اپنے گھر لے جاؤ اور مہمانداری کرو۔ چنانچہ ایک شبانہ روز میں موسیٰ کا مہمان رہا۔ بڑی تکلف کی دعوتیں کھائیں۔ لیکن اہل وعیال کی فکر سے طبیعت بے چین تھی۔ میں نے موسیٰ سے انکا حال پوچھا تو جواب دیا کہ خدا اُن کے رزق کا خود کفیل ہے۔ اس کے بعد ایک خلعت فاخرہ دے کر مجھے رخصت کیا۔ اور اپنے بھائی عباس کے سپرد کیا اور کہا کہ مجھے امیرالمومنین نے یاد فرمایا ہے۔ یہ ایک ہمارے مہمان ہیں۔ آج آپ شرط مہمانداری ادا کیجئے چنانچہ عباس نے بھی میری ویسی ہی خاطر کی جیسی موسیٰ نے کی تھی۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے ایک ایک بھائی کا مہمان ہوا۔ سویں دن جعفر کی باری آئی۔ ایک روز یہاں بھی رہا۔ گیارھویں دن ایک خادم نے کہا کہ اب چلکر اپنے اہل عیال سے ملئے۔ میں نے کہا کہ میں ناحق دس روز یہاں پڑا رہا کچھ نقد بھی ہاتھ نہ لگا اور جو انعام یحییٰ کے یہاں سے ملا تھا وہ بھی چھن گیا۔ کاش! میں اسی دن چلا جاتا تو اچھا تھا۔ غرضکہ اسی دھن میں خادم کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا کہ اس نے ایک مکان کے دروازے پر لے جا کر کھڑا کر دیا اور کہا کہ یہی تمہارا مکان ہے۔ مجھے اس مکان کی رفعت وشان اور ساز وسامان دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ چنانچہ چار در بے طے کر کے میں مکان کے اندر پہنچا۔ وہاں میں نے اپنے اہل وعیال کو دیکھا کہ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ادھر ادھر پھر رہے ہیں اور ایک لاکھ درہم اور دس ہزار دینار کا عطیہ بھی موجود ہے اس کے بعد خادم نے وہ

موضع کی معافی کا قبالہ میرے حوالہ کیا۔ اور کہا کہ یہ مکان مع اسباب کے تمہارا ہے۔ امیرالمومنین!
اِسی شان وشوکت سے میں تیرہ برس تک برامکہ کا خدمت گزار رہا۔ اُن کی
فیاضیوں اور مہربانیوں سے کسی کو یہ تمیز نہیں ہو سکتی تھی کہ آیا میں بھی آل برمک سے
ہوں یا کوئی غیر۔ اور اب بھی جو کچھ ہے انہیں کے خوانِ کرم کا صدقہ ہے لیکن جب
خلیفہ ہارون الرشید نے اس خاندان کو برباد کر دیا تو مجھپر بھی سخت مصیبت پڑی اور
جو میری معافی تھی اُس پر عمرو بن مسعدہ نے لگان تشخیص کر دیا۔ اب اُس میں کچھ منافع نہیں
ہے۔ اور سوا اے لگان سرکاری کے بعد مجھے کچھ نہیں بچتا ہے۔ اب میں برامکہ کو یاد کرتا ہوں
اور اُنکے حق میں دعا کرتا ہوں۔ ماموں الرشید بھی یہ حال سُنکر متاثر ہوا۔ اور اُسی وقت عمرو
بن مسعدہ کی طلبی کا حکم دیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو پوچھا کہ اس شخص کو پہچانتے ہو کون ہے؟
عمرو نے کہا ہاں۔ واقف ہوں۔ یہ برامکہ کا ایک جاگیردار ہے۔ اور اس کی معافی پر جمع تشخیص
کر دی گئی ہے۔ چنانچہ ماموں الرشید نے اُسی وقت حکم دیا کہ بندوبست سے آج تک جو
رقم وصول ہوئی ہے وہ سب واپس کیجائے۔ اور بدستور معافی رہے۔ ماموں الرشید کا یہ حکم
سُنکر منذر دمشقی خوب رویا۔ ماموں الرشید نے پوچھا کہ اب رونے کا کیا موقع ہے۔ دیکھو
میں نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے۔ منذر نے کہا امیرالمومنین کا ارشاد صحیح ہے لیکن
هذا ایضًا من صنائع البرامكه یعنے یہ فیاضی بھی برامکہ ہی کی بدولت ہے نہ میں
اُنکے حال پر روتا۔ نہ آپ کو خبر ہوتی۔ نہ یہاں تک پہنچتا۔ نہ یہ صلہ ملتا۔ ابراہیم بن میمون کہتا
ہے کہ ماموں الرشید نے بھی تسلیم کیا اور کہا لعمری هذا ایضًا من صنائع البرامكه

بیشک برامکہ کے احسان اور فیاضی پر جس قدر تو آنسو بہائے تجھ کو سزاوار ہے اور جس قدر غم کرے وہ تھوڑا ہے۔ اُس وقت سے سنذر کا قول ضرب المثل بن گیا۔ اور عرب میں ایسے ہی موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔

فضل برمکی کی فیاضی کا ایک خاص واقعہ

یحییٰ بن سلام الابرش[1] بیان کرتا ہے کہ خاندان برامکہ کی تباہی کے بعد ایک دن خلیفہ ہارون الرشید بہ مقصد شکار جا رہا تھا کہ برامکہ کے کھنڈرات کی طرف جا نکلا۔ ایسے ویرانہ مقامات پر لوگوں کی عادت ہے کہ کچھ نہ کچھ لکھدیا کرتے ہیں چنانچہ ایک دیوار پر یہ اشعار لکھے دیکھے

یا منزلا لعب الزمان باھلہ	اے گھر جیکے رہنے والوں کے ساتھ زمانہ نے مذاق کیا۔
فاباد ھم متفرق لا یجمع	سو اس طرح ان کو بکھیر کر مٹا دیا کہ پھر یک جا نہ ہونگے۔
ان الذین عھدتھم بک مرۃ	جنھے ایک دفعہ یہاں جن لوگوں کو دیکھا تھا۔
کان الزمان بھم یضر وینفع	زمانہ انھیں کے ذریعہ سے لوگوں کو فائدہ اور نقصان پہنچاتا تھا
اصبحت تفزع من رآک وطالما	تجکو اب جو دیکھتا ہے وہ چیخ اُٹھتا ہے۔
کنا الیک من المھاول نفزع	حالانکہ مدتوں ہم مصیبتوں میں تیری طرف رجوع کرتے تھے۔
ذھب الذین نعاش فی اکنافھم	وہ لوگ چلے گئے جن کے زیر سایہ زندگی بسر کیجاتی تھی
وبقی الذین حیاتھم لا تنفع	اور وہ رہ گئے جن کی زندگی بے فائدہ ہے۔

ہارون الرشید یہ اشعار پڑھکر بہت متاثر ہوا۔ پھر علامہ اصمعی سے جو ہمراہ رکاب تھا۔ پوچھا کہ

حاشیہ [1] ماخوذ از مراۃ الجنان یافعی۔ و اعلام الناس۔

کچھ برامکہ کے حالات بھی جانتے ہو۔ اصمعی نے عرض کیا کہ امیرالمومنین امان دیجئے تو عرض کروں۔ چنانچہ ہارون الرشید نے امان دی۔ تب اصمعی نے اس طرح پر اپنا چشم دید واقعہ بیان کرنا شروع کیا کہ امیرالمومنین میں ایک دن **فضل بن یحیٰی** کے ہمراہ شکار میں تھا۔ چاروں طرف خیمے لگے ہوئے تھے کہ لشکر میں ایک بدو اونٹ پر سوار جنگل کی طرف سے آیا۔ فضل نے مجھ سے کہا کہ یہ بدو میرے پاس آیا ہے۔ چنانچہ جب لشکر کے اندر پہنچ گیا تو خیموں کی دھوم دھام اور لوگوں کا مجمع دیکھ کر سمجھا کہ یہ امیرالمومنین کا لشکر ہے۔ چنانچہ وہیں اتر پڑا۔ اور اونٹ کو باندھ دیا پھر فضل کی طرف بڑھ کر کہا " اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ " فضل نے کہا کہ چپ رہ کیا کہتا ہے؟ تب کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَیُّهَا الْاَمِیْرُ فضل نے سلام کا جواب دیا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ بدو فضل کے قریب بیٹھا تو دونوں میں حسب ذیل گفتگو شروع ہوئی۔

ایک بدو سے فضل کا مکالمہ

فضل۔ آپ کس قبیلہ سے ہیں۔ اور ان میں کونسا درجہ ہے۔ اعلیٰ یا ادنیٰ۔

بدو۔ میں قبیلہ **قضاعہ** سے ہوں۔ اور درجۂ اعلیٰ میں ہوں۔

فضل۔ عراق سے ارض قضاعہ تک کیا مسافت ہے۔

بدو۔ جہاں تک مجھے علم ہے دو ہزار چار سو میل ہے۔

فضل۔ یہ فرمائیے کہ ایسی کٹھن اور اتنی بڑی منزلیں طے کر کے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی

بدّو۔ جناب! مجکو یہاں تک اُن بزرگوں کی شہرت کھینچ لائی ہے۔ جن کی فیاضی اور نیکی کی تمام ملکوں میں تعریف ہو رہی ہے۔

فضل۔ آخر وہ ہیں کون؟ جو ایسے مشہور و معروف ہیں۔

بدّو۔ "برامکہ"۔

فضل۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔ لیکن برامکہ تو ایک خاندان کا نام ہے اُن میں چھوٹے بڑے بہت سے آدمی ہیں۔ اور ہر ایک کا جداگانہ خاصہ ہے۔ آپ نے اُس خاندان میں سے کس کو انتخاب کیا ہے جس سے حاجت برآری کی اُمید ہے۔

بدّو اطولھم باعاو اسخاھم کفاً! یعنے میں نے اُس کو انتخاب کیا ہے جو سب سے بڑھ کر فیاض ہے

فضل۔ آخر اُس کا نام بھی جانتے ہو؟

بدّو۔ ہاں اُس کا نام فضل ہے۔ وہ یحییٰ کا بیٹا۔ اور خالد کا پوتا ہے۔

فضل۔ بیشک سچ کہتے ہو لیکن وہ بڑا جلیل القدر اور مقتدر آدمی ہے۔ جب وہ مجلس عام میں بیٹھتا ہے تو اُس کے ساتھ علما۔ فقہا۔ ادبا۔ شعرا۔ کتاب اور مناظرین علم و فن کا بڑا مجمع ہوتا ہے۔ اب فرمائیے کہ آپ کون ہیں۔ عالم یا ادیب۔ یا ماہر ایام العرب۔

بدّو۔ نہیں۔ جناب! میں تو ایک معمولی آدمی ہوں۔ نہ عالم ہوں نہ ادیب۔

فضل۔ اچھا عالم فاضل نہ سہی کوئی فضل کے نام سفارشی خط لائے ہو۔

بدّو "نہیں"

فضل تعجب ہے کہ پھر کس ذریعے سے فضل جیسے بڑے آدمی کی ملاقات ہو سکتی ہے۔

بدّو - اے امیر! خدا کی قسم۔ میرے پاس کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ البتہ اس کی مدح میں میں نے دو شعر لکھے ہیں وہ اس کے حضور میں پڑھونگا امید ہے کہ اس کی فیاضی مجھے محروم نہ رکھے گی۔

فضل - بہتر ہے آپ وہی اشعار پڑھ دیجئے گا۔ لیکن پہلے مجھے سنائیے اگر وہ عمدہ ہونگے تو میں فضل کی ملاقات کی صلاح دونگا اور اگر معمولی ہوے تو جو کچھ مجھ سے ہوسکیگا آپ کی نذر کرونگا۔ اور آپ کو اسی مقام سے رخصت کردونگا۔

بدّو بہت خوب عرض کرتا ہوں سنیئے:

الم تر ان الجود من عهد آدم	تم نے دیکھا ہے سخاوت حضرت آدم کے زمانہ سے۔
تحدّر حتی صار یمتیط الفضل	آ ترتی چلی آئی یہاں تک کہ فضل کے پاس پہنچی۔
ولوان اما مسها جوع طفلها	کسی بچے کو اگر بھوک لگے۔
غذته باسم الفضل لاغتذی الطفل	اور اس کی ماں فضل کا نام لے تو بچے کی غذا ہو جائیگی۔

فضل سبحان اللہ کیا خوب مضمون ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ یہ اشعار فلاں شاعر کے ہیں اور وہ فضل کی مدح کر کے صلہ بھی پا چکا ہے تب کیا کہوگے۔

بدّو - میں اس وقت میں یہ شعر پڑھونگا۔

قد کان ادم حین حان وفاته	آدم نے جان دیتے وقت
اوصاك وهو یجود بالحوباء	تجھ کو وصیت کی تھی۔
ببنیه ان ترعاهم فرعیتهم	کہ میرے بچوں کا خیال رکھنا۔

وكفيت آدم عولة الأبناء	سو تونے اس بیت کا خوب پاس کیا۔ اور آدم کی اولاد فاقہ سے محفوظ رہی

فضل بہت خوب ہے۔ لیکن اگر فضل نے امتحاناً کہا کہ یہ اشعار آپ نے لوگوں سے سُن سُنا کر پڑھ دیئے ہیں۔ اُس وقت کیا کہو گے۔ اور وہ وہ ہار کا موقع ہوگا کہ جہاں پر چاروں طرف سے آدمیوں کی نظریں پڑینگی اُس وقت فی البدیہ کہنا پڑیگا۔

بدّو اگر ایسا اتفاق ہوا تو میں خاموش نہیں رہونگا اور یہ شعر پڑھونگا۔

ولو قيل للمعروف نادِ اخا العلا	اگر، بھلائی سے کہا جائے کہ صاحب حوصلہ کو پکار
لنادى باعلى الصوت يا فضل يا فضل	تو نہایت اونچی آواز سے پکارے گی کہ اے فضل فضل"
ولو انفقت جدواك من رمل عالج	اگر تیری سخاوت۔ ریتی کو خرچ کرنے لگے۔
لاصبح من جدواك قد نفد الرمل	تو تیری سخاوت سے۔ ریت بھی ختم ہو جائے گی

فضل واہ واہ کیا اچھا مضمون ہے لیکن اگر معترض اس پر بھی ہی اعتراض کرے۔ تب کیا کہو گے۔

بدّو اُس وقت میں برجستہ یہ کہونگا۔

وما الناس الا اثنان صب و باذل	آدمی دو قسم کے ہیں مشتاق۔ اور فیاض
واني لذاك الصب والباذل الفضل	سو مشتاق تو میں ہوں اور فیاض فضل۔
على ان لي مثلاً كما ذكر الورى	لیکن یہ فرق ہے کہ مجھ جیسے دنیا میں اور بھی ہیں۔
وليس لفضل في سماحته مثل	اور فضل جیسا سخاوت میں کوئی بھی نہیں۔

فضل بہت ہی اچھا مضمون ہے لیکن اگر فضل آپ کے اشعار سُنتے سُنتے گھبرا جائے اور یہ کہے کہ "الکنایۃ ابلغ من التصریح" یعنے میری مدح میں ایسے اشعار پڑھو۔

جس میں بہ صراحت نام نہو بلکہ صرف کنیت ہو۔

بدو اگرچہ بکثرت ایسے اشعار ہیں۔لیکن میں صرف دو بیت پر اکتفا کرونگا۔

الا یا ابا العباس یا واحد الوری	اے ابو العباس۔اے یگانۂ زمانہ!
ویا ملکا خد الملوک له نعل	اے وہ بادشاہ کہ بادشاہوں کے چہرے اسکی جوتیاں ہیں۔
الیک تسیر الناس شوقا و مغربا	لوگ پورب پچھم سے تیرے ہی طرف آتے ہیں۔
فرادی و ازواجا کانهم نحل	تنہا تنہا۔اور کئی کئی شہد کی مکھی کی طرح۔

فضل بس کافی ہے۔لیکن اگر فضل نے اسکے بعد بھی یہ کہا کہ قافیہ بدل کر کنیت اور نام کو چھوڑ کر اشعار سناؤ تب بھی کچھ کہہ سکتے ہو۔

بدو (غصہ ہوکر) باوجود اس قدر امتحان کے بھی اب اگر فضل میرا امتحان کرے گا تو صرف چار شعر پڑھونگا۔لیکن وہ ایسے ہونگے کہ جس پر کوئی عربی یا عجمی سبقت نہ لیجائیگا۔ اور اگر اس پر بھی نہ مانا اور پھر فرمایش کی تو یاد رہے کہ فضل کی ۰۰۰۰ ہے اور میرے ناقہ کے چاروں پیر۔زیادہ کیا لکھوں اور بلا حصول مطلب قضاعہ کو لوٹ جاؤنگا۔

فضل۔(شرمندہ ہوکر) امید نہیں ہے کہ فضل اس قدر سختی سے امتحان لے۔لیکن میں بہت مشتاق ہوں۔آپ وہ چاروں شعر سنا دیجئے۔

بدو۔سُنئے جناب!

ولائمة لامتك یا فضل فی الندی	ایک ملامت گر والی نے فضل کو ملامت کی۔فیاضی کے بارے میں
فقلت لها هل یقدح اللوم فی البحر	تو میں نے اس سے کہا کہ ملامت۔دریا کو کچھ نقصان پہنچا سکتی ہے

أتمنعني فضلا عن عطاياه للغنى	کیا تو فضل کو سخاوت سے روکتی ہے۔
فمن ذا الذي يثني السحاب عن القطر	بادل کو بھی کوئی بارش سے روک سکتا ہے۔
كأن نوال الفضل في كل بلدة	فضل کی بخششیں ہر شہر میں اس طرح ہیں۔
تحدّر هذا المزن في مهمه قفر	جس طرح اس بادل کا برسنا ویرانہ میں۔
كأن وفود الناس في كل وجهة	لوگ ہر طرف سے فضل کے پاس چلے آتے ہیں
الى الفضل لاقوا عنده ليلة القدر	گویا ان کو فضل کے پاس شب قدر مل جاتی ہے۔

جب اعرابی یہ اشعار سنا چکا تو پھر کوئی سوال نہیں کیا گیا لیکن بدو کی باتوں پر فضل کو ہنسی آگئی اور ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ پھر بدو سے کہا اے عرب خدا کی قسم! فضل بن یحییٰ برمکی میں ہوں۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ فضل کا نام سنکر دیہقانی کے ہوش اڑ گئے۔ اور کہا خدا کے واسطے۔ سچ بتائیے آپ مجھ سے مذاق تو نہیں کرتے ہیں۔ فضل نے کہا نہیں۔ تب بدو نے بہ کمال ادب درخواست کی کہ میرے گستاخانہ اور غیر مہذب فقرے کو معاف فرمائیے۔ فضل نے کہا خدا معاف کرے گا۔ اب تو اپنی حاجت بیان کر۔ اس نے کہا کہ مجھے دس ہزار درہم کی ضرورت ہے۔ فضل نے کہا کہ درخواست منظور ہے اور حکم دیا کہ ۱۰۰۰۰x۱ دیا جائے۔ اس قدر کثیر رقم دیکھ کر فضل کے کاتب سے نہ رہا گیا اور عرض کیا کہ خداوند نعمت! یہ فیاضی نہیں ہے۔ بلکہ اسراف ہے۔ ایک بدو کو جس نے چوری کے اور ادھر ادھر کے اشعار آپ کو سنائے اس قدر انعام دینا مناسب نہیں ہے۔ فضل نے کہا کہ میرے نزدیک یہ اس عطیہ کا مستحق تھا کیونکہ وہ ایک بڑی مسافت طے کر کے مجھ تک آیا ہے۔

جب کاتب نے دیکھا کہ میری بات کارگر نہیں ہوئی تو دوسری چال چلا اور فضل کو قسم دیکر کہا کہ حضور عالی! میں کمان میں تیر جوڑ کر دیتا ہوں آپ اس بدو پر نشانہ لگائیے۔ اگر اس وار کو بدو کسی عمدہ شعر کی سپر سے روک دے تو مال اُس کا ہے ورنہ کچھ دیکر رخصت کر دیا جائیگا۔ چنانچہ فضل کمان میں تیر جوڑ کر چاہتا تھا کہ بدو پر نشانہ لگائے کہ اُس نے برجستہ یہ شعر پڑھا۔

لقوسك قوس الجود والوتر والندا	تیری کمان۔ بزرگی۔ دوستی اور سخاوت کی کمان ہے۔
وسهمك سهم العز فارم به فقري	اور تیرا تیر عزت کا تیر ہے۔ تو اس سے میری مفلسی پر نشانہ لگا

بدو کا یہ شعر سنکر فضل بہت خوش ہوا۔ اور ایک لاکھ درہم یہ کہہ کر دیئے کہ خدا نے مجکو تیرے ناقہ کے شر سے بچا لیا۔ جب بدو انعام پا چکا تو رخصت ہوا۔ لیکن اس وقت اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ فضل نے پوچھا کہ اب کیوں روتا ہے۔ کیا کوئی اور خواہش باقی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس بات پر روتا ہوں کہ جب تجھ ایسے فیاض شخص کو موت ہم سے چھین لے گی۔ اس وقت ہم جیسے غریبوں پر کون فیاضی کرے گا اور کسی شاعر کے یہ اشعار پڑھے۔

لعمرك ما الرزية فقد مال	مصیبت اس کو نہیں کہتے کہ مال گم ہو جائے۔
ولا فرس يموت ولا بعير	یا گھوڑا یا اونٹ مرجائے۔
ولكن الرزية فقد حر	مصیبت اسکا نام ہے کہ ایسا شریف آدمی گم ہو جائے
يموت لموته خلق كثير	جس کے مرنے سے ایک عالم مرجائے۔

جب اصمعی خلیفہ ہارون الرشید سے یہ واقعہ بیان کر چکا تو خلیفہ نے کہا اس میں کوئی شک نہیں

ہے کہ خاندان برامکہ ایساہی فیاض تھا۔ افسوس میں نے اُن کو ناحق قتل کیا۔ اور یہ وہ واقعات ہیں جو مجھکو تمام عمر یاد رہیں گے۔

۴۲- خلیع[1] شاعر راوی ہے کہ ایک دن فضل[2] برمکی نے مجھکو بلایا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا کہ فوجی خدمات فضل کے سپرد تھیں۔ اور لوگوں نے میری بہت سی چغلیاں بھی فضل سے کھائیں تھیں۔ اسلئے میں ڈر گیا کہ دیکھئے آج کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ لیکن زندگی سے نا امید ہوکر میں فضل کے مکان پر گیا۔ وہاں دیکھتا ہوں کہ صحن میں بیٹھا ہوا ہے۔ تین سو مغنیہ کنیزیں جمع ہیں۔ اور عیش کی مجلس جمی ہوئی ہے۔ میں نے سلام کیا کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اُٹھایا۔ اور میرے سلام کا جواب دیا۔ اور مجھ سے مخاطب ہوکر کہا کہ "خلیع میں نے تمہیں ایک کار خیر میں طلب کیا ہے۔ آج محل میں بیٹا ہوا ہے۔ اُس کی تہنیت میں دو مصرعہ میں نے لکھے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ تم اس کو پورا کردو۔ چنانچہ میں نے پڑھنے کی فرمایش کی تب فضل نے یہ ایک شعر پڑھا

ونفرح بالمولود من آل برمك	آل برمک کے اس بچہ ہونے پر ہم کو خوشی ہوتی ہے۔
بغاة الندى والسيف والرمح والفضل	جو کہ سخاوت۔ تلوار۔ نیزہ۔ اور فضیلت کے طالب ہیں۔
میں نے فی البدیہہ جواباً عرض کیا۔	
وتنبسط الآمال فيه لفضله	اور اس کی عنایت کی ترقع میں امیدیں وسیع ہوتی ہیں۔

حاشیہ [1] ابو علی حسین بن ضحاک بن یاسر متخلص بہ خلیع۔ طبقۂ اول کے شعرا میں ہے۔ سنہ ۱۶۲ھ میں پیدا ہوا۔ بصرے کا رہنے والا تھا۔ باوجود علم و فضل کے مزاج میں مسخرہ پن زیادہ تھا۔ اعزاز و مرتبے میں اسحاق موصلی کا ہمرتبہ تھا۔ امین الرشید کا مصاحب خاص تھا۔ ابو نواس کے ساتھ اس کے اکثر مباحثے ہوا کرتے تھے۔ سنہ ۲۵۰ھ میں فوت ہوا۔

[2] مرآۃ الجنان یافعی۔ و تاریخ نگارستان صفحہ ۸۰ مطبوعہ بمبئی۔

ولاسیما ان کان والدہ الفضل		اور خصوصاً اگر اُس بچہ کا باپ فضل ہو۔

فضل یہ شعر سنکر بہت خوش ہوا۔ اور بارہ ہزار درہم صلہ مرحمت فرمایا۔ پھر مجھے جعفر کے پاس بھیج دیا میں نے وہ اشعار جو بھتیجے کی تہنیت میں لکھے تھے پڑھ کر سنائے بارہ ہزار درہم وہاں سے ملے۔ پھر اسی قدر یحیٰی نے دیا۔ غرضکہ ۳۶ ہزار درہم ایک شعر کا صلہ لے کر گھر کو واپس آیا یہ واقعہ ان کے عروج کے زمانہ کا ہے۔ لیکن بعد تباہی اس خاندان کے مجھے مصر جانے کا اتفاق ہوا۔ اور ایک دن میں ایک حمام میں نہانے گیا وہاں ایک نوجوان لڑکا میری خدمت کے واسطے حاضر ہوا۔ اور میری حجامت بنانے لگا۔ اُس وقت اتفاقیہ میری زبان سے یہ مصرعہ نکل گیا " ونفرح بالمولود من ال برمك " اس مصرعہ کے سُنتے ہی اس نوجوان کی حالت متغیر ہو گئی ہاتھ کانپنے لگے اور اُسترہ ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ اور غش کر گیا۔ مجھے اس کی حالت پر بہت تعجب ہوا۔ جب ہوش میں آیا تو میں نے پوچھا کہ " اے عزیز یہ کیا واقعہ تھا۔ اُس نے کہا کہ " آپ ہی کے طفیل میں میری یہ نوبت پہنچی ہے۔ جو مصرعہ آپ نے پڑھا ہے اسکا شان نزول میں ہوں کسی شاعر نے میری ولادت کے وقت یہ مصرعہ کہا تھا " یہ سنکر میں سناٹے میں رہ گیا اور انقلاب زمانہ پر مجھے نہایت تعجب ہوا اور اُس نوجوان سے کہا کہ اے عزیز وہ بد نصیب شاعر میں ہوں اس کے بعد میں نے اُس نوجوان کے سامنے ایک معقول نذرانہ پیش کیا لیکن اس نے اپنی فیاضی سے کچھ نہ لیا اور اُٹھ کر چلا گیا۔ فضل کے اس بد نصیب بیٹے کا نام عباس تھا۔

برامکہ کی تباہی کے قصص وحکایات اس کثرت سے تاریخوں میں پائے جاتے ہیں کہ فیصدی پانچ کا بھی انتخاب ہم نہیں لکھ سکتے ہیں اور نہ فی نفسہ ایسے واقعات سے قوم کو کوئی فائدہ

پہنچ سکتا ہے۔ لہذا اس عنوان کو ہم ختم کرتے ہیں۔

برامکہ کا مذہب

کس کی ملت میں گنوں آپ کو بتلائے شیخ
تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھ کو

برمک اعظم گبر تھا اور آتشکدہ نو بہار کا مذہبی پیشوا لیکن مسلمان ہو جانے کے بعد پورے طور پر مذہب اسلام کا پابند رہا۔ اور اس کا بیٹا خالد برمکی تو مشاہیر اسلام میں سب سے نامور اور ممتاز تھا۔ البتہ باعتبار عقائد مورخین نے برامکہ کو شیعہ لکھا ہے۔ لیکن اس عہد میں شیعہ پن کا جوش صرف سلطنت کے لباس میں تھا اور جو تعصب آج ہمارے زمانے کے سنی و شیعہ گروہ میں ہے اس کا اس عہد میں نام و نشان تک نہ تھا۔

اور چونکہ فلسفہ کا اثر مذہب سے بالاتر تھا۔ اسلئے حقیقتاً برامکہ کو شیعہ سنی وغیرہ کے خانہ برانداز جھگڑوں سے چنداں بحث بھی نہ تھی۔ اور اسی فلسفہ پسندی کا اثر تھا کہ برامکہ زندقہ مشہور ہو گئے تھے۔ بہرحال ہم ان کو تاریخی حیثیت سے شیعہ کہتے ہیں لیکن خود شیعی مورخوں کی نظروں میں برامکہ کا تشیع مشتبہ سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ یہ لکھتے ہیں کہ خاندان برامکہ حضرت امام موسےٰ کاظم کی شہادت کا باعث ہوا ہے۔ اور انہیں لوگوں نے امام صاحب کو زہر دلوایا ہے۔ جو بہ حیثیت شیعہ ہونے کے نہایت بعید ہے۔

چونکہ یہ بحث طول دینے کے قابل نہیں ہے لہذا اسی مضمون پر ہم اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں

اور یہ کہہ کے رخصت ہوتے ہیں۔ ؎

کیا خوب آدمی تھے خدا مغفرت کرے

تیسرا حصہ تمام ہوا

۷۸۶

ضمیمہ

الہرون

زشرحِ قصہ مارفتہ خواب ازچشم خلصاں را
شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ میخیزد

تمہید برامکہ کے جس قدر حالات لکھنا مقصود تھے۔ وہ ہم لکھ چکے لیکن سچ پوچھئے تو ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ کیونکہ وزارت کے ساتھ جب تک سلطنت کے کارنامے نہ دکھلائے جائیں تو یہ سمجھنا چاہئے کہ گویا مصور نے یک رخی تصویر کھینچی ہے۔ اسلئے البرامکہ کے خاتمے پر مختصر تذکرہ خلیفہ ہارون الرشید کا لکھا جاتا ہے۔ اور انصاف یہ ہے کہ نامور فرمانروایان اسلام میں جس عظمت وشان سے اس نامور خلیفہ نے سلطنت کی ہے وہ بھی ایک تاریخی یادگار ہے۔ اگرچہ چند صفحات میں ہم امیرالمومنین ہارون الرشید کی پوری سوانح عمری

نہیں لکھ سکتے ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس ضمیمہ سے ایک اجمالی نقشہ اس نامور شہنشاہ کی سلطنت کا معلوم ہوجائیگا۔ فی الحال مالایدرک کلہ لایترک کلہ۔ کے مقولہ پر عمل کیا جاتا ہے۔ حضرت عباسؓ

نسب نامۂ آل عباسؓ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عم کرم تھے۔ اور جنگ بدر میں ایمان لائے تھے۔ اور حضرت نے آپ کے حق میں ایک طولانی دعا مانگی تھی جس کا ایک ٹکڑہ یہ بھی تھا کہ " واجعل الخلافة باقية فى عقبه" یعنے عباسؓ کے خاندان میں خلافت باقی رہے۔ حضرت عباسؓ کے کئی صاجزادے تھے لیکن ان سب میں حضرت عبداللہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام صحابہ میں اپنی بے نظیر قابلیت کی وجہ سے اس درجہ ممتاز تھے کہ حضرت فاروق اعظم باوجود کبر سنی کے تعظیم فرماتے تھے اور خلفاے عباسیہ کا سلسلہ نسب انھیں حضرت تک منتہی ہوتا ہے۔ اور جس خلیفہ کے حالات ہم لکھنا چاہتے ہیں وہ اسی سلسلے کا پانچواں تاجدار ہے۔ چنانچہ شجرۂ صفحہ آیندہ سے نسب و خلافت کی ترتیب معلوم ہوگی۔

حضرت عباسؓ عم رسول اللہ صلعم

عبداللہ

علی

محمد

سفاح (ابو العباس عبداللہ) — پہلا خلیفہ

منصور (ابو جعفر عبداللہ) — دوسرا خلیفہ

مہدی (ابو عبداللہ) — تیسرا خلیفہ

ہادی (ابو محمد موسےٰ) — چوتھا خلیفہ

ہارون (الرشید ابو جعفر) — پانچواں خلیفہ

خلافت عباسیہ کا مختصر تذکرہ
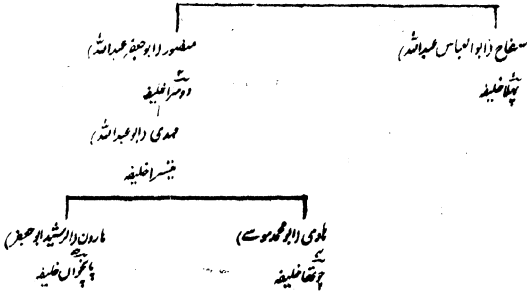
دولت بنی امیہ کے زوال پر ابو العباس[1] عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم کل ممالک مفتوحہ اسلام کا پہلا خلیفہ ہوا۔ بتاریخ ۱۲۔ ربیع الاول سنہ ۱۳۲ھ بمقام کوفہ ابو العباس کی عام بیعت ہوئی اور بتاریخ ۷ا جمادی الاول یوم پنجشنبہ مطابق یکم جنوری سنہ ۷۵۰ء رسم تخت نشینی عمل میں آئی یہ خلیفہ چونکہ فطرتاً خونریز تھا اس لئے سفاح لقب ہوا۔ چار برس حکومت کرکے بعارضۂ چیچک بتاریخ ۱۲۔ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶ھ مطابق مئی سنہ ۷۵۴ء بمقام انبار فوت ہوگیا۔

حاشیہ [1] مصنف الفخری ابو العباس کی مدح میں لکھتا ہے کہ "کان کریماً حلیماً وقوراً عاقلاً کاملاً کثیر الحیاء حسن الاخلاق" تخت نشین ہو کر سب سے پہلے رجال بنی امیہ کو قتل کیا۔ ایک دن ستر اموی قتل کرائے اور ان کی نعشوں پر فرش بچھوا کر کھانا کھایا دمشق میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی قبریں کھدوا ڈالیں۔

اور اس کا جانشین ابو جعفر منصور ہوا۔ خلیفہ مدبر۔ منتظم۔ اور حامی علوم و فنون تھا۔ مورخین نے اس کو فاتحۃ الخلفا کا لقب دیا ہے۔ اس کے عہد خلافت میں فوج۔ خزانہ۔ صیغہ تعلیم۔ اور عہد و سلطنت میں بہت وسعت ہوئی۔ دربار میں بجائے عربوں کے ترکوں کا زور ہوا۔ جس کا نتیجہ آگے چل کر نہایت خراب ہوا۔ ۲۲ برس بڑی شان و شوکت سے حکمرانی کر کے ۱۵۸ھ میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو عبداللہ مہدی تخت نشین ہوا اسکے عہد کے مشہور واقعات میں سے حکیم المقنع (کوتاہ قامت۔ یک چشم۔ باشندہ مرو) کا واقعہ ہے جس نے خدائی کا دعوےٰ کیا تھا۔ اور اپنے علمی کمالات سے چاہ نخشب سے مصنوعی چاند نکالا تھا۔ جس کی روشنی چھ میل تک پہنچتی تھی۔ لیکن بمقام ماوراء النہر ۱۶۱ھ میں جب اس نے علم بغاوت بلند کیا اور خلیفہ کا لشکر مقابلہ میں صف آرا ہوا تو قلعہ بند ہو کر خودکشی کر لی۔ مہدی نے دس برس کئی مہینے حکومت کی اور بتاریخ ۲۲۔ محرم ۱۶۹ھ مطابق ۴ جولائی ۷۸۵ء فوت ہوا اور اس کے انتقال کے بعد بڑا بیٹا ابو محمد موسےٰ ہادی سریر آرائے خلافت ہوا۔ لیکن سوا برس کے بعد ۱۷۰ھ ۷۸۶ء میں اس نے بھی سفر آخرت قبول کیا۔ اور چھوٹے بھائی کے واسطے جگہ خالی کر گیا۔ چونکہ واقعات مذکورہ سے ترتیب خلافت کی معلوم ہو چکی ہے لہٰذا اب خلیفہ ہارون الرشید کے واقعات زندگی لکھے جاتے ہیں۔

ہارون الرشید کی ولادت اور تعلیم و تربیت

اخیر ذی الحجہ ۱۴۵ھ ۷۶۳ء میں بمقام "رے" یہ نامور خلیفہ پیدا ہوا۔ کیونکہ خلیفہ مہدی اس زمانے میں یہاں کا والی تھا۔ اور بعض مورخ لکھتے ہیں کہ یکم محرم الحرام ۱۴۹ھ میں یہ خلیفہ پیدا ہوا۔

ماں کا نام خیزران (ام ولد) تھا۔ اور چونکہ خوش قسمتی سے ابو جعفر منصور (دادا) بھی زندہ تھا
اس لئے تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ ہر فن کے مجتہدین جدا جدا پڑھاتے تھے۔
اور عام نگرانی یحییٰ ابن خالد برمکی کے سپرد تھی۔ علمی ذوق و شوق خدا نے بچپن سے دیا تھا علامہ سیوطی
نے قاضی فاضل سے نقل کیا ہے کہ آج تک کسی بادشاہ نے حصول علم کے لئے سوائے خلیفہ ہارون
الرشید کے سفر اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ یہی خلیفہ ہے جو امام مالک کی خدمت میں موطا پڑھنے
کے واسطے حاضر ہوا۔ موطا کا وہ نسخہ جس میں ہارون الرشید نے پڑھا تھا۔ مدت تک مصر کے
کتب خانے میں موجود تھا۔ امام مالک کی شاگردی کے علاوہ خلیفہ مہدی۔ منصور۔ اور
مبارک بن فضالہ سے جو اپنے زمانے کے شیخ الحدیث تھے علم حدیث کو خاص طور پر حاصل
کیا تھا۔ صرف۔ نحو۔ لغت۔ ادب۔ اور تمام فنون میں جو عربیت کے عنصر ہیں اس کی طبیعت
نہایت موزون واقع ہوئی تھی۔ اغانی اور عقد الفرید وغیرہ علم ادب کی کتابیں اس کے
فصیح و بلیغ خطبات۔ حکیمانہ اقوال اور دلکش اشعار سے مالا مال ہیں۔ فن شعر میں
ہارون الرشید کو کامل دستگاہ تھی۔ فصاحت و بلاغت کے متعلق وہ شعرا کو غلطیاں بتا
دیتا تھا کہ یہاں یوں ہونا چاہئے۔ لیکن خود بہت کم شعر کہتا تھا اور شاعری کو (بہ حیثیت ایک
مقتدر شہنشاہ کے) ذریعۂ فخر سمجھتا تھا۔ چنانچہ اپنے بیٹے مامون الرشید کو جبکہ اس نے
ارا کین دربار کی فرمایش سے ایک موقع پر ذیل کا قطعہ لکھ کر پیش کیا۔ تو بطور نصیحت کے
جواباً لکھتا ہے کہ "اے جان پدر تم کو شعر سے کیا کام۔ شعر عام آدمیوں کے لئے باعث فخر
ہے۔ مگر عالی رتبہ لوگوں کے لئے کچھ عزت کی بات نہیں ہے۔"

مامون الرشید کا قطعہ

یا خیر من دبت المطی بہ	اے اُن سب لوگوں سے بہتر جن کو سواریاں لیکر چلتی ہیں
ومن تقدی بسرجہ الفرس	اور وہ جس کے گھوڑے پر ہمیشہ زین رہتا ہے
ھل غایۃ فی المسیر نعرفھا	سفر کا کوئی وقت ہے جس کو ہم لوگ جان سکیں
ام امرنا فی المسیر ملتبس	یا یہ امر ہمارے لئے مبہم رہے گا۔
ما علم ھذا الا الی ملک	اسکا علم صرف اُس بادشاہ کو ہے۔
من نورہ فی الظلام نقتبس	جس کے نور سے ہم لوگ تاریکی میں روشنی حاصل کرتے ہیں

ہارون الرشید کی ولیعہدی

۱۶۶ھ؁ میں مہدی عباسی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ بعد ہادی کے رشید ۷۸۲ء تاج و تخت کا مالک ہوگا۔ لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ بمقابلہ ہادی کے رشید میں سلطنت کی قابلیت زیادہ ہے۔ تب مہدی نے اُس کو لکھا کہ فوراً دارالخلافۃ میں حاضر ہو۔ لیکن رشید نے خلاف امید قاصد کو نہایت ذلت سے ہٹوایا۔ اور اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ تب مجبوراً مہدی نے جرجان کا سفر کیا۔ لیکن ماسبذان تک پہنچا تھا کہ پیام اجل آگیا اور موافق عہد سابق کے ہادی باپ کا جانشین ہوا۔ اور رشید نے بھی نہایت تحمل سے ہادی کی خلافت کو تسلیم کیا۔ لیکن ہادی نے بدنیتی اور چالاکی سے بھائی کو محروم کرکے اپنے نابالغ بیٹے جعفر کو ولیعہد کرنا چاہا۔ لیکن یحیےٰ برمکی کی حکمت عملی سے ہادی کو اخیر وقت تک کامیابی نہوئی اور ۱۷۰ھ؁ میں خود ہی دنیا سے کوچ کرگیا۔ اس موقع پر پہنچ کر ایک شاعر حسرت سے لکھتا ہے ؎

تاریخ جہاں کہ قصۂ خرد و کلاں		درج ست در و چہ شیر مرداں چہ بلاں
در ہر ورقش بخواں کہ فی عام کذا		قدمات فلانؔ و فلانؔ و فلاں

ہارون الرشید کی خلافت

خلیفہ ہادی کے انتقال کے بعد شنبہ کی رات سولھویں تاریخ ربیع الاول ۱۷۰ھ ۱۴ ستمبر ۷۸۶ء میں بڑی دھوم دھام سے بمقام عیسے آباد ۲۲ برس کی عمر میں ہارون الرشید تخت خلافت پر جلوس فرما ہوا۔ جس رات کا یہ واقعہ ہے وہ رات بھی عجیب و غریب تھی کہ ایک خلیفہ نے وفات پائی۔ دوسرا مسند خلافت پر بیٹھا۔ اور تیسرا وارث تاج و تخت (مامون الرشید) پیدا ہوا۔ اور اسی شب کو خزیمہ بن خازم نے جعفر بن ہادی کو گرفتار کیا۔ وہ بیچارہ حواس باختہ ہوکر خواب غفلت سے چونک پڑا۔ تب خزیمہ نے کہا کہ "اگر تم علے رؤس الاشہاد اپنی خلافت سے باز دعوے داخل کرکے ہارون الرشید کی خلافت کو تسلیم نہ کروگے تو علے الصباح قتل کردئے جاؤگے"۔ چنانچہ تلوار کے زور اور جان کے خوف سے جعفر نے دعوے خلافت سے ہاتھ اٹھالیا۔ اور صبح کو مجمع عام میں ہارون سے بیعت کی۔ جن لوگوں نے پیشتر ہادی کے دباؤ سے جعفر کی بیعت کی تھی انہوں نے بھی سبکدوشی حاصل کی۔ اور بلا شرکت غیرے ہارون الرشید مستقل خلیفہ قرار پایا۔ چنانچہ خلیفہ نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لے کر کل سفید و سیاہ کا یحیی برمکی کو مالک کردیا۔ اور یہ اس کی کارگزاریوں کا صلہ تھا جو حصول خلافت میں بمقابلہ ہادی کے کی گئی تھیں۔

اس سال کے تاریخی واقعات میں سے امین الرشید اور مامون الرشید کی ولادت۔ اور افریقہ و مدینہ منورہ کے والیوں کی تبدیلی کے سوا اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یعنے بہ سبب فوت ہو جانے

یزید بن حاتم مہلبی کے افریقیہ میں اُس کا بیٹا داؤد مقرر کیا گیا۔ اور مدینے کا والی عمرو بن عبدالعزیز العمری معزول کیا گیا۔ اور بجائے اُس کے اسحاق بن سلیمان عباسی مقرر ہوا۔

عمال کا عزل ونصب

یہ عنوان اس قدر وسیع ہے کہ جسکی تفصیل کے لئے کئی جزو درکار ہیں لیکن مختصر یہ ہے کہ سنہ ۱۷۱ھ (۷۸۶ء) سے سنہ ۱۷۴ھ (۷۹۰ء) تک خراسان۔ موصل۔ سندھ۔ کرمان کے حکام کا انتظاماً تبادلہ کیا گیا جس میں سوائے معمولی نظم ونسق کے اور کوئی بات نہ تھی۔ البتہ سنہ ۱۷۶ھ (۷۹۲ء) میں عبداللہ بن الحسن علوی کے خروج کے سبب سے بعض بعض والیوں کے خیالات بھی بگڑ چلے تھے اسلئے ہارون الرشید نے تمام صوبوں پر ایک خاص نظر ڈالی اور جس کی نسبت شبہ ہوا وہ علحدہ کر دیا گیا چنانچہ موسےٰ بن عیسیٰ والی مصر کی نسبت دار الخلافہ میں یہ خبریں پہنچ رہی تھیں کہ وہ خلیفہ کا دشمن ہے اور انقلاب حکومت پسند کرتا ہے اسلئے غصہ ہوکر خلیفہ نے یہ قسم کھائی کہ بجائے موسیٰ کے میں مصر کی حکومت ایسے شخص کو دونگا جو نہایت ہی ذلیل اور ادنےٰ درجے کا ہو اور جعفر برمکی کو حکم دیا کہ اس خدمت کے واسطے کوئی شخص تجویز کیا جائے۔ چنانچہ وزیر السلطنۃ نے عمرو بن مہران کو پیش کیا۔ یہ شخص نہایت بدشکل۔ اور عجیب الخلقۃ تھا۔ اور آنکھیں اس کی بھینگی (احول) تھیں اور شکل وصورت کے ساتھ لباس بھی نئے رنگ ڈھنگ کا پہنتا تھا۔ جس قسم کا امیدوار خلیفہ کو منظور تھا چونکہ یہ شخص ٹھیک ویسا ہی تھا۔ اس لئے عطائے سند کے واسطے دربار عام میں بلایا گیا۔ جب خلیفہ نے حکومت مصر کا مژدہ سنایا۔ تو اس نے یہ شرط پیش کی کہ "جس وقت میں مصر کے انتظام سے فارغ ہو جاؤں

تو واپسی کے لئے دربار خلافت سے اجازت کی ضرورت نہ رہے۔ بلکہ جب میرا دل چاہے چلا آؤں" خلیفہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ اور قاعدے کے موافق رخصت کر دیا کامل بن الاثیر کی روایت ہے کہ جب یہ حضرت دارالامارۃ مصر میں پہنچے ہیں اُس وقت موسے کا دربار لگا ہوا تھا۔ ارباب حاجت عرض معروض میں مصروف تھے جب سب رخصت ہو گئے تو آخر میں اِن کی باری آئی۔ موسیٰ نے سائل سمجھ کر پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ جواب دیا کہ مصر کی حکومت۔ تب تو موسیٰ حیران ہو گیا۔ کبھی سائل کو دیکھتا تھا اور کبھی اُسکی درخواست پر غور کرتا تھا۔ کہ عمر بن مہران نے امیر المومنین کا دستخطی مہری پروانہ نکال کر سامنے رکھ دیا۔ موسے نے مضمون پڑھ کر پوچھا کہ "جناب ابو حفص (خدا اُن کو زندہ رکھے) تشریف لاتے ہیں؟" انھوں نے جواب دیا کہ ابو حفص میری کنیت ہے۔ لیکن موسیٰ کو باوجود ملاحظہ پروانہ کے ابو حفص کی بات کا یقین نہ آتا تھا۔ اور اسی حیرانی میں سرنگوں تھا۔ آخر مجبور یہ فقرہ کہکر اُٹھ کھڑا ہوا۔ "لعن اللہ فرعون حیث قال" الیس لی ملک مصر" یعنے فرعون پر خدا کی لعنت ہو اسی ملک مصر کے غرور پر خدائی کا دعوے کرتا تھا اور کہتا تھا کہ کیا میں مصر کا مالک نہیں ہوں؟"

کیا خدا کی شان ہے۔ ایک زمانہ سلطنت اسلام کے جاہ و جلال کا یہ تھا کہ ایک شہنشاہ نے مصر کی حکومت کو اس درجہ معمولی اور ذلیل سمجھا تھا کہ سب سے بدترین شخص کو اس پر مامور کیا تھا

حاشیہ [1] بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ موسے بن عیسے کی معزولی کے بعد ابراہیم بن صالح مقرر کیا گیا تھا۔ معزولی کی تاریخ ۲۰ صفر ۱۷۶ھ ہے۔

اور ایک زمانہ آج ہے کہ ملک مصر پر دنیا کا ہر بڑے سے بڑا بادشاہ قبضہ رکھنے کو اپنی سلطنت کے لئے سرمایۂ فخر سمجھتا ہے ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا۔

مصر کے انتظام کے بعد ۱۷۶ھ (۷۹۲ء) سے ۱۸۱ھ (۷۹۷ء) تک افریقہ اور خراسان کے والیوں کے تبادلے ہوتے رہے۔ اور ۱۸۲ھ (۷۹۸ء) سے ہارون الرشید کے انتقال تک بہت زیادہ ردوبدل نہیں ہوا چنانچہ تمام سلطنت کے مشہور صوبوں کے گورنروں کی فہرست ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ جس سے اگرچہ سنہ وسال کا اندازہ تو نہ ہوسکے گا لیکن پھر بھی اس عہد کے معزز طبقہ کی فہرست معلوم ہوجائے گی جو فائدے سے خالی نہیں ہے۔

فہرست والیان صوبہ جات عہد خلافت ہارون الرشید

نام صوبہ	نام والی
مکہ معظمہ	عباس بن محمد بن ابراہیم۔ سلیمان بن جعفر بن سلیمان (دو مرتبہ) موسیٰ بن عیسیٰ۔ عبداللہ بن محمد بن ابراہیم عبداللہ بن قثم (دو مرتبہ) عبداللہ بن محمد بن عمران۔ عبیداللہ بن محمد بن ابراہیم عباس بن موسیٰ۔ علی بن موسیٰ۔ محمد بن عبداللہ عثمانی۔ حماد بربری۔ فضل بن عباس بن محمد۔ احمد بن اسمٰعیل۔
مدینہ منورہ	اسحاق بن علی۔ عبدالملک بن صالح بن علی۔ محمد بن عبداللہ۔ موسیٰ بن عیسیٰ۔ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم۔ علی بن عیسیٰ۔ محمد بن ابراہیم۔ عبداللہ بن مصعب۔ بکار بن عبداللہ بن مصعب۔ محمد بن علی۔ وہب بن منبہ
کوفہ	موسیٰ بن عیسیٰ (چار مرتبہ) محمد بن ابراہیم۔ عبیداللہ بن محمد بن ابراہیم یعقوب بن ابوجعفر۔ عباس بن عیسیٰ (دو مرتبہ) اسحاق بن الصباح الکندی۔ جعفر بن ابوجعفر۔

بصرہ	محمد بن سلیمان بن علی ۔ سلیمان بن ابو جعفر ۔ عیسیٰ بن جعفر (چار مرتبہ) خزیمہ بن خازم جریر بن یزید دو (مرتبہ) جعفر بن سلیمان ۔ جعفر بن جعفر ۔ عبدالصمد بن علی (۲ مرتبہ) مالک بن الخزاعی ۔ اسحاق بن سلیمان ۔ سلیمان بن جعفر ۔ حسن بن جمیل ۔ اسحاق بن عیسیٰ بن علی ۔
خراسان	ابو العباس طوسی ۔ جعفر بن محمد بن الاشعث ۔ عباس بن جعفر ۔ غطریف بن عطاب ۔ سلیمان بن راشد ۔ علی الخزاج حمزہ بن مالک ۔ فضل بن یحییٰ برمکی ۔ منصور بن یزید ۔ جعفر بن یحییٰ برمکی ۔
افریقیہ	روح بن حاتم مہلبی ۔ یزید بن حاتم ۔ داؤد بن یزید ۔ فضل بن روح بن حاتم ۔ ہرثمہ ابن اعین محمد بن مقاتل بن حکم ۔ ابراہیم بن اغلب ۔ عبداللہ بن ابراہیم بن اغلب ۔

علاوہ ان صوبوں کے اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو بحرین ۔ اہواز ۔ فارس ۔ موصل جزیرہ ۔ ارمینیہ ۔ سندھ وغیرہ کے ولاۃ کی بھی ایک فہرست تیار ہو سکتی ہے ۔ مندرجہ بالا فہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کا سب سے بڑا حصہ ہمیشہ عباسیوں کے ہاتھ میں رہا ہے ۔

امین و مامون کی ولیعہدی

امین الرشید کی ولیعہدی زبیدہ خاتون اور فضل برمکی ۔ اور عیسیٰ بن جعفر (امین کا ماموں) کی کوششوں سے ۱۷۵ھ (۷۹۱ء) میں ہو چکی تھی ۔ لیکن چونکہ امین کی طبیعت عیش پسند واقع ہوئی تھی اس لئے ہارون الرشید ہر موقع پر ماموں کو ترجیح دیتا تھا ۔ اور اس کا میلان طبعی یہی تھا کہ وہی خلافت کا مستقل مالک ہو ۔ اسلئے بمقام رقہ بماہ محرم یوم پنجشنبہ ۱۸۲ھ مطابق

۲۲فروری ۸۰۹ء مامون کی ولیعہدی پر لوگوں سے بیعت لی۔ اور صوبہ خراسان و ہمدان کا والی مقرر کر دیا۔تاہم عمائد بنی ہاشم اور ارکان فوج کے خوف سے جو امین کے طرفدار تھے ۱۸۶ھ؁ / ۸۰۲ء میں ہارون الرشید نے بمقام مکہ معظمہ دونوں شہزادوں سے جداجدا معاہدے لکھوائے۔ اور خانہ کعبہ کے اندر لیجاکر خاص طور پر فہمایش کی۔صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ اس تقسیم کی روسے جو ممالک مامون الرشید کو ملے اس میں کرمان شاہ و نہاوند۔ قم۔کاشان اصفہان۔فارس۔کرمان۔رے۔قومس۔طبرستان۔خراسان۔زابل۔کابل۔ہندوستان ماوراءالنہر اور ترکستان داخل تھے۔امین کو بغداد۔واسط۔بصرہ۔کوفہ۔شامات۔سواد عراق۔موصل۔جزیرہ۔حجاز۔مصر اور مغرب کی انتہاے حدود تک کی حکومت ملی۔اور دستاویزات بعد تکملہ کے حرم کعبہ میں آویزاں کر دی گئیں۔

اس کے بعد ۱۸۶ھ؁ / ۸۰۲ء میں اپنے تیسرے بیٹے قاسم (موتمن) کو جزیرہ ثغور اور عواصم کی حکومت دی اور مامون الرشید کو اختیار دیا کہ اگر قاسم لائق نہ ثابت ہو تو وہ اس کو معزول کر سکتا ہے لیکن چوتھے بیٹے معتصم کو خلافت سے اس بنیاد پر محروم رکھا کہ وہ جاہل ہے۔لیکن یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ زوال سلطنت عباسیہ تک معتصم کی اولاد میں خلافت و سلطنت باقی رہی۔

ہارون الرشید نے بنظر رفع خانہ جنگی اپنے بیٹوں میں سلطنت کو تقسیم کر دیا تھا۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ یہی تقسیم گویا خانہ جنگی کی بنیاد تھی۔جیساکہ ہارون الرشید کے انتقال کے بعد واقعات پیش آئے۔

ملکی بغاوتیں خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں جو بغاوتیں ہوئیں وہ عمال کی

بے عنوانیاں رعایا کی ناراضی کا ثمرہ یا سادات و علویین کی فتنہ پردازیوں کا نتیجہ تھا چنانچہ منصور عباسی کے زمانے میں محمد بن عبداللہ بن حسن نے جو سیدنا امام حسن رضؓ کے پرپوتے تھے علمائے مدینہ کے فتوے کے موافق خروج کیا تھا اور بہت خونریزی کے بعد وہ شہید ہوئے تھے۔ اور اُن کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ اس زمانے سے روپوش ہو گئے تھے۔ لیکن ۱۷۶ھ میں جب اُن کی طرف رجوعات زیادہ ہو گئی تھی تو دیلم میں خروج کیا۔ اور بڑی شان و شکوہ سے خلیفہ کے مقابلہ کو اُٹھے۔ لیکن فضل برمکی کی حکمت عملی نے فوراً اس فتنے کو دبا دیا۔ اس کے بعد سادات نے پھر سر نہیں اُٹھایا۔ البتہ اسی سال میں دمشق (شام) میں بہت بڑی فساد کی آگ مشتعل ہوئی۔ جس میں طرفین کے ہزاروں آدمی کام آ گئے۔ اس فتنہ کا بانی ابوالہیذام تھا جس کا اصلی نام عامر بن عمارہ ہے اور سبب اس کا یہ ہوا کہ خلیفہ کے ایک عامل نے سجستان میں اس کے بھائی کو مار ڈالا تھا۔ اس نے وہاں تو کچھ نہیں کیا۔ لیکن شام میں آ کر جمعیت بہم پہنچائی اور پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کو اُٹھا۔ آخر اس درجہ سخت لڑائیاں ہوئیں کہ کتنے ہی قبائل عرب کے فنا ہو گئے۔ اور یہ فساد اُس وقت تک نہیں مٹا جب تک ابوالہیذام ۱۸۲ھ میں مر نہیں لیا۔ اس کے بعد موصل۔ مصر۔ ماوراء النہر وغیرہ میں عمال کی جانب سے جو بغاوتیں ہوئیں وہ قابل ذکر نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ سب جھگڑے بہت جلد رفع کر دئے گئے۔ اور ایسے معمولی تھے کہ جنکا کوئی اثر سلطنت پر نہیں پہنچا۔

فتوحات خلیفہ ہارون الرشید اُن اولوالعزم خلفا میں سے ہے جسکے ایک ہاتھ

میں قلم اور دوسرے میں تلوار تھی۔ لیکن قلم کا پلہ بھاری تھا۔ اس لئے اگر ممالک مفتوحہ کی طولانی فہرست ہم نہ لکھ سکیں تو کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے۔ تاہم ۲۳ برس کی حکومت میں باوجود سادات اور عمال کی فتنہ پردازیوں کے فتوحات میں خلیفہ منصور و مہدی سے کم نہیں ہے۔ جنگ و جہاد کا شوق اس خلیفہ میں پیدائشی تھا۔ چنانچہ شاہزادگی کے زمانے میں بماہ جمادی الثانی ۱۶۵ھ ۱۲ جنوری ۷۸۲ء ۹۵۹۹۳ کی جمعیت سے روم پر فوج کشی کی اور پے در پے فتحیں حاصل کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔ اور اس قدر لوٹ ہاتھ آئی کہ گھوڑا ایک ایک درہم (چار آنہ) کو بک گیا۔ اور ملکہ ایرینی نے ستر ہزار دینار سالانہ خراج دینا تسلیم کیا اور صلح کر لی اس لڑائی میں ۵۴ ہزار رومی قتل ہوئے۔

جب تخت نشین ہوا تو قلعہ صفصاف۔ قلعہ صقلیہ (سسلی) قلعہ فلقونیہ اور شہر دلسہ فتح کیا۔ یونان پر کئی مرتبہ حملہ آور ہوا اور آخر کو باجگزار بنا لیا۔ قبرس فتح کیا پھر منہدم کر کے آگ لگا دی اور سولہ ہزار آدمی گرفتار کر لایا۔ غرضکہ ملکی حدود اس قدر وسیع کر دیئے کہ دولت عباسیہ میں کبھی نہیں ہوئے تھے۔ ہارون الرشید کے کل فوجی کارنامے تفصیل سے دکھلانا تو مشکل ہے لیکن اہل روما کے ساتھ جو واقعات پیش آئے وہ مختصراً لکھے جاتے ہیں۔ جن میں خلیفہ خود سپہسالار بن کر گیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۱ھ ۷۹۷ء کا واقعہ ہے کہ جب ملکہ ایرینی فرمانروائے روم نے سرکشی کی تو شہزادہ قاسم کی ماتحتی میں روم پر فوج کشی ہوئی۔ اور شہزادے نے قلعہ سنان کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت ملکہ نے

تاب مقابلہ نہ دیکھ کر ادائے خراج پر صلح کر لی۔ لیکن اس کی معزولی کے چند مہینے بعد
نقفور (نیکفورس یا ناسفورس) تخت نشین ہوا تو اس نے ادائے خراج سے انکار کیا۔
اور ارکان سلطنت کے مشورے سے ہارون الرشید کو یہ خط لکھا کہ "ملکہ سابق نے جو
کچھ کیا تھا وہ اس کی کمزوری اور حماقت تھی۔ اب میں تخت نشین ہوا ہوں اس لئے
لکھتا ہوں کہ جس قدر خراج اب تک سلطنت روم سے وصول کیا ہے وہ فوراً واپس کر دو
ورنہ بذریعہ تلوار کے فیصلہ کیا جائے گا"۔ نقفور کی گستاخانہ تحریر پڑھتے ہی ہارون الرشید
آپے سے باہر ہو گیا اور اس کا چہرہ غصہ سے آگ ہو گیا۔ امرا اور وزرا کے حواس جاتے
رہے۔ کسی میں آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی مجال نہ تھی۔ چہ جائیکہ کوئی گفتگو کر سکتا۔
اس لئے خط کی پشت پر خود ہی اپنے قلم سے یہ الفاظ لکھے "من ہارون امیر
المومنین الی نقفور کلب الروم۔ قد قرأت کتابک یا ابن الکافرہ
والجواب ماتراہ دون ماتسمعہ" یعنے یہ خط امیر المومنین ہارون الرشید کی
طرف سے نقفور (سگ رومی) کے نام ہے اے کافر کی اولاد۔ میں نے تیرا خط پڑھا۔
جواب اس کا تو نہ سنے گا بلکہ آنکھوں سے دیکھ لیگا" اور اسی وقت فوج کی تیاری
کا حکم دے دیا۔ اور اس تیزی سے جا پڑا کہ نقفور حیرت زدہ رہ گیا۔ جب پائے تخت
ہرقلہ (ہرقلہ) بہت کچھ تباہ ہو گیا۔ تب نقفور نے معافی مانگی اور شرائط سابق پر
صلح کر لی۔ لیکن ۱۹۰ھ میں نقفور کی پھر نیت بدل گئی۔ اور معاہدہ توڑ ڈالا۔
جب بغداد میں اس کی خبر پہنچی۔ تو عبداللہ بن یوسف اور ابو العتاہیہ نے چند شعروں

میں یہ واقعہ لکھا اور پیش کر دیا۔ چونکہ شاہ روم نے تین مرتبہ چند سال کے عرصے میں معاہدہ فسخ کر دیا تھا۔ اس لئے ہارون الرشید نے اس مرتبہ ایک لاکھ پینتیس ہزار فوج نظامی سے علاوہ فوج متطوعہ (والنٹیئرز) کے دار السلطنت پر حملہ کیا اور فوج کو تمام ملک روم میں پھیلا دیا۔ جب سرحد روم کے بہت سے مشہور قلعے فتح ہو گئے۔ اس وقت نقفور کا نشہ اترا۔ اور ہمیشہ کے واسطے خراج دینا منظور کیا۔ لیکن خلیفہ نے ہرقلہ کو بالکل برباد کر دیا۔ اور بزور یہ شرط لکھوالی کہ پھر کبھی آباد نہ کیا جائیگا۔ یہ واقعہ شوال ۱۹۰ھ مطابق اگست ۸۰۶ء کا ہے۔

وسعت سلطنت سالانہ خراج تعداد فوج و اسلحہ

خلیفہ ہارون الرشید کی عظمت اور وسعت سلطنت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ جس ملک کا فرمانروا تھا اس کی حدیں ہند اور تاتار سے بحر اوقیانوس تک تھیں۔ سوائے اسپین کے اور کل اسلامی دنیا تابع فرمان تھی۔ یورپ جس پر ناز کر سکتا تھا وہ صرف روم و یونان کا ملک تھا اور یہ دونوں سلطنت عباسیہ کے باجگزار تھے۔

کل ملک کا سالانہ خراج سات ہزار پانسو قنطار (ایک قنطار = ۴۰۰۰۰ دینار اور ایک دینار = ۵ روپے) یعنے آجکل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپے تھا۔ باری النظر میں یہ خراج روپے میں ایک پائی کے بھی برابر نہیں معلوم ہوتا ہے اور نہ اس خراج سے وسعت سلطنت کا اندازہ ہو سکتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس وقت خراج کے اصول بالکل اسلامی تھے۔ اور جن مدات کی آمدنی سے آج شاہوں کے خزانے پُر ہیں ان کا نام و

نشان تک نہ تھا۔

فوج کی تعداد قریباً دو لاکھ سوار و پیادہ کے تھی۔ گو یہ تعداد کم معلوم ہوتی ہے۔ مگر انتظام سلطنت کے واسطے کافی تھی۔ کیونکہ اس عہد کا ہر مسلمان پیدائشی سپاہی تھا۔ اور وقت ضرورت کے تمام ملک اُمنڈ آتا تھا۔ جن کو صرف سواری اور ہتیار سرکار سے دئے جاتے تھے۔ سوار کی تنخواہ پچیس روپے۔ اور پیادہ کے دس روپے ہوتے تھے افسروں کی تنخواہ بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔ اور سپہ سالاری کا کام جنگ کے وقت قسمت یا صوبہ کے افسر۔ وزیر اعظم۔ قاضی القضاۃ۔ اور خلیفہ کے بیٹے کرلیا کرتے تھے۔

خلیفہ کے انتقال کے وقت خزانۃ السلاح میں حسب ذیل اسلحہ موجود تھے۔ اور غالباً یہ علاوہ اس تعداد کے ہیں جو فوج کے پاس موجود ہونگے۔

مطلا و مذہب تلواریں	۱۰ ہزار	شاگرد و غلاموں کے لئے	۵۰ ہزار
نیزے	ایک لاکھ پچاس ہزار	کمانیں	ایک لاکھ
مطلا زرہیں	ایک ہزار	عام زرہیں	ایک ہزار
خود	بیس ہزار	جوشن	بیس ہزار
ڈھالیں	ڈیڑھ لاکھ	مطلا زین	چار ہزار
		عام قسم کے زین	تیس ہزار

مشاہیر کی موت

خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں جس درجے اور مرتبے کے امام۔ عالم۔ فقیہ۔ شاعر۔ صوفی۔ وغیرہ جمع تھے اس کا اندازہ

ذیل کے چند ناموں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے ہارون الرشید کے عہد میں انتقال کیا (علامہ سیوطی نے بڑی فہرست لکھی ہے) امام مالک۔ امام موسیٰ کاظم۔ قاضی ابو یوسف۔ امام محمد بن الحسن شیبانی عبداللہ بن مبارک۔ مسلم بن خالد زنجی۔ مروان بن حفصہ۔ عباس بن احنف شاعر۔ فضیل بن عیاض۔ مفضل بن فضالہ۔ ابن سماک۔ سیبویہ۔ کسائی۔ یونس بن حبیب نحوی۔ یعقوب بن عبدالرحمٰن قاری مدنی ابوالحکم مصری۔ صعصعہ بن سلام عالم اندلس۔

خلیفہ ہارون الرشید کے عام اخلاق عادات اور دیگر واقعات

خلیفہ ہارون الرشید میں درحقیقت وہ تمام خصلتیں مجتمع تھیں۔ جو ایک پاکباز اور دیندار بادشاہ میں ہونا چاہئیں۔ علامہ ذہبی اور جاحظ کا قول ہے کہ "ہارون الرشید میں جس قدر خوبیاں جمع تھیں وہ کسی دوسرے فرمانروا کو نصیب نہیں ہوئیں" علم وہنر۔ تدبیر۔ دانائی۔ فہم وفراست۔ عزم وثبات۔ فیاضی۔ شجاعت اور بلند حوصلگی میں وہ خلفاے بنی ابوالعباس میں ایک ممتاز خلیفہ تھا۔ شاہانہ شان وشوکت اور علم وہنر کی سرپرستی نے ہارون الرشید کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ اسکی قدردانی کی ندائے عام نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کردیئے کہ زمانہ کے تمام اہل کمال دربار میں کھنچ آئے۔ اور مدینۃ السلام (بغداد) علوم وفنون کا مرکز بن گیا۔ بیت الحکمۃ کی کامیابیاں اسکے عہد میں سب سے بڑی علمی فتوحات ہیں۔ الف لیلہ کی تالیف اسی کے مبارک زمانہ میں ہوئی جس نے ہارون الرشید کے نام کو زبان زد خاص وعام کردیا ہے۔ علمی درسگاہیں جس قدر تمام ملک میں کھلیں اس کی ایک بڑی فہرست تیار ہو سکتی ہے۔ اگرچہ علوم

فلسفہ سے چنداں ذوق نہ تھا لیکن فقہ و حدیث۔ ادب۔ ایام العرب۔ کا فاضل تھا جیسا خود قابل۔ طباع۔ فضیلت مآب تھا۔ ویسے ہی اس کے ارکین دولت تھے خصوصاً خاندان برامکہ جو درجۂ وزارت پر ممتاز تھا۔ جس طرح حضرت سلیمان کو آصف بن برخیا نوشیرواں کو بزرجمہر۔ بہرام گور کو خوردہ روز۔ ملک شاہ کو نظام الملک طوسی جیسے وزرا پر فخر تھا۔ اسی طرح ہارون الرشید کو اپنے مربی و محسن یحییٰ۔ فضل۔ اور جعفر برمکی وزرا پر ناز تھا۔ باوجود ایسے عظیم القدر شہنشاہ ہونے کے تکلف اور تعصب مزاج میں نام کو نہ تھا۔ جبرئیل اور بختیشوع وغیرہ عیسائی اطبا کا جو اعزاز دربار میں تھا آج اس کی نظیر سے یورپ اور ایشیا خالی ہے۔ جو عزت عیسائیوں کو دربار میں تھی ویسا ہی مرتبہ۔ یہودی۔ پارسی۔ ہندو علما و حکما کو بھی تھا۔

اپنے زمانے کے معصروں سے بھی دوستانہ ملتا تھا۔ چنانچہ شارلمین شہنشاہ فرانس اس کا خاص دوست تھا۔ اور اس محبت کو خود شاہ فرانس نے بڑھایا تھا۔

مذہبی عقائد اور خیالات میں مستحکم تھا۔ اور زندقہ و الحاد کا قطعی دشمن۔ سو رکعتیں روزانہ پڑھنے کا دستور تھا۔ اور سوائے بیماری کے کبھی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اگر ایک سال جہاد کرتا تو دوسرے سال خانۂ کعبہ کی زیارت کو جاتا تھا۔ تیئیس برس کی خلافت میں آٹھ یا نو بار حج کیا۔ اور ایک مرتبہ مکہ معظمہ سے عرفات تک پیادہ گیا۔ حج کے موقع میں علما و فقہا کی کثیر تعداد ہمراہ ہوتی تھی۔ اور جس سال اتفاق نہ ہوتا تو اپنی طرف سے تین سو حجاج کا ایک قافلہ روانہ کرتا تھا۔ خیرات علانیہ اور خفیہ دونوں

طرح پر جاری تھی۔ اور ایک ہزار درہم روزانہ جیب خاص سے خیرات کیا کرتا تھا۔
آنحضرت صلعم اور حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہٗ کے عشق و محبت کا بندہ تھا۔ فضائل
حسنین میں بھی اس نے حدیثیں روایت کیں ہیں۔ قتل سادات اور علویین کا اگرچہ
اس پر الزام ہے لیکن یہ معاملات ملکی تھے۔ اور ایسی مجبوری تھی کہ جس سے کسی خلیفہ
کو مفر نہیں ہو سکتا تھا۔ تاہم ہارون الرشید نے سادات پر ایسا ظلم نہیں کیا۔ جیسا کہ
خود سادات نے اپنی چندروزہ حکومت میں عباسیوں پر کیا تھا۔

بزرگانِ دین سے خاص تعلق رکھتا تھا۔ حضرت فضیل بن عیاض کے مکان پر
خود جاتا تھا۔ اور وہ جو نصیحت فرماتے تھے اس کو رغبت کے کانوں سے سنتا
تھا۔ ابومعاویہ ایک عالم کے ہاتھ دسترخوان پر خود آفتابہ و طشت لے کر ڈھلائے
جو تاریخی یادگار ہے۔ ابن سماک وغیرہ کے وعظ سے اسکو رقت ہوتی تھی۔ اور صوفیاے
کرام کے خاص وظیفے مقرر تھے۔ باوجود پابندی شریعت وہ زاہد خشک بھی نہ تھا۔ اسکی
بے تکلفی کی مجلس میں نغمہ و سرود بھی ہوتا تھا۔

ابراہیم الموصلی موسیقی کا اُستاد۔ خاص اس خدمت پر دس ہزار درہم کا نوکر تھا۔ کنیزوں
سے بھی صحبت رہتی تھی۔ اور نبیذ کا بھی دور چلتا تھا جس کی حلت کا فقہا نے فتوے
دے دیا تھا۔

عدل و انصاف کا بھی جوہر اس میں موجود تھا اور جس کا یہ اثر تھا کہ تمام ملک میں
خوشحالی پائی جاتی تھی۔ تجارت میں کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔ قریہ قریہ مال و

دولت سے آباد تھا۔ اور دارالخلافہ کی شان و شوکت ظاہر کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ ہے کہ دس لاکھ کی مردم شماری تھی تیس ہزار مسجدیں۔ اور دس ہزار حمام موجود تھے۔ ۱۲ میل طولاً اور ۳ میل عرضاً مسلسل آبادی تھی۔ علاوہ اس کے اپنے عہد دولت میں طرطوس۔ مصیصہ اور مرعش نئے شہر آباد کرائے۔ اور وقت ضرورت کے بڑے بڑے صوبوں میں دورہ بھی کیا۔ اور ملک کی حالت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ خلفائے عباسیہ میں سب سے پہلے چوگان کھیلا۔ اور آویزان نشانہ پر شرط باندھ کر تیر اندازی کی۔ اور شطرنج بھی کھیلی۔ گویّوں کے واسطے مراتب اور طبقے مقرر کئے۔ بہرحال خلیفہ ہارون الرشید کے تمام دور حکومت میں سوائے قتل برامکہ کے اور کوئی الزام نہیں ہے۔ لیکن منصف مزاج اس قتل کا خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو بقائے سلطنت کے واسطے اور کون تدبیر تھی؟ سیاست ملکی میں بے انتہا سخت تھا۔ اور معاملات سلطنت میں کسی کی نہ سنتا تھا۔ تیئیس برس دو مہینے اٹھارہ دن خلافت کر کے سینتالیس برس پانچ مہینے کی عمر میں پنجشنبہ کے دن ۳۔ جمادی الآخر ۱۹۳ھ ۲۴۔ مارچ ۸۰۹ء کو بمقام طوس انتقال کیا۔ اور اسی مقام پر دفن ہوا۔ جبرئیل بن بختیشوع کی روایت ہے کہ مرنے سے پہلے خواب دیکھا تھا اور یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ میں طوس میں مرونگا اس وجہ سے وہ نہایت پریشان تھا۔ شعرا نے ہارون الرشید کے نہایت دردناک مرثیے لکھے ہیں لیکن ہم صرف ابوالشیص کے دو شعروں پر اکتفا

کرتے ہیں۔

غربت فی الشرق شمس	آفتاب مشرق میں ڈوب گیا۔
فلنا عینان تدمع	اور ہماری دونوں آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔
ما رأینا قط شمسا	ہم نے یہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔
غربت من حیث تطلع	کہ آفتاب جہاں سے طلوع ہوتا ہے۔ وہیں غروب ہو۔
وللہ در من قال ؎	

خاور سے باختر تک جن کے نشاں تھے برپا
کچھ مقبروں میں باقی اُن کی نشانیاں ہیں

ہارون کی اولاد ذکور میں بارہ بیٹے تھے۔ جن میں سے امین۔ مامون۔ موتمن معتصم سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ بارہ بیٹیاں تھیں۔ لیکن باستثنائے محمد امین یہ سب اولاد کنیزوں کے بطن سے تھی۔ ہارون الرشید کے چھ نکاح ہوے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ ممتاز اور محبوب بی بی زبیدہ خاتون تھی۔ جو ہارون الرشید کے چچا کی بیٹی تھی۔ اصلی نام امۃ العزیز تھا۔ لیکن خلیفہ منصور بچپن میں جب گود میں لیتا تھا تو کہا کرتا تھا "اَنتِ زبیدۃ" چنانچہ وہی نام تمام دنیا میں مشہور ہوگیا۔ زبیدہ کے خزانے کا بڑا حصہ ہمیشہ رفاہ عام میں صرف ہوتا تھا۔ علاوہ پلوں اور مساجد کی تعمیر کے جو ہر ہر قدم پر اُس کی فیاضی کی یاد دلاتے ہیں سب سے زیادہ یہ کام ہے کہ حجاز کی پتھریلی زمین کو ہموار کرکے بارہ میل کی مسافت میں پچاسی لاکھ روپے صرف کرکے ایک نہر جاری کی جسکا

نام عین المشاش ہے اور جو راستہ عراق سے حجاز کی طرف آتا ہے اُس میں مسافروں اور حجاج کے آرام کیواسطے بکثرت تالاب اور حوض تیار کرائے جس سے آج تک قافلے سیراب ہوتے ہیں۔ اور زیب وزینت کی سیکڑوں چیزیں ایجاد کیں۔ شہر بدخشاں و تبریز آباد کیا۔ علاوہ اس کے ایشیاے کوچک میں اس کی بہت سی یادگاریں باقی ہیں۔ سنہ ۲۲۶ھ میں انتقال کیا۔

نوٹ یہ ضمیمہ ذیل کی تاریخوں سے لکھا گیا ہے۔ ابن خلدون۔ المعارف۔ کامل ابن الاثیر۔ ابن خلکان۔ تاریخ الخلفاے سیوطی۔ فتوحات الاسلامیہ سید احمد دحلان۔ شرح مقامات حریری۔ روضۃ الصفا۔ سیاست نامہ نظام الملک۔ المامون الفخری۔ التوفیقات